فہم القرآن سیریز نمبر 1

لایحب اللہ 6

www.KitaboSunnat.com

قرآناً عجباً

سوال و جواب کی صورت میں

قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام
محدث لائبریری
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com
library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُرآناً عَجَباً

نگہت ہاشمی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

قُرآناً عَجَباً

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب	:	"قرآنًا عَجَبًا" [پارہ 6]
مؤلفہ	:	نگہت ہاشمی
طبع اوّل	:	جنوری 2009
طبع دوم	:	Šمبر 2014
تعداد	:	1000
ناشر	:	النورانٹرنیشنل
لاہور	:	102H گلبرگ III فردوس مارکیٹ لاہور
فون نمبر	:	0423- 5881169
کراچی	:	گراؤنڈ فلور کراچی بیچ ریزیڈنسی، نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن، بلاک 2، کراچی
فیصل آباد	:	121A فیصل ٹاؤن ویسٹ کینال روڈ، فیصل آباد
ای میل	:	infoalnoorinternational@gmail.com productsalnoor@gmail.com
ویب سائٹ	:	www.alnoorpk.com
فیس بک	:	Alnoor International Nighat Hashmi Alnoor Products

النور کی پراڈکٹس حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں: 0336-4033045

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست

ابتدائیہ

رکوع ❖ 1	11
رکوع ❖ 2	19
رکوع ❖ 3	34
رکوع ❖ 4	49
رکوع ❖ 5	61
رکوع ❖ 6	84
رکوع ❖ 7	103
رکوع ❖ 8	125
رکوع ❖ 9	141
رکوع ❖ 10	159
رکوع ❖ 11	180
رکوع ❖ 12	197
رکوع ❖ 13	211
رکوع ❖ 14	229
آیات	247

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

اِنَّ الْحَمْدَلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِينُهٗ ،وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا،وَمِنْ سَيِّاتِ أَعْمالِنَا، مَنْ يَّهدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلاهَادِىَ لَهٗ،وَأشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاشَرِيْکَ لَهٗ وَأشْهَدُاَنَّ مُحمّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

بے شک حمد اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ہم اللہ تعالی کی حمد بیان کرتے ہیں اور ہم اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی سے مغفرت چاہتے ہیں، اور اپنے نفس کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں ۔

قرآن مجید کو انسان کے قلب و ذہن اور زندگی میں اتارنے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو طریقے اختیار کیے ہیں ان میں سے ایک اہم طریقہ سوال وجواب کا ہے۔ مثلاً سورہ المدثر میں اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاسَقَرُ اور تمہیں کس نے خبر دی کہ وہ دوزخ کیا ہے؟

پھر اگلی ہی آیت میں جواب دیا جاتا ہے:

لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ نہ وہ باقی رکھے گی اور نہ وہ چھوڑے گی۔

سورہ البلد میں اللہ تعالیٰ خود ہی سوال اٹھا کر جواب دیتے ہیں: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کا چھڑانا۔ یا بھوک والے دن کھانا کھلانا۔ کسی رشتہ دار یتیم کو۔ یا خاک نشین محتاج کو۔ پھر یہ کہ وہ اُن لوگوں میں ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی نصیحت کی۔ (البلد:12-16)

سوال آدھا علم ہے۔ سوال جب اٹھایا جاتا ہے تو ذہن متوجہ ہو جاتا ہے پھر جب جواب آتا ہے تو اس کا اثر گہرا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کثرت سے اس طریقے کو استعمال فرماتے تھے۔ امام بخاری نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے بیان کیا: وَعَنِ ابنِ مسعودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: فقال رَسُولُ اللهِ ﷺ اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ اَحَبُّ اِلَيهِ مِنْ مَّالِهِ ؟ قالوا : يَارَسُولَ اللهِ ما مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهُ اَحَبُّ اليه قَال : فَاِن مَالَهُ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِهِ مَا اَخَّرَ ۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال ہی سب سے زیادہ محبوب ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس انسان کا مال تو وہی ہے جو اس نے (صدقہ وخیرات) کرکے آگے بھیجا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو وہ پیچھے چھوڑ گیا۔'' (صحیح بخاری:6442)

ہر آیت میں غور وفکر کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں لیکن انسان عام طور پر انہیں نظرانداز کر کے گزر جاتا ہے۔ یہ پہلو سوال کی صورت میں سامنے آجائیں تو انسان رک کر سوچتا ہے۔ سوال وجواب کی صورت میں سیکھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ انسان کو سوالوں کے جواب مل جائیں تو اطمینان ہو جاتا ہے اور دل جمتا ہے۔

قرآنِ حکیم کو سوال وجواب کی صورت میں قرآناً عجباً کے نام سے مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہر آیت کے اہم پہلوؤں کو سوال کی صورت میں اٹھایا گیا ہے اور نکات کی صورت میں ان کا جواب قرآن حکیم ہی سے لینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ اس طرح اہم نکات حافظے کا حصہ بن جاتے ہیں، وہ نکات جن پر انسان عام طور پر یا تو سوچتا نہیں یا پھر ویسے ہی گزر جاتا ہے۔ قرآن مجید کو اس انداز میں پڑھ کر ہر وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو قرآن کے راستے کا مسافر بننا چاہتا ہے۔ اگرچہ سوال وجواب کے طریقے سے شعور بیدا ہوتا ہے لیکن ایک انسان کا علم محدود ہے، سمجھ محدود ہے، فرشتوں کی بات کو سامنے رکھیں تو اپنے علم کی حقیقت سامنے آتی ہے: قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ انہوں نے کہا: ''آپ پاک ہیں، جو کچھ آپ نے ہمیں سکھایا ہے اُس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں، یقیناً آپ ہی سب کچھ جاننے والے، کمال حکمت والے ہیں۔

میں ان سب افراد کی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اس کاوش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ قارئین سے درخواست ہے غلطیوں کی نشاندہی ضرور کریں۔ اگر اس سے کوئی بھلائی نصیب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھ لیں، آخرت کی فکر لاحق ہو جائے تو دعاؤں میں یاد رکھئے۔ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں۔

دعاؤں کی طلب گار

نگہت ہاشمی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

رکوع نمبر1

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا(148)

اللہ تعالیٰ بُرائی کی بات کے ساتھ آواز بلند کرنا پسند نہیں کرتا مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ سُننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔(148)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ہناد بن سری نے کتاب الزہد میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت یعنی ''اللہ تعالیٰ برائی کی بات کے ساتھ آواز بلند کرنا پسند نہیں کرتا مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو'' ایک شخص نے دوسرے کو اپنے ہاں مہمان رکھا لیکن صحیح طور پر اس کی مہمان نوازی کا حق ادا نہ کیا۔ اس نے وہاں سے آنے کے بعد لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ میں فلاں صاحب کا مہمان ہوا لیکن اس نے مہمان داری کا حق ادا نہیں کیا اس طرح اس شخص نے برائی کا اظہار کیا لیکن یہ شخص مظلوم تھا اس لیے (اِلَّا مَنْ ظُلِمَ) سے اس کے اظہار کی اجازت دی گئی۔(تفسیر ابن عباس:313/1)

سوال2: لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ''اللہ تعالیٰ برائی کی بات کے ساتھ آواز بلند کرنا پسند نہیں کرتا مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اَلْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ ''برائی کی بات کے ساتھ آواز بلند کرنا'' یعنی بری بات، گالی گلوچ، بدزبانی، عیب، جھوٹ، بہتان وغیرہ۔﴿2﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کسی پر بددعا کرنے کو پسند نہیں فرماتا، البتہ مظلوم ظالم پر بددعا کر سکتا ہے لیکن مظلوم کا بھی صبر کرنا بہتر ہے۔(مختصر ابن کثیر:387/1)﴿3﴾ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ''مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو'' مظلوم کو ظالم کے لیے بددعا کی رخصت ہے لیکن صبر کرے تو بہتر ہے۔(فتح القدیر:677/1)﴿4﴾ رب العزت نے فرمایا: وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لے تو یہی لوگ ہیں جن پر کوئی الزام نہیں۔(الشوریٰ:41)
﴿5﴾ سیدہ عائشہ کا ہار گم گیا تو وہ چور کے لیے بددعا کرنے لگیں آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا بوجھ کیوں ہلکا کر رہی ہو۔(ابوداؤد)
﴿6﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کریں تو گناہ ابتدا کرنے والے پر ہی ہوگا جب تک کہ مظلوم حد سے نہ بڑھے یعنی زیادتی نہ کرے۔(مسلم:6591)﴿7﴾ ظلم کے ازالے کے لیے تعاون کرنا اسلام کا اصول ہے نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے کہا مظلوم کی مدد کا تو پتہ ہے یہ بتائیں کہ ظالم کی مدد کیسے کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اسے ظلم کرنے سے روک دیں۔(ترمذی)﴿8﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اس نے اپنے ہمسائے کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور صبر کرو، وہ

آپ ﷺ کے پاس دو یا تین بار آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک کام کرو اپنا کل مال اسباب گھر سے نکال کر باہر رکھ دو اس نے ایسا ہی کیا۔ راستے پر اسباب ڈال کر وہیں بیٹھ گیا اب جو گزرتا وہ پوچھتا کیا بات ہے؟ یہ کہتا میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے میں تنگ آ گیا ہوں۔ راہ گزر اسے برا بھلا کہتا' کوئی کہتا رب کی مار اس پڑوسی پر، کوئی کہتا اللہ غارت کرے۔ اس پڑوسی کو جب اپنی اس طرح کی رسوائی کا حال معلوم ہوا تو اس کے پاس آیا منتیں کر کے کہا اپنے گھر چلو اللہ کی قسم! اب مرتے دم تک تم کو کسی طرح نہ ستاؤں گا۔ (سنن ابوداؤد:5153)

سوال3: اللہ رب العزت نے ابتدا میں ہی اپنی ناپسندیدگی کا احساس دلایا، اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی میں اپنی ناپسندیدگی کا شعور دلا کر مومن کو تیار کیا ہے کہ اسے اپنی نہیں بلکہ اپنے رب کی پسند کو دیکھنا ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے لیے ایک دوسرے کی برائی کے اظہار کو حرام کیوں قرار دیا ہے؟

جواب: برائی کے اظہار کے معاشرے پر بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں: ﴿1﴾ کچھ لوگوں کے اندر برائی کرنے کی قوت چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ معاشرے کے دباؤ کی وجہ سے وہ برائی کرنے سے رکے رہتے ہیں۔ جب اعلانیہ برائی کا اظہار ہونے لگتا ہے تو ان کا خوف دور ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ سوچتے ہیں کہ وہ اس میدان میں اکیلے نہیں اور لوگ بھی یہ کام کر رہے ہیں، یوں برائی کرنا ان کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ ﴿2﴾ لوگوں کے لیے برائی کا سننا آسان ہو جاتا ہے۔ اُن کے دل سے برائی کی نفرت میں کمی آ جاتی ہے اور وہ برائی کو مٹانے کے لیے فوراً نہیں اٹھتے۔ ﴿3﴾ معاشرے پر سے اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ لوگ سوچتے ہیں کہ اب معاشرے میں برائی کا غلبہ ہو گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگوں میں برائی کے لیے نفرت نہیں رہ جاتی۔

سوال5: ظلم کے حالات میں برائی کے اظہار کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مظلوم ظالم سے ظلم کا بدلہ لے سکتا ہے۔ ﴿2﴾ برائی کے اظہار کے ذریعے ظلم کے مقابلے میں مدافعت کی جاتی ہے۔ ﴿3﴾ مظلوم کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے۔ ﴿4﴾ مظلوم جب ظلم اور ظالم کے خلاف پروپیگنڈہ کرتا ہے تو ایسی فضا قائم ہو جاتی ہے جس میں ہر ظالم ظلم سے پہلے اپنے انجام کے بارے میں سوچنے لگتا ہے۔ ﴿5﴾ اس طریقۂ کار سے ظالم ظلم سے باز آ جاتا ہے۔

سوال6: برائی کے اظہار کا حق کیسے محدود ہے؟

جواب: ﴿1﴾ صرف وہی شخص برائی کا اظہار کر سکتا ہے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔ ﴿2﴾ برائی کا اظہار صرف اس شخص کے خلاف

ہوسکتا ہے جس نے ظلم کیا ہو۔﴿3﴾ برائی کا اظہار صرف انہی لوگوں کے سامنے ہوسکتا ہے جو ظالم کے خلاف کاروائی کر سکتے ہوں۔﴿4﴾ رب العزت کا فرمان ہے: وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ اور برائی کا بدلہ اُس جیسی ایک برائی ہے پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ یقیناً وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔(الشوریٰ:40)﴿5﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ اور اگر تم بدلہ لو تو جتنی تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اسی قدر بدلہ لو اور اگر آپ صبر کریں تو یقیناً وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔(النحل:126)

سوال7: وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ سُننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' اللہ رب العزت نے اپنے سمیع اور علیم ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات سمیع (سب کی سُننے والا) اور علیم (سب کو جاننے والا) کو استعمال کرکے یہ شعور دلایا ہے کہ جو بری زبان اور بری گفتگو تم استعمال کروگے اس کو صرف تمہارا مخاطب ہی نہیں سنے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کی بابرکت اور عظیم ہستی بھی اس کو سن لے گی۔ وہ بااختیار ہے اور بات پر پکڑنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا (149)

اگر تم نیکی اعلانیہ کرو یا اسے چھپاؤ یا کسی برائی سے درگزر کرو تو بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا، پوری قدرت رکھنے والا ہے۔(149)

سوال1: اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ ''اگر تم نیکی اعلانیہ کرو یا اسے چھپاؤ یا کسی برائی سے درگزر کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اس آیت سے پہلے یہ واضح کیا گیا ہے کہ برائی کا اظہار کرنا اچھا نہیں ہے اور یہاں ایمان والوں کو آمادہ کیا جارہا ہے کہ بھلائی کے لیے کوشش کریں۔ معاف کردینا اور انتقام نہ لینا بھلائی ہے۔ معاف کرنے سے بھلائی ظاہر ہوگی اور معاف نہ کروگے تو نیکی چھپ جائے گی۔﴿2﴾ نیکیاں اور معافی اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔ نیکی خواہ ظاہر کرو یا چھپاؤ تمہیں اللہ کے قریب کردے گی۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ قدرت رکھنے کے باوجود معاف کرتا ہے۔ اسی لیے فرمایا اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا اور پوری قدرت رکھنے والا ہے۔﴿3﴾ اگر تم کسی سے بھلائی کروگے تو اللہ تعالیٰ تم سے بھلائی کرے گا کیونکہ عمل کی جزا اس کی جنس سے ہوتی ہے۔

سوال2: اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا ''اگر تم نیکی اعلانیہ کرو'' اگر عفو و درگزر اعلانیہ کیا جائے تو اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ اعلانیہ نیکیاں کرنے سے معاشرے میں نیکیاں پروان چڑھتی ہیں۔﴿2﴾ جب لوگ ایک دوسرے کو معاف کرتے ہیں تو معاشرے میں عفو و درگزر کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ جب کہ چھپا کر نیکی کرنے سے نفس پاک ہوتا ہے۔

سوال3: اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ ’’یا کسی برائی سے درگزر کرو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ یعنی وہ شخص جو تمہارے بدن، تمہارے اموال اور تمہاری عزت و ناموس کے معاملے میں برا سلوک کرے تم اسے معاف کردو۔ عمل کی جزا اس کی جنس سے ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے لیے معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے معاف کر دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:621/1) تم برائی کا مواخذہ نہ کرو۔(ایسر التفاسیر:307)﴿2﴾ اپنے دلوں سے برائی محو کر دو۔(الاساس فی التفسیر:1217/2)﴿3﴾ رب العزت کا فرمان ہے: خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِيۡنَ آپ درگزر اختیار کریں اور نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کریں۔(الاعراف:199)﴿4﴾ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى اور تقویٰ کے زیادہ قریب یہی ہے کہ تم معاف کردو۔(البقرہ:237)﴿5﴾ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ وَالۡعَافِيۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ وہ لوگ جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(آل عمران:134)﴿6﴾ معاف کرنے کی صورت میں تلخی مٹ جاتی ہے، دل سے بات غائب ہو جاتی ہے اور تکلیف کی شدت دور ہو جاتی ہے۔﴿7﴾ معاف کر دینے سے (الف) دل سے بات نکل جاتی ہے۔ دل صاف ہو جاتا ہے اور بدگمانی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر انسان طعنہ نہیں دیتا، وقت برباد نہیں کرتا، غیبت نہیں کرتا، معاشرے میں مثبت تعمیری کردار ادا کرسکتا ہے۔(ب) معاف کرنے سے اندر کی برائیاں نکلتی ہیں اگر کوئی معاف نہ کرنا چاہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ برائی کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔ اس پر شیطان بار بار حملہ کرے گا۔﴿8﴾ ان گندگیوں کے ساتھ اللہ کی یاد کا دل میں بسنا ناممکن ہے۔(اشرف الحواشی:123/1)﴿9﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندے کے معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتا ہے اور جو آدمی بھی اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند فرما دیتا ہے۔(مسلم:6592)﴿10﴾ ابو کبشہ نماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں ہیں جنہیں میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں اور وہ تین یہ ہیں کہ صدقہ کی وجہ سے کسی بندہ کا مال کم نہیں ہوگا اور جس کسی بندے پر کوئی ظلم کیا گیا جس پر اس نے صبر کرلیا تو اللہ اس کی عزت بڑھا دے گا اور جس کسی نے (مخلوق سے) سوال کرنے کا دروازہ کھول دیا اللہ اس پر تنگدستی کا دروازہ کھول دے گا (یعنی وہ ہمیشہ فقیر ہی رہے گا جس قدر بھی مال جمع کرے اس کا فقر ختم نہیں ہوگا)(ترمذی)﴿11﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے رب! تیرے نزدیک بندوں میں سب سے

بڑا عزت والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص قدرت ہوتے ہوئے معاف کردے وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا ہے۔(المشکوۃ)《12》سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی زبان کو محفوظ رکھے اللہ اس کی پوشیدہ چیزوں کی پردہ پوشی فرمائے گا اور جو شخص اپنے غصہ کو روک لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روک لے گا۔ اور جو شخص اللہ کی بارگاہ میں عذر پیش کرے اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول فرمالیتا ہے۔(المشکوۃ :434)《13》ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا خادم کو کتنی مرتبہ معاف کیا جائے؟ فرمایا: ہر روز ستر مرتبہ (یعنی بہت مرتبہ)۔(ابوداؤد)

سوال4: فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیۡرًا ’’تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا پوری قدرت رکھنے والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی مثال دی ہے کہ میں قدرت کے باوجود معاف کردیتا ہوں۔ جیسے میں تمہارے گناہ معاف کرتا ہوں اسی طرح تم بھی دوسروں کے گناہوں کو معاف کردیا کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو معاف کرتا ہے حالانکہ وہ انتقام لینے پر قادر ہے اس طرح اگر تم بھی قدرت ہونے کے باوجود معاف کردیتے ہو تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کھلے اور پوشیدہ سب کچھ جانتا ہے وہ تمہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا اور تمہیں اس کا اچھا سے اچھا بدلہ دے گا۔(تیسیر الرحمٰن:310/1)

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا (150)

یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کسی پر ایمان لاتے ہیں اور کسی کا کفر کرتے ہیں اور وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اس کے درمیان ہی میں کوئی راستہ بنالیں۔(150)

سوال1: قرآنِ کریم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان کے بارے میں کیا وضاحت کی ہے؟

جواب: قرآنِ کریم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کا جامع تصور پیش کیا ہے جس کے مطابق:《1》اللہ تعالیٰ کی ذات اور تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔《2》اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا غلط ہے۔《3》اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے درمیان فرق کرکے بعض پر ایمان لانا اور بعض کا انکار کردینا غلط ہے۔《4》سارے رسول ایک ہی عظیم امانت کے وارث رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی رسول علیحدہ نہیں ہے اور یہ سلسلہ کہیں سے کٹا ہوا نہیں ہے۔

《5》رسولوں کے سلسلے سے ہٹ کر کوئی دین اور کوئی نظریہ اختیار کرنا گمراہی ہے۔

سوال2: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ''یقیناً جولوگ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں کو ڈرا رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے کفر کرتے ہیں۔(جامع البیان:7/6)

سوال3: وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ''اور وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں'' اللہ تعالیٰ اور رسولوں کے درمیان تفریق ڈالنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: 《1》اللہ تعالیٰ کو ماننا اور اس کے رسولوں کو نہ ماننا۔《2》اللہ تعالیٰ کو ماننا اور اس کے کسی رسول کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا یہ سب تفریق ڈالنا ہے۔

سوال4: وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ''اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کسی پر ایمان لاتے ہیں اور کسی کا کفر کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: 《1》یہودیوں نے رسولوں کے درمیان فرق کیا ان کا تمام انبیاء پر ایمان ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کو جھٹلاتے ہیں۔ عیسائی تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں مگر محمد ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے۔《2》تمام انبیاء پر ایمان لانا فرض ہے اس لیے جس نے کسی نبی کو نہیں مانا اس کا تمام انبیاء پر شرعی ایمان نہیں ہے۔

سوال5: وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ''اور وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اس کے درمیان ہی میں کوئی راستہ بنالیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جو لوگ بعض انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض پر نہیں رکھتے اور ان کے درمیان ایک راستہ بنانا چاہتے ہیں وہ ایمان اور کفر کے درمیان متوسط دین بنانا چاہتے ہیں۔(فتح القدیر:678/1)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا(151)

یہی لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(151)

سوال1: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ''یہی لوگ حقیقی کافر ہیں'' اسلام نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنے والوں، کسی کو ماننے اور کسی کو نہ ماننے والوں کو حقیقی کافر قرار دیا ہے، اس کی وجہ بیان کریں؟

جواب: 《1》ایمان ایک مستقل اکائی ہے۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیے جاسکتے۔ ایمان کے لیے پہلی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار ہے اور اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین دیا ہے وہ بھی ایک ہو، جو دین رسول لے کر آئے وہ بھی

ایک ہو جو اس اکائی میں فرق لاتا ہے کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔《2》یہ لوگ حقیقی کافر ہیں ان کا ان انبیاء پر بھی ایمان نہیں جن پر ایمان کا یہ دعوی کرتے ہیں کیوں کہ وہ شرعی ایمان نہیں ہے۔

سوال 2: وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ''اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ان کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب اس لیے تیار کر رکھا ہے کیونکہ انہوں نے انبیاء پر ایمان نہ لا کر ان کی توہین کی ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ لَمۡ یُفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ اُولٰٓئِکَ سَوۡفَ یُؤۡتِیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا (152)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہ کیا، یہی لوگ ہیں انہیں جلد ہی اللہ تعالیٰ ان کے اجر سے نوازے گا اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔(152)

سوال 1: وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ ''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے'' کیسا ایمان مراد ہے؟

جواب:《1》یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کی، سارے انبیاء کی نبوت کا اقرار کیا اور اس چیز کی تصدیق کی جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعت لے کر آئے۔(جامع البیان: 8/6)《2》اس سے مراد مسلمان ہیں جو تمام انبیاء اور تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مِنۡ رَّبِّہٖ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ ۟ وَ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا ٭۫ غُفۡرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیۡکَ الۡمَصِیۡرُ رسول ایمان لایا ہے اس پر جو اس کے رب کی جناب سے اس کی طرف نازل کیا گیا ہے اور مومن بھی، سب ہی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، اس کے رسولوں میں سے ہم کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی جانب لوٹ کر جانا ہے۔(البقرہ: 285)

سوال 2: وَ لَمۡ یُفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ ''اور انہوں نے ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہ کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: رسولوں کے درمیان فرق نہ کرنا اہل ایمان کی خصوصیت ہے اس لیے کہ سارے رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اور

ایک ہی حق لے کر آئے۔حقیقت یہ ہے کہ تمام رسول ایک ہی قافلے کی قیادت کرتے رہے ہیں،ایک ہی عظیم امانت لے کر آئے،ایک ہی سچائی اور بھلائی کے وارث رہے ہیں اور ایک ہی مشن کے لیے آئے کہ انسانیت کے شعوری اور عملی بگاڑ کی اصلاح کریں۔رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

سوال3: أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ''یہی لوگ ہیں انہیں جلد ہی اللہ تعالیٰ ان کے اجر سے نوازے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ أُجُورَهُمْ ان کی جزااور ان کا ثواب اللہ تعالیٰ کی توحید،اس کے رسولوں کی تصدیق،اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی طرف سے آئی شریعت کی تصدیق کی وجہ سے ملے گا۔(جامع البیان:8/6)﴿2﴾اللہ تعالیٰ انہیں قابل قدر انعام اور شاندار اجر دینے والا ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے تھے۔﴿3﴾یعنی ان کے ایمان اور ایمان پر مبنی عمل صالح،قول حسن اور خلق جمیل کی جزا دی جائے گی اور یہ جزا ہر ایک کو اس کے حسب حال عطا ہوگی۔شاید ان کے اجر میں اضافے کا یہی سر نہاں ہے۔(تفسیر سعدی:623/1)

سوال4: وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا،نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ غفور ہے اگر کسی کے پاس گناہوں کا بوجھ ہوگا تو اس کے گناہ معاف فرمادے گا۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ رحیم ہے اس کی جانب سے حق کی طرف ہدایت،حق کی راہ پر چلنے کی توفیق،جہنم سے نجات اس کی طرف سے رحمت کی بنا پر ہے۔

رکوع نمبر2

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِن ذَٰلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَن ذَٰلِكَ ۚ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُّبِينًا (153)

اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتار لائیں سو وہ تو یقیناً موسیٰ سے اس سے زیادہ بڑا سوال کر چکے ہیں چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کو بالکل سامنے دکھا دو تو ان کے ظلم کی وجہ سے انہیں بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا،پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آچکی تھیں تو ہم نے اس سے درگزر کیا اور ہم نے موسیٰ کو واضح غلبہ دیا۔(153)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے پاس اللہ کی طرف سے الواح لے کر آئے، آپ بھی ہمارے پاس الواح لائیں تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں، اس پر يَسْـَٔلُكَ سے لے کر بُهْتَانًا عَظِيمًا تک یہ آیات نازل ہوئیں تو ان یہودیوں میں سے ایک شخص گھٹنوں کے بل گر پڑا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر، موسیٰ علیہ السلام پر، عیسیٰ علیہ السلام پر اور کسی پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی مَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (تفسیر ابن عباس:314,315/1)

سوال 2: يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ '' اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتار لائیں '' اس مطالبے کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اہل کتاب نے نبی ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ قرآن پاک ایک ہی بار نازل ہوجائے جیسے تورات اور انجیل ایک ہی بار نازل ہوئی تھیں۔ انہوں نے ایمان لانے کی یہی شرط رکھی تھی۔ ﴿2﴾ یہ مطالبہ ظالمانہ تھا کیونکہ نبی تو اللہ کا بندہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا پابند ہوتا ہے۔ سارا اختیار تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے اپنے بندوں پر نازل کرتا ہے۔ ﴿3﴾ کتاب کا ایک بار نازل ہوجانا حق اور باطل میں فرق کی دلیل نہیں ہے۔ ﴿4﴾ قرآن مجید کا حالات کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل ہونا اس کی عظمت کی دلیل ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا اور اُن لوگوں نے کہا جنہوں نے کفر کیا، اس پر پورا قرآن ایک ہی بار کیوں نہ نازل کردیا گیا؟ اسی طرح (ہم نے اُتارا) تاکہ ہم آپ کے دل کو اس کے ساتھ مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا، خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اور وہ آپ کے پاس کوئی مثال نہیں لاتے مگر ہم تیرے پاس حق اور بہترین تفسیر لاتے ہیں۔ (الفرقان:32،33)

سوال 3: فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ '' سو وہ تو یقیناً موسیٰ سے اس سے زیادہ بڑا سوال کرچکے ہیں '' موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے کے باوجود یہود نے ان سے کیا مطالبات اور معاملات کیے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا مطالبہ کرنا۔ ﴿2﴾ عبادت کے لیے بچھڑے کو معبود بنانا۔ ﴿3﴾ بستی کے دروازے سے داخل ہوتے ہوئے قول وفعل سے مخالفت کرنا۔ ﴿4﴾ تورات کے احکامات کو قبول کرنے سے انکار کرنے پر طور کو ان کے سروں پر اٹھایا گیا پھر ان کا احکامات کو قبول کرنا۔ ﴿5﴾ ہفتے کے دن حد سے گزر جانا۔ ﴿6﴾ ان کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھا دیا ہے۔ ﴿7﴾ ان کا یہ دعویٰ کرنا کہ ان کے دل غلافوں میں ہیں۔ ﴿8﴾ ان کا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا اور گمراہی کی دعوت دینا۔ ﴿9﴾ ان کا سود کھانا۔

سول4: فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ '' چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کو بالکل سامنے دکھا دو تو اُن کے ظلم کی وجہ سے اُنہیں بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یہود نے ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا یہ ان کی جانب سے ظلم تھا جس کی سزا کے طور پر انہیں موت دے کر دوبارہ زندہ کیا۔《2》ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ سے مراد موت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اجل سے پہلے انہیں موت دی ان کے اس قول کی سزا کے طور پر، جیسے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ انہیں موت دے پھر انہیں دوبارہ زندہ کیا۔ (الدرالمنثور:322/2)

سوال5: ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ '' پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آچکی تھیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: بنی اسرائیل نے عبادت کے لیے بچھڑے کو معبود بنالیا حالانکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے بینٰت دیکھ لی تھیں۔ مثلاً فرعون کو اپنے سامنے نیل میں غرق ہوتے دیکھنا، موت کے بعد دوبارہ زندگی ملنا۔

سوال6: فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ '' تو ہم نے اس سے درگزر کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بچھڑے کے معبود بنانے کے باوجود ان سے درگزر کیا تھا۔ یہود سے یہ توبہ اس طرح قبول کی گئی تھی کہ ان سے کہا گیا مجرم قتل کر دیئے جائیں۔ آخر کار مجرموں کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور ان سے درگزر کیا۔

سوال7: وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا '' اور ہم نے موسیٰ کو واضح غلبہ دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلبہ عطا فرمایا انہیں تختیوں پر لکھی ہوئی تورات عطا فرمائی۔ یہی ان کی شریعت تھی۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (154)

اور ہم نے اُن سے پختہ عہد لینے کی وجہ سے اُن پر پہاڑ کو اُٹھایا اور ہم نے اُن سے کہا کہ دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور ہم نے اُن سے کہا کہ ہفتے کے دن میں تم زیادتی نہ کرو اور ہم نے اُن سے ایک انتہائی مضبوط عہد لیا تھا۔ (154)

سوال1: وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ '' اور ہم نے اُن سے پختہ عہد لینے کی وجہ سے اُن پر پہاڑ کو اُٹھایا'' یہود سے میثاق لینے کے لیے طور کی وادی میں جو کیفیت پیدا کی گئی تھی اُس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ الطُّوۡرَ معروف پہاڑ ہے جس کو ان کے اوپر بادلوں کی طرح رکھ دیا گیا تھا جب کہ وہ وادی میں تھے۔ (مراغی:349/2)
﴿2﴾ ان کے سروں پر طور کو اٹھا کر انہیں دھمکایا گیا کہ اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو تم پر پہاڑ گرا دیں گے اس طرح وہ شریعت پر کاربند ہو گئے۔ ﴿3﴾ میثاق سے مراد وہ معاہدہ ہے جو کوہ طور کے دامن میں بنی اسرائیل کے نمائندوں سے لیا گیا تھا کہ تورات کے احکامات مانیں گے۔

سوال2: اس معاہدے کا مقصد کیا تھا؟

جواب: بنی اسرائیل کو یہ باور کرانا کہ اگر عہد توڑا تو اس کی سزا سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

سوال3: وَ قُلۡنَا لَهُمُ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا ’’اور ہم نے اُن سے کہا کہ دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ’’اور ہم نے اُن سے کہا کہ دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ‘‘ یعنی رکوع کرتے ہوئے، تواضع اختیار کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع کرتے ہوئے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے۔ (ایسر التفاسیر:309) ﴿2﴾ دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور استغفار کرتے ہوئے داخل ہوں۔

سوال4: وَّ قُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُوۡا فِی السَّبۡتِ ’’اور ہم نے ان سے کہا کہ ہفتے کے دن میں تم زیادتی نہ کرو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ’’ہفتے کے دن میں تم زیادتی نہ کرو‘‘ لَا تَعۡدُوۡا یعنی جو حد تمہارے لیے مقرر کی گئی ہے اس سے تجاوز نہ کرو یعنی ترک عمل سے (ہفتے کے دن زیادتی نہ کرنے سے) اس پر عمل (ہفتے کے دن زیادتی کرنے) تک نہ آؤ۔ (ایسر التفاسیر:309)

سوال5: وَ اَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا ’’اور ہم نے اُن سے ایک انتہائی مضبوط عہد لیا تھا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ’’اور ہم نے اُن سے ایک انتہائی مضبوط عہد لیا تھا‘‘ یہ عہد کیسے لیا گیا تھا ان کے سروں پر پہاڑ لا کر کھڑا کیا گیا اور فرمایا کہ بتاؤ پہاڑ گرا کر ماروں یا تورات کے احکامات مانتے ہو؟ پھر یہ سب احکام شریعہ کے پابند ہو گئے اور سجدے میں گر پڑے۔ اس وقت انہیں کہا تھا کہ ہم نے جو کتاب تمہیں دی ہے اسے مضبوطی سے تھامو اور جو احکام ہیں انہیں یاد رکھو تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (مختصر ابن کثیر:390/1)

فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّیۡثَاقَهُمۡ وَ كُفۡرِهِمۡ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ قَتۡلِهِمُ الۡاَنۡۢبِیَآءَ بِغَیۡرِ حَقٍّ وَّ قَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِیۡلًا (155)

چنانچہ ان کے پختہ عہد توڑنے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کرنے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے اور یہ کہنے کہ ہمارے

تو دل غلافوں میں ہیں بلکہ ان کے کفر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، سو ان میں سے بہت ہی کم لوگ ایمان لاتے ہیں۔(155)

سوال1: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ''چنانچہ ان کے پختہ عہد توڑنے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کرنے کی وجہ سے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ''چنانچہ ان کے پختہ عہد توڑنے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کرنے کی وجہ سے'' یعنی ﴿1﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ: ان کے تورات پر عمل کے عہد کو توڑنے کی وجہ سے۔(جامع البیان:12/6)﴿2﴾ انہوں نے ہفتے کے دن حد سے تجاوز نہ کرنے کا پختہ عہد کیا جسے توڑ ڈالا۔ مجاہد نے کہا: آیات سے مراد طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک، لہو، ید بیضا اور ان کا عصا ہے۔(ابن ابی حاتم:1107/4)﴿3﴾ آیات کے کفر سے مراد انبیاء و رسل کی صداقت اور جو کچھ ان پر نازل ہوا، اس سے کفر ہے۔(جامع البیان:12/6)

سوال2: وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ''اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: انہوں نے انبیاء کو بغیر کسی سبب کے جو انہیں قتل کا مستحق بناتا ہو، قتل کیا۔ رسول ایسے کام نہیں کرتے جو انہیں قتل کا مستحق بناتے ہوں۔(الاساس:1221/2)

سوال3: وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ''اور یہ کہنے کہ ہمارے تو دل غلافوں میں ہیں'' دلوں کے غلافوں میں محفوظ ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں جو کچھ محمد ﷺ کہتے ہیں اس کو نہیں سمجھ سکتے۔﴿2﴾ جو خیالات اور رسوم و رواج ہم نے اپنے آباء و اجداد سے پائے ہیں وہ ہم سے ہٹائے نہیں جا سکتے۔﴿3﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: قُلُوْبُنَا سے مراد ہمارے دل علم سے بھرے ہوئے ہیں ہمیں محمد ﷺ کے علم کی ضرورت نہیں۔(ابن ابی حاتم:1108/4)

سوال4: بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ''بلکہ ان کے کفر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے'' مہر لگنے سے کیا مراد ہے؟ دلوں پر مہر کب لگتی ہے؟

جواب: آخرت کی کامیابی کے لیے جن خصوصیات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے ان کو ماننے سے جب انسان انکار کرتا ہے تو سوچنے، سمجھنے کے تمام ذرائع یعنی آنکھیں، کان اور دل سب مخالف سمت میں چل نکلتے ہیں۔ پھر کوئی بات سمجھ نہیں آتی، پھر آنکھیں حق نہیں دیکھتیں، کان حق بات نہیں سنتے، دل میں حق بات سمجھنے کے لیے گنجائش ختم ہو جاتی ہے اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ انسان کے دل پر مہر لگی ہوئی ہے۔

سوال5: یہودیوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر کیوں لگا دی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دل بند کر کے ان پر مہر لگا دی۔

سوال6: فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ''سوان میں سے بہت ہی کم لوگ ایمان لاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ کفر کی وجہ سے کم لوگ ہی ان میں سے ایمان لاتے ہیں جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی ایمان لائے۔ ﴿2﴾ ان کے دل کفر اور سرکشی کے عادی ہو چکے ہیں اس لیے ان میں سے کم ہی ایمان لائیں گے۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا(156)

اور ان کے کفر کی وجہ سے اور مریم پر ان کے بہتان عظیم کی وجہ سے۔(156)

سوال1: وَّبِكُفْرِهِمْ ''اور ان کے کفر کی وجہ سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہاں کفر سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنا اور محمد ﷺ کا کفر کرنا ہے۔(مراغی:350/2) ﴿2﴾ یہاں کفر سے مراد اللہ تعالیٰ کی آیات کو نہ ماننا اور انبیاء کے معجزات کو ٹھکرانا۔ اللہ تعالیٰ کی حجتوں اور دلائل کا انکار کرنا ہے۔ رب العزت کا ارشاد ہے: فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـــًٔا فَرِيًّا ۝ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا پھر وہ اُس کو اُٹھا کر اپنی قوم کے پاس آئی، لوگوں نے کہا: اے مریم! بلاشبہ تو نے یقیناً بہت بُرا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تمہارا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تمہاری ماں کوئی بدکار تھی۔(مریم:27,28)

سوال2: وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ''اور مریم پر ان کے بہتانِ عظیم کی وجہ سے'' سیدہ مریم پر بہتان کب لگایا گیا؟

جواب: ﴿1﴾ عیسیٰ علیہ السلام کے جوان ہونے تک کبھی کسی نے مریم علیہا السلام پر الزام نہیں لگایا۔ ﴿2﴾ عیسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے بعد ان پر بہتان لگایا گیا۔

سوال3: سیدہ مریم علیہا السلام پر کیا بہتان لگایا گیا؟

جواب: سیدہ مریم علیہا السلام پر نعوذ باللہ یوسف نجار کے ساتھ زنا کرنے کا الزام لگایا گیا۔

سوال4: کیا مریم علیہا السلام پر بہتان کی وجہ یہود کا شبہ تھا؟

جواب: بہتان کی وجہ شبہ ہرگز نہیں تھا۔ اس لیے کہ جس روز عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ نے پوری قوم کو گواہ بنایا تھا۔ جب قوم کے لوگوں نے مریم علیہا السلام سے سوال کرنا چاہا تو انہوں نے خاموشی سے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جو نوزائیدہ تھے اشارہ کر دیا کہ یہ تمہیں جواب دے گا۔ مجمع نے حیرت سے کہا کہ ہم بچے سے کیا پوچھیں تو بچے نے مجمع کو خطاب کر کے فرمایا: اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا یقیناً میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔(مریم:30) اللہ تعالیٰ

نے اس شبہے کو جڑ سے ختم کر دیا تھا جو عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلے میں پیدا ہو سکتا تھا۔ یہ خالص بہتان تھا جو انہوں نے محض حق کی مخالفت کے لیے گھڑا تھا۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا (157)

اور اُن کے کہنے کی وجہ سے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسول مسیح ابن مریم کو ہم نے قتل کیا حالانکہ انہوں نے نہ اُسے قتل کیا اور نہ اُسے سولی چڑھایا بلکہ اُن کے لیے اس کی شبیہہ بنادی گئی اور بلاشبہ جن لوگوں نے اس میں اختلاف کیا یقیناً وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں، انہیں اس کے بارے میں گمان کا پیچھا کرنے کے سوا علم نہیں اور انہوں نے یقیناً اُسے قتل نہیں کیا۔ (157)

سوال 1: وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ''اور اُن کے کہنے کی وجہ سے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسول مسیح ابن مریم کو ہم نے قتل کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہودیوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام جو رسالت کے دعویدار ہیں ان کو ہم نے قتل کر دیا ہے۔

سوال 2: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ''حالانکہ انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی چڑھایا بلکہ اُن کے لیے اس کی شبیہہ بنادی گئی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ان کا یہ کہنا تھا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھا دیا حالانکہ انہوں نے نہ قتل کیا نہ سولی چڑھایا بلکہ ان کے لیے معاملہ مشتبہ بنا دیا گیا۔ جسے انہوں نے قتل کیا اور سولی چڑھایا وہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں تھے۔ ﴿2﴾ قتل کے دعویدار اور جو ان کی بات مانتے ہیں یعنی یہودی اور عیسائی سب عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے بارے میں شک میں ہیں۔ انہیں مسیح کے قتل میں یقین نہیں، شک ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 342/1)

سوال 3: وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ''اور بلاشبہ جن لوگوں نے اس میں اختلاف کیا یقیناً وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں'' اختلاف سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اختلاف سے مراد عیسائیوں کے فرقوں کے درمیان عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ﴿2﴾ اس سے مراد یہود کا اختلاف ہے کہ ایک گروہ کے مطابق انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا اور دوسرے گروہ کے مطابق مصلوب شخص عیسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ کوئی اور تھا۔

سوال4: مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ''انہیں اس کے بارے میں گمان کا پیچھا کرنے کے سوا علم نہیں اور اُنہوں نے یقیناً اُسے قتل نہیں کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہودی اور عیسائی سب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں شک اور حیرت میں ہیں۔ انہیں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں شک اور وہم ہے کہ انہوں نے انہیں مصلوب کر دیا تھا۔ انہیں مسیح کے قتل کے بارے میں یقین نہیں ہے۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (158)

بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔(158)

سوال1: بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ''بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا تھا اور اب وہ آسمان میں ہیں۔ حدیث معراج میں دوخالہ زاد بھائیوں عیسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کا تذکرہ ملتا ہے، عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر مقیم ہیں یہاں تک کہ وہ نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور زمین عدل سے بھر جائے گی۔ وہ چالیس سال زندہ رہیں گے اور عام انسانوں کی طرح وفات پائیں گے۔ (تفسیر ثعالبی: 327/2) ﴿2﴾ رب العزت کا فرمان ہے: اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! یقیناً میں تجھے قبض کرنے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا تجھے پاک کرنے والا ہوں اور جن لوگوں نے تیری پیروی کی انہیں قیامت کے دن تک ان لوگوں پر غالب کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا۔ پھر میری طرف تم سب کی واپسی ہے، سو میں تمہارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ (آل عمران: 55)

سوال2: وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات عَزِیز اور حَکِیم کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے رفع مسیح یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھالینے سے اپنی صفت عَزِیز یعنی وہ غلبے والا ہے، اس کے ارادے کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور حَکِیم یعنی حکمت والا ہے کا شعور دلایا ہے یعنی وہ جو فیصلہ کرتا ہے حکمت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ﴿2﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ایک یہودی نے کہا: تم گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے پھر آج وہ کیسا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنی ذات میں عزیز اور حکیم ہے۔ (ابن ابی حاتم: 112/4)

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (159)

اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اس پر ضرور ایمان لائے گا اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔(159)

سوال1: وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ "اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اُس پر ضرور ایمان لائے گا" کی وضاحت کریں؟

جواب: قیامت سے پہلے اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آئے۔ ایسی صورت میں قیامت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ بکثرت احادیث میں اس امت کے آخری دور میں نزول مسیح علیہ السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے۔ سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ دن قریب ہے کہ جس میں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تمہارے درمیان ایک عادل حاکم کی حیثیت سے نازل ہوں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے، سؤر کو مار ڈالیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے۔ اس وقت مال کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ کوئی اسے لینے والا نہیں ملے گا۔ اس وقت ایک سجدہ دنیا وما فیہا سے بڑھ کر ہوگا پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو: وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (بخاری:3448) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تم میں اتریں گے (تم نماز پڑھ رہے ہوگے) اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔ اس روایت کی متابعت عقیل اور اوزاعی نے کی ہے۔ (صحیح بخاری:3449) دجال کے اسی فعال کے دوران اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا وہ دمشق کے مشرق میں سفید منارے کے پاس زرد رنگ کے حلے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے جب وہ اپنے سر کو جھکائیں گے تو اس سے قطرے گریں گے اور جب اپنے سر کو اٹھائیں گے تو اس سے سفید موتیوں کی طرح قطرے ٹپکیں گے اور جو کافر بھی اس کی خوشبو سونگھے گا وہ مرے بغیر رہ نہ سکے گا اور ان کی خوشبو وہاں تک پہنچے گی جہاں تک ان کی نظر جائے گی پس مسیح علیہ السلام (دجال کو) طلب کریں گے اسے باب لد پر پائیں گے تو اسے قتل کر دیں گے۔ (صحیح مسلم:7373)

سوال2: اہل کتاب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر کیسے ایمان لائیں گے؟

جواب: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو اہل ایمان کے ساتھ اہل کتاب بھی ان پر ایمان لائیں گے۔

سوال3: وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا "اور قیامت کے دن وہ اُن پر گواہ ہوگا" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اس میں اس شہادت کا تذکرہ ہے جو قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام ان کے اعمال پر دیں گے کہ ان کے اعمال شریعت کے مطابق تھے یا نہیں جیسا کہ فرمایا: وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ اور میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں موجود تھا۔(المائدہ:117)《2》قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام ان پر اس طرح گواہی دیں گے کہ ان کا جو عمل شریعت قرآن کے مخالف ہوگا اس کے باطل ہونے کی گواہی دیں گے۔《3》عیسیٰ علیہ السلام صرف حق کی گواہی دیں گے اور اس بات کی گواہی دیں گے کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے وہ حق ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ باطل اور گمراہی ہے۔《4》ان میں سے جن لوگوں نے جھٹلایا ہوگا ان کی تکذیب پر گواہ ہوں گے اور ان میں سے سچے لوگوں کی تصدیق کریں گے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے پاس آیا اور ان کے اپنے رب کے پیغام پہنچانے کی تصدیق کریں گے۔(جامع البیان:266)

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا (160)

تو ان لوگوں کے ظلم کی وجہ سے جو یہودی ہوئے اور ان کے بہت سوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے ہم نے ان پر پاک چیزیں بھی حرام کر دیں جو اُن کے لیے حلال کی گئی تھیں۔(160)

سوال1: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ ''تو ان لوگوں کے ظلم کی وجہ سے جو یہودی ہوئے ہم نے ان پر پاک چیزیں بھی حرام کر دیں''، بنی اسرائیل پر کون سی چیزیں حرام کی گئی تھیں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے تورات میں چند ایسی چیزیں حرام کی تھیں جو دراصل ان پر حلال تھیں۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ تمام کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے مگر جو اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے اپنی جان پر حرام کر لیے تھے اس سے پہلے کہ تورات نازل کی جاتی۔آپ کہہ دیں تورات لاؤ پھر تم اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو۔(آل عمران:93) یعقوب علیہ السلام نے اپنی ذات پر اونٹ کا دودھ اور گوشت حرام کر لیا تھا۔《2》وہ تمام جانور جن کے ناخن ہوتے ہیں۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ اور اُن لوگوں پر جو یہودی بن گئے ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا اور گائیوں اور بکریوں میں سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چربیاں حرام کر دیں سوائے اس کے جو ان دونوں کی پیٹھوں یا انتڑیوں نے اُٹھایا ہو یا جو کسی ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو، یہ ہم نے اُنہیں اُن کی سرکشی کی وجہ سے سزا دی تھی اور بلاشبہ یقیناً ہم ہی سچے ہیں۔(الانعام:146)《3》گائے اور بکری کی چربی۔

سوال2: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ ''تو ان لوگوں کے ظلم کی وجہ سے جو یہودی ہوئے ہم نے ان

پر پاک چیزیں بھی حرام کر دیں جواُن کے لیے حلال کی گئی تھیں‘ظلم کیا تھا؟

جواب: یہودیوں کے ظلم اور بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر پاک چیزیں حرام کردی تھیں ان کا ظلم یہ تھا کہ ﴿1﴾ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے تھے۔﴿2﴾ سود کھاتے تھے۔﴿3﴾ ناحق لوگوں کا مال کھاتے تھے۔

سوال3: وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ”اوران کے بہت سوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے“ یہود اللہ تعالیٰ کے راستے سے کیسے روکتے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ یہودی خود بھی حق کی پیروی نہیں کرتے تھے اورلوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کرتے تھے۔﴿2﴾ لوگوں کو ہدایت کی راہ سے روکنے کے لیے کہتے تھے کہ جنت میں اس وقت تک نہیں جاسکتے جب تک کہ یہودی نہ ہو جاؤ۔﴿3﴾ وہ لوگوں کو محمد ﷺ کی اتباع سے روکتے تھے۔(فتح القدیر:684/1)

سوال4: اللہ تعالیٰ کے راستے سے کس طرح روکا جاتا ہے؟

جواب﴿1﴾ انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو تحریک اٹھتی ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے لیے ہوتی ہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف بلانے کے لیے جو لوگ اٹھتے ہیں اُن کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہونا ان پر اعتراضات کرنا۔﴿3﴾ ان کے خلاف پروپیگنڈا کرنا۔ انسانوں کو بے فائدہ اور فضول کاموں میں الجھا دینا مثلاً لہوولعب اور موسیقی وغیرہ دراصل اللہ کے راستے سے روکنا ہے۔

وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا (161)

اوران کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ یقیناً انہیں اس سے منع کیا گیا تھا اوراُن کے لوگوں کے مال کو باطل طریقوں سے کھانے کی وجہ سے، اورہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کررکھا ہے۔(161)

سوال1: وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ ”اوراُن کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ یقیناً انہیں اس سے منع کیا گیا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہودی سودخور تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سود لینے سے منع کیا تھا پھر بھی انہوں نے طرح طرح کے حیلے تراش کر سودخوری جاری رکھی۔(مختصر ابن کثیر:394/1)﴿2﴾ وہ محتاج لوگوں کو اپنی خرید وفروخت میں سود کے ذریعے پٹاتے تھے۔(تفسیر سعدی:628/1)

سوال2: وَ اَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ’’ اور اُن کے لوگوں کے مال کو باطل طریقوں سے کھانے کی وجہ سے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: یہودی لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے تھے مثلاً رشوت اور سود لیتے تھے۔(فتح القدیر:684/1)

سوال3: وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ’’ اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: یہودیوں کے سود کھانے کی وجہ سے اور لوگوں کے مال باطل طریقے سے کھانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بعض حلال چیزیں ان پر حرام کر دیں اور آخرت میں کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِيۡمًا(162)

لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ کار اور ایمان والے ہیں وہ اس پر (بھی) ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ نماز قائم کرنے والے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر وہ ایمان لانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جلد ہی ہم اُن کو اجر عظیم دیں گے۔(162)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن عباس کا قول ہے کہ یہ آیت عبداللہ ابن سلام، اسید بن شعبہ اور ثعلبہ بن شعبہ کے یہود سے جدا ہو کر اسلام لانے پر نازل ہوئی۔(فتح القدیر:687/1)

سوال2: لٰكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ ’’ لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ کار ہیں‘‘ پختہ علم رکھنے والوں کی نشانیاں کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ پختہ علم رکھنے والوں کے دلوں میں علم مضبوط ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی:628/1)﴿2﴾ پختہ علم رکھنے والوں کے دلوں میں یقین راسخ ہوتا ہے۔﴿3﴾ پختہ علم رکھنے والوں کا ایمان کامل ہے جو علم کی مضبوطی اور یقین کے راسخ ہونے کی وجہ سے نصیب ہوتا ہے۔﴿4﴾ پختہ علم والے دین میں ثابت قدم ہوتے ہیں۔(ابن کثیر)

سوال3: سطحی علم کی کیا نشانیاں ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ سطحی علم کا تعلق زبان اور حافظے سے ہوتا ہے۔﴿2﴾ سطحی علم دل میں مضبوط نہیں ہوتا۔﴿3﴾ سطحی علم کی وجہ سے یقین نصیب نہیں ہوتا۔﴿4﴾ سطحی علم کی وجہ سے ایمان کامل نہیں ہوتا۔﴿5﴾ سطحی علم کی وجہ سے دین میں ثابت قدمی نہیں آتی۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے پختہ علم رکھنے والوں سے کیا وعدہ فرمایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے پختہ علم رکھنے والے لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان والے ہیں وہ اس پر (بھی) ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ نماز قائم کرنے والے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر وہ ایمان لانے والے ہیں کہ انہیں اجر عظیم سے نوازیں گے۔

سوال5: علم میں پختگی کیسے پیدا ہوتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ علم میں پختگی دلوں میں علم مضبوط کرنے اور یقین راسخ کرنے سے آتی ہے۔ ﴿2﴾ علم میں پختگی دین پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے آتی ہے۔

سوال6: وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ '' اور ایمان والے ہیں وہ اس پر (بھی) ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا'' مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ایمان کا کیا پھل نصیب ہوتا ہے؟

جواب: یہ ایمان انہیں اعمال صالحہ کا پھل عطا کرتا ہے مثلاً نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔ یہ دونوں سب سے افضل اعمال ہیں کیونکہ یہ دونوں معبود کے لیے اخلاص اور بندوں کے لیے احسان پر مشتمل ہیں۔ (تفسیر سعدی:628/1) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کو دوہرا ثواب ملے گا ایک تو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے وہ شخص جو اپنے پیغمبر پر ایمان لایا اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا دوسرا وہ غلام جو اللہ کا حق ادا کرے اور اپنے مالکوں کا بھی اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس ایک لونڈی ہو، وہ اس سے صحبت کرتا ہو پھر اسے اچھی طرح ادب سکھائے اور اچھی طرح تعلیم دے اور آزاد کرکے اس سے نکاح کرلے تو اسے دوہرا اجر ملے گا۔ عامر شعبی نے (صالح سے) کہا ہم نے یہ حدیث تجھے بغیر اجرت کے سنا دی ایک زمانہ وہ تھا جب اس سے کم حدیث کے لیے لوگ مدینہ تک سوار ہو کر جاتے تھے۔ (صحیح بخاری:97)

سوال7: وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ '' اور وہ نماز قائم کرنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ علم میں مضبوط لوگ نماز قائم کرنے والے ہیں۔ نماز قائم کرنا افضل عمل ہے کیونکہ نماز میں معبود کے لیے اخلاص ہوتا ہے۔ یہ ایسا عمل صالح ہے جس کی وجہ سے ایمان اور یقین مضبوط ہوتا ہے اور دین میں ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔ ﴿2﴾ اقامت صلاۃ ایمان کے حصول کا عظیم عامل ہے۔ (الاساس:1222/2)

سوال8: وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ '' اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: علم میں مضبوط لوگ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنا افضل عمل ہے۔ اس میں معبود کے لیے اخلاص بھی ہے

اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لیے احسان بھی یہ ایسا عمل صالح ہے جس کی وجہ سے ایمان مضبوط ہوتا ہے۔

سوال9: وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ''اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر وہ ایمان لانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر وہ ایمان رکھنے والے ہیں''《1》ان کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہے یعنی توحید کے قائل ہیں اور بعث بعد الموت کا عقیدہ رکھتے ہیں تاکہ اعمال کا بدلہ ملے۔《2》اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی وعیدوں سے ڈرتے ہیں۔

سوال10: اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ''یہی لوگ ہیں جلد ہی ہم ان کو اجرِ عظیم دیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》انہیں جلد ہی اجرِ عظیم دیا جائے گا کیوں کہ وہ مضبوط علم رکھتے ہیں، ان کا یقین راسخ ہے اور دین میں ثابت قدم ہیں۔《2》انہوں نے علم، ایمان، عمل صالح، گزشتہ اور آئندہ آنے والے انبیاء ومرسلین اور تمام کتب الٰہیہ پر ایمان کو جمع کر دیا ہے۔

رکوع نمبر3

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (163)

ہم نے آپ کی طرف بھی بلاشبہ ایسے ہی وحی کی ہے جیسے ہم نے نوح اور اس کے بعد کے نبیوں کی طرف کی تھی اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب اور عیسٰی اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔(163)

سوال1: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: ابن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی پر کچھ نازل نہیں کیا۔ یوں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نزول کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ (تفسیر ابن عباس:317/1)

سوال2: اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ''ہم نے آپ کی طرف بھی بلاشبہ ایسے ہی وحی کی ہے جیسے ہم نے نوح اور اس کے بعد کے نبیوں کی طرف کی تھی'' کہہ کر کیا بتانا مقصود ہے؟

جواب:《1》اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی بار وحی نازل نہیں ہوئی۔ اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام بھی اسی

ذریعے سے ہدایت حاصل کر کے انسانوں تک ہدایت پہنچاتے رہے ہیں۔﴿2﴾ محمد ﷺ انبیاء ورسل کے سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔آپ کی وہی دعوت ہے جو دوسرے رسولوں کی تھی۔آپ کا ذکر ظالم و جابر بادشاہ کے ساتھ نہیں رسولوں کے ساتھ کیا ہے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی طرف بھی وہ اصول وحی کیے ہیں جو پہلے انبیاء پر کیے تھے۔وہ ایک دوسرے کی موافقت کرنے والے ہیں۔﴿4﴾ قرآن میں انبیاء کے تذکرے سے مومن کے ایمان اور رسولوں سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ان کے طریقے اپنانے کا جذبہ بڑھتا ہے۔نبی ﷺ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں جیسے رب العزت نے فرمایا: سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ سلام ہے نوح پر تمام جہانوں میں۔(الصفت:79) سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ سلام ہے ابراہیم پر۔(الصفت:109) سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ سلام ہے موسیٰ اور ہارون پر۔(الصفت:120) سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ سلام ہے الیاس پر۔(الصفت:130) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔(الصفت:131)﴿5﴾ سارے انبیاء احسان کے بلند مرتبے پر فائز ہیں۔﴿6﴾ انبیاء ورسل کو معبوث فرمانا اللہ تعالیٰ کے کامل غلبے اور حکمت کی دلیل ہے۔﴿7﴾ انبیاء کو بھیجنا اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کیونکہ لوگ انبیاء کے ضرورت مند ہیں۔﴿8﴾ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے جس طرح رسول بھیج کر ہم پر انعام فرمایا اسی طرح ان کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمادے یقیناً وہ رحیم وکریم ہے۔

سوال3: وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِیْسٰی وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَیْمٰنَ. اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ سارے رسول ایک ہی سلسلے کی کڑی تھے۔﴿2﴾ سب رسول اللہ تعالیٰ کے نمائندے کی حیثیت سے دنیا میں آئے۔﴿3﴾ رسول اللہ تعالیٰ سے وحی پاتے رہے۔﴿4﴾ رسولوں میں سے کسی نے اپنی طرف سے کوئی بات پیش نہیں کی۔﴿5﴾ تمام رسولوں کا نصب العین ایک تھا۔﴿6﴾ وَالْاَسْبَاطِ '' اور اولاد'' سے مراد بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے جیسے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے قبائل تھے۔

سوال4: وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا '' اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی'' خاص طور پر زبور کا تذکرہ کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب:﴿1﴾ زبور کا علیحدہ سے تذکرہ اس لیے کیا گیا کہ اہل کتاب کے ہاں اس کی خاص قدر ومنزلت ہے۔(تفسیر المراغی:343/2)
﴿2﴾ داؤد علیہ السلام کے فضل وشرف کی وجہ سے ان کے لیے یہ کتاب مخصوص کی گئی۔

وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ ؕ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِیْمًا (164)

اور وہ رسول جن کے حالات یقیناً ہم پہلے ہی آپ پر بیان کر چکے ہیں اور وہ رسول بھی جن کے حالات ہم نے آپ پر

بیان نہیں کیے اور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا، خود کلام کرنا۔(164)

سوال1: وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ’’ اور وہ رسول جن کے حالات یقیناً ہم پہلے ہی آپ پر بیان کر چکے ہیں ‘‘ قرآن مجید میں کون سے انبیاء کا تذکرہ ملتا ہے؟

جواب: قرآن مجید میں 25 رسولوں کا تذکرہ ملتا ہے:

1۔سیدنا آدم علیہ السلام	2۔سیدنا ادریس علیہ السلام	3۔سیدنا نوح علیہ السلام	4۔سیدنا ہود علیہ السلام
5۔سیدنا صالح علیہ السلام	6۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام	7۔سیدنا لوط علیہ السلام	8۔سیدنا شعیب علیہ السلام
9۔سیدنا اسماعیل علیہ السلام	10۔سیدنا اسحاق علیہ السلام	11۔سیدنا یعقوب علیہ السلام	12۔سیدنا یوسف علیہ السلام
13۔سیدنا ایوب علیہ السلام	14۔سیدنا ذوالکفل علیہ السلام	15۔سیدنا یونس علیہ السلام	16۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام
17۔سیدنا عزیر علیہ السلام	18۔سیدنا زکریا علیہ السلام	19۔سیدنا یحییٰ علیہ السلام	20۔سیدنا الیاس علیہ السلام
21۔سیدنا داؤد علیہ السلام	22۔سیدنا سلیمان علیہ السلام	23۔سیدنا عیسیٰ علیہ السلام	24۔سیدنا الیسع علیہ السلام
25۔سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم			

سوال2: وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ’’ اور وہ رسول بھی جن کے حالات ہم نے آپ پر بیان نہیں کیے‘‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾اس سے مراد وہ رسول ہیں جن کے نام اور حالات قرآن مجید میں نہیں آئے اور ان کی ایک بڑی تعداد ہے۔﴿2﴾ یہ انبیاء کی کثرت پر دلیل ہے۔

سوال3: وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ’’ اور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا، خود کلام کرنا‘‘ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کیسے کلام کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بغیر کسی واسطے کے کلام کیا حتیٰ کہ یہ بات پوری دنیا میں مشہور ہوگئی اور موسیٰ کو کلیم اللہ کہا جانے لگا۔ اس کلام کا ایک نمونہ سورہ طٰہٰ میں ہے۔ پھر جب وہ اُس کے پاس آیا تو آواز دی گئی: ’’ اے موسیٰ! یقیناً میں ہی تمہارا رب ہوں۔ پس اپنے جوتے اُتار دو۔ یقیناً تم وادئ مقدس طویٰ میں ہو۔ اور میں نے تمہیں چن لیا ہے۔ پس جو وحی کی جارہی ہے اُسے غور سے سنو۔ یقیناً میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو تم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ قریب ہے کہ میں اُسے چھپاؤں تا کہ ہر شخص کو اس کوشش کی بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی۔ سو تمہیں اس سے روک نہ دے کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں لایا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ پس تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور اے موسیٰ! یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟‘‘ موسیٰ نے کہا: ’’ یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس پر ٹیک لگاتا

ہوں اور میں اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں۔ اور اس میں میرے لیے اور بھی کئی ضرورتیں ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''پھینک دو اس کو اے موسیٰ!'' تو موسیٰ نے اس کو پھینک دیا تو اچانک وہ ایک سانپ تھا جو دوڑ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اس کو پکڑو اور ڈرو مت! جلد ہی ہم اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملاؤ۔ وہ سفید چمکتا ہوا بغیر عیب کے نکلے گا۔ یہ دوسری نشانی ہے۔ تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں اب تم فرعون کے پاس جاؤ۔ یقیناً اس نے سرکشی کی ہے۔'' (طٰہٰ:24-11)

سوال4: کیا اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ دیگر پیغمبروں سے بھی کلام کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کی صفت میں آدم علیہ السلام کے ساتھ محمد ﷺ کو بھی شریک کیا ہے۔ (تفسیر ابنِ کثیر)

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (165)

وہ رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے تاکہ لوگوں کے لیے رسولوں کے بعد اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہ رہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (165)

سوال1: رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ''وہ رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے'' رسول کس مقصد کے لیے بھیجے گئے؟

جواب: ﴿1﴾ مُّبَشِّرِيْنَ ''خوشخبری دینے والے'' اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو ان لوگوں کے لیے دنیا و آخرت کی سعادت کے لیے خوش خبری سنانے والے بنا کر مبعوث فرمایا جو ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ (تفسیرِ سعدی:639/1) ﴿2﴾ ابن عباس کا قول ہے: مبشر ہونے سے مراد ہے کہ رسول جنت کی خوش خبری دینے والے ہیں۔ (ابن ابی حاتم:1120/4) ﴿3﴾ انبیاء انہیں جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور نیکیاں کر کے اللہ کو راضی کر لیتے ہیں جنت اور رضائے الٰہی کی بشارت دیتے ہیں۔ (مختصر ابنِ کثیر:395/1) ﴿4﴾ وَمُنْذِرِيْنَ ''اور ڈرانے والے'' ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: رسولوں کے منذر ہونے سے مراد رسول آگ سے ڈرانے والے ہیں۔ (ابن ابی حاتم:1120/4) ﴿5﴾ وَمُنْذِرِيْنَ ''اور ڈرانے والے'' یعنی ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور رسولوں کی مخالفت کرتے ہیں دونوں جہانوں کی بدبختی سے ڈرانے والے بنا کر بھیجا۔ (تفسیرِ سعدی:630/1) ﴿6﴾ انبیاء انہیں جو نافرمانی کرتے ہیں اور رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر:396/1)

سوال2: لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ''تاکہ لوگوں کے لیے رسولوں کے بعد اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہ رہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾انبیاء و رسل کو بھیجنے کا مقصد، انسانیت پر حجت تمام کرنا تا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور حشر کے میدان میں لگنے والی عدالت میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں حقیقت سے آگاہ کرنے کا انتظام نہیں کیا گیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے پیغام بھیج کر راہ نمائی کا انتظام کر دیا۔اب اگر کوئی شخص گمراہ ہوتا ہے تو اس کا الزام پیغمبروں پر عائد نہیں ہوتا بلکہ یا تو اس شخص پر عائد ہوتا ہے جو خود گمراہ ہے یا اُن لوگوں پر جنہوں نے انسانوں کو گمراہی میں مبتلا دیکھا تو آگاہ نہ کیا۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا تا کہ انہیں مبعوث کرنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت باقی نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں: يَآاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَ كُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اے اہلِ کتاب یقیناً رسولوں کے ایک وقفے کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے جو تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوش خبری دینے والا آیا اور نہ کوئی ڈرانے والا ،تو یقیناً تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔(المائدہ:19)

سوال3: وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات عزیز و حکیم کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے رسولوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجنے سے اپنی صفات عزیز یعنی غلبے والا اور حکیم یعنی حکمت والا ہونے کا شعور دلایا ہے یعنی رسول بھیجنا حکمت سے خالی نہیں اور غلبے کے بغیر ممکن نہیں۔﴿2﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے کامل غلبہ اور کامل حکمت کی دلیل ہے کہ اس نے لوگوں کی طرف رسول مبعوث فرمائے اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان بھی ہے۔کیونکہ لوگ انبیاء و رسل کی بعثت کے سخت ضرورت مند تھے تب اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اضطرار کا ازالہ فرمایا۔پس وہ حمد و ثنا اور شکر کا مستحق ہے۔ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اس نے جس طرح اپنے رسول بھیج کر ہم پر اپنی نعمت کی ابتداء کی اسی طرح وہ ہمیں ان کے راستے پر گامزن ہونے کی توفیق سے نواز کر اس نعمت کا اتمام کرے، بے شک وہ جواد اور کریم ہے۔(تفسیر سعدی:631/1)

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا(166)

لیکن اللہ تعالیٰ اس پر گواہی دیتا ہے جو کہ اس نے آپ پر اتارا ہے کہ اس نے اسے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے۔(166)

سوال1: لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ''لیکن اللہ تعالیٰ اس پر گواہی دیتا ہے جو کہ اُس نے آپ پر اُتارا ہے کہ

اُس نے اس کو اپنے علم سے اتارا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ ''اس نے اسے اپنے علم سے اتارا ہے'' اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ اس نے محمد ﷺ پر جو کلام نازل کیا ہے اپنے علم سے نازل کیا ہے۔﴿2﴾ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اِلَيۡكَ اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ ''جو کہ اُس نے آپ پر اُتارا ہے کہ اُس نے اس کو اپنے علم سے اتارا ہے'' رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اپنے علم میں سے آپ کو علم عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اوامر ونواہی دیئے اب اگر کوئی نہیں مانتا تو اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔ نہ اس کے علم سے بڑھ کر کسی کا علم ہے، نہ اس کی گواہی سے بڑھ کر کسی کی گواہی ہے۔﴿3﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشۡهَدُ ''لیکن اللہ تعالیٰ اس پر گواہی دیتا ہے'' اللہ تعالیٰ سے بڑی کسی کی شہادت نہیں۔ اس کی شہادت اس کے علم، اسکی قدرت اور اس کی حکمت کی وجہ سے سب سے بڑی ہے۔﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ جو کچھ اس نے محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے اپنے علم سے نازل فرمایا جس کو معلوم کرنے کا انسانوں کے پاس کوئی ذریعہ نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ بِهٖ عِلۡمًا وہ سب جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ سب علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔(طٰہٰ:110) قرآن دراصل اللہ تعالیٰ کا وہ علم ہے جو اس نے نبی ﷺ کے توسط سے بندوں کو سکھایا ہے۔﴿5﴾ قرآن نبی ﷺ کی رسالت پر گواہ ہے اگر مشرک اور کافر نبی ﷺ کی نبوت کو نہیں مانتے تو نہ مانیں اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالذِّكۡرِ لَمَّا جَآءَهُمۡ‌ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيۡزٌ ۝٤١ لَّا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ‌ ؕ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ یقیناً جن لوگوں نے اس ذکر (قرآن) کے ساتھ کفر کیا جب کہ وہ ان کے پاس آ گیا حالانکہ یقیناً وہ ایک باعزت کتاب ہے۔ باطل اس کے پاس نہ اس کے آگے سے آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی جناب سے نازل کردہ ہے۔(فصلت:42,41)﴿6﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول ﷺ کے پاس یہودیوں کی ایک جماعت آئی آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اللہ کی قسم مجھے یقین ہے کہ تمہیں میری رسالت کا علم ہے، وہ بولے نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(مختصر ابن کثیر:393/1)

سوال2: وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يَشۡهَدُوۡنَ ''اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی گواہی قادر مطلق ہونے کی حیثیت سے، خود بھیجنے والے مالک کائنات اور اس کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہونے کی حیثیت سے ہے۔﴿2﴾ اور فرشتوں کی گواہی اس لیے معتبر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں اور ان کا ایمان کامل ہے۔ ان کی شہادت اس بارے میں ہے جو کتاب اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے اپنی توحید پر فرشتوں کی گواہی کا عظیم الشان معاملہ آل عمران کی آیت نمبر 18 میں بیان کیا، اب عظیم الشان رسالت اور عظیم کتاب

کے نزول پر اللہ تعالیٰ نے اپنی اور فرشتوں کی گواہی کے بارے میں بیان فرمایا ہے۔

سوال3: وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ''اور اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے شھید ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے رسولوں پر ایمان لانے کے لیے اپنے شھید یعنی گواہ ہونے کا شعور دلایا ہے۔《2》اللہ تعالیٰ کی شہادت کے بعد اور کسی کی شہادت طلب نہیں کی جاسکتی۔(ایسر التفاسیر:314)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا(167)

یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا وہ یقیناً گمراہ ہوگئے، بہت دور کا گمراہ ہونا(167)

سوال1: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا'' یہاں کفر سے کیا مراد ہے؟

جواب: جن لوگوں نے محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا۔(ایسر التفاسیر:314)

سوال2: وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ''اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جو لوگ حق کے پیروکار نہیں وہ حق کی پیروی بھی نہیں کرنے دیتے اور حق کے راستے سے روکنے کے لیے سرگرم عمل رہتے ہیں۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کے راستے سے کیسے روکا جاتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا راستہ دراصل قرآن حکیم کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے والے دراصل قرآن کے راستے پر چلنے سے روکتے ہیں۔ اس کی تعلیم سے، اس پر عمل پیرا ہونے سے، اس کی دعوت دینے سے اور اس کے نظام کے قیام سے روکنا دراصل اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا ہے۔

سوال4: ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ''وہ یقیناً گمراہ ہوگئے، بہت دور کا گمراہ ہونا'' گمراہی میں دور نکل جانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: گمراہی میں دور نکل جانے سے مراد ہے کہ یہ لوگ آئمہ کفر اور گمراہی کے داعی ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوئے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ دو گناہ سمیٹے، دو خسارے لے کر لوٹے اور دو ہدایتوں سے محروم ہوگئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا(168)

یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ایسا نہیں ہے کہ وہ انہیں بخش دے اور نہ ہی یہ کہ ان کو کسی راستے کی ہدایت دے۔(168)

سوال1: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا''، ظلم سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہ ظلم ان کے کفر پر اضافہ ہے ورنہ جب ظلم کا اطلاق کیا جاتا ہے تو کفر اس کے اندر شامل ہوتا ہے۔ یہاں ظلم سے مراد اعمال کفر اور اس کے اندر استغراق ہے۔ پس یہ لوگ مغفرت اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی سے بہت دور ہیں۔ (تفسیر سعدی:632/1)

سوال2: لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَ لَا لِیَہۡدِیَہُمۡ طَرِیۡقًا ’’اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ایسا نہیں ہے کہ وہ انہیں بخش دے اور نہ ہی یہ کہ ان کو کسی راستے کی ہدایت دے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے کفر اور ظلم کرنے والوں سے مغفرت اور ہدایت کی نفی کی ہے کیونکہ وہ اپنی سرکشی پر اڑے ہوئے ہیں اور کفر میں بڑھتے جا رہے ہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی جس کی وجہ سے ہدایت کا راستہ ان پر بند ہو گیا ہے۔ (تفسیر سعدی:633/1)

اِلَّا طَرِیۡقَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ وَ کَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا (169)

مگر جہنم کا راستہ جس میں وہ ابدالآباد تک ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ پر ہمیشہ سے بہت ہی آسان ہے۔ (169)

سوال1: اِلَّا طَرِیۡقَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ’’مگر جہنم کا راستہ جس میں وہ ابدالآباد تک ہمیشہ رہنے والے ہیں‘‘ کفر اور ظلم کرنے والوں کی، جہنم کے راستے کی طرف راہ نمائی کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کفر اور ظلم کرنے والوں کو معاف نہیں فرمائے گا' نہ انہیں نیکی کے راستے پر چلنے دے گا' البتہ جہنم کے راستے پر ڈال دے گا ایسے لوگ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

سوال2: وَ کَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ’’اور یہ اللہ تعالیٰ پر ہمیشہ سے بہت ہی آسان ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کافروں کو جہنم کا راستہ دکھاتے ہیں، اسی میں وہ ہمیشہ کے لیے رہنے والے ہوں گے اور یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ اس لیے کہ ﴿1﴾ وہ اپنے بندوں پر پوری طرح حاوی ہے۔ ﴿2﴾ کسی بندے کے پاس اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں نہ کوئی قوت ہے نہ کوئی تدبیر۔ ﴿3﴾ کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے مشکلات پیدا نہیں کر سکتا۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ وہ بھلائی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَکُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَقِّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ فَاٰمِنُوۡا خَیۡرًا لَّکُمۡ ؕ وَ اِنۡ تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا (170)

اے لوگو! یقیناً رسول تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق لے کر آیا ہے، چنانچہ تم ایمان لے آؤ تمہارے لیے

یہی بہتر ہوگا اور اگر تم کفر کروگے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو بھی آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔(170)

سوال1: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ ''اے لوگو! یقیناً رسول تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق لے کر آیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ محمد ﷺ نور ہدایت اور دین حق لے کر مبعوث ہوئے ہیں آپ ﷺ کا آنا حق ہے' آپ ﷺ جو شریعت لائے ہیں وہ حق ہے۔ اس لیے ان پر ایمان لے آؤ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ ﴿2﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ میں کافر اور منافق دونوں فریق شریک ہیں۔ (ابن ابی حاتم:1122/4)

سوال2: فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ''چنانچہ تم ایمان لے آؤ تمہارے لیے یہی بہتر ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نبی ﷺ پر ایمان لے آؤ کیونکہ وہ عظیم شریعت لائے ہیں اس میں گزشتہ ادوار اور آئندہ آنے والے زمانوں کی خبریں ہیں اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کے بارے میں ایسی چیزیں ہیں جن کا وحی کے بغیر علم نہیں ہو سکتا۔ اس میں عدل واحسان، صلہ رحمی، حسن اخلاق اور ہر طرح کی تعلیم کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں خیر وشر، ظلم، جھوٹ اور والدین کی نافرمانی سے روکا گیا ہے۔ اور اس کے بارے میں حتمی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حق ہے۔

سوال3: وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ''اور اگر تم کفر کروگے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو بھی آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اور اگر تم کفر کروگے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ انکار کرکے تم زمین وآسمان کے مالک کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے بلکہ انکار کرکے اپنا نقصان کروگے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کو تمام گناہگاروں کے گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا، بندہ انکار کرکے صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔

سوال4: وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات علیم وحکیم کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی ملکیت سے اپنے علیم یعنی سب کچھ جاننے والا اور حکیم یعنی کمال حکمت والا ہونے کا شعور دلایا ہے۔ ﴿2﴾ وہ اپنے خلق اور امر میں حکمت کا مالک ہے وہ جانتا ہے کہ کون ہدایت کا اور کون گمراہی کا مستحق ہے۔ ہدایت اور گمراہی کو وہ اپنے اپنے مقام پر رکھنے میں حکمت سے کام لیتا ہے۔ (تفسیر سعدی:634/1) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ اپنے اقوال وافعال، احکامِ شرع اور مقدرت میں بڑی حکمت والا ہے۔ (مختصر ابن کثیر:397/1)

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (171)

اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ گزرو اور اللہ تعالیٰ پر حق کے علاوہ کچھ نہ کہو، یقیناً مسیح عیسیٰ ابنِ مریم اللہ تعالیٰ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جو اس نے مریم کی طرف القا کیا اور اس کی طرف سے ایک روح ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ، اور مت کہو کہ ''تین ہیں''، تم باز آجاؤ، یہی تمہارے لیے بہتر ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی معبود ہے، وہ پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اُسی کا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی وکیل کافی ہے۔ (171)

سوال1: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: یہ آیات نجران کے عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان میں سے نسطوریہ فرقہ اس بات کا دعویدار تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ ہیں، اور یعقوبیہ فرقہ کہتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہیں، اور مرقوسیہ کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام ثالث ثلاثہ ہیں، اور ملکانیہ وہ یہ کہتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور خدا دونوں آپس میں شریک ہیں۔ (تفسیر ابن عباس: 319/1)

سوال2: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ ''اے اہل کتاب!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہاں اہل کتاب سے مراد اہل انجیل یعنی عیسائی ہیں۔ (جامع البیان: 37/4)

سوال3: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ''اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ گزرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ غلو سے مراد کسی چیز کو اس کی حد سے بڑھا دینا' حد سے تجاوز کرنا اور حدود مشروع سے نکل کر غیر مشروع کی طرف جانا ہے۔ جیسے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں نصاریٰ غلو سے کام لیتے ہیں اور انہیں نبوت اور رسالت کے مقام سے اٹھا کر ربوبیت کے مقام پر بٹھا دیتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 635/1) ﴿2﴾ دین میں غلو سے مراد ہے کہ دین میں جس چیز کا جو درجہ اور مرتبہ ہو یا جو وزن و مقام ہو اس کو بڑھا کر کچھ سے کچھ کر دیا جائے مثلاً جو حکم مستحب ہے اسے واجب یا فرض کا درجہ دے دیا جائے جو شخص فقیہہ اور مجتہد ہے اسے امام معصوم بنا دیا جائے، جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا اسے خدا کا شریک بنا کر اس کی عبادت شروع کر دی جائے۔ (تدبر القرآن) ﴿3﴾ آج مسلمان نبی ﷺ کے بارے میں غلو کر رہے ہیں۔ مثلاً (الف) رسول ﷺ سے دعائیں کرنا۔ (ب) پیروں کو مشکل کشا سمجھنا۔ (ج) شیعوں کا علی رضی اللہ عنہ سے مدد مانگنا۔ (د) نبی ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھنا۔ (ر)

پیروں کو داتا و دستگیر ماننا۔(و) رسول اللہ ﷺ کو بشر نہ ماننا اور نور کہنا۔(ہ) کربلا کی مٹی پر سجدہ کرنا۔(ء) سمجھنا کہ پیر قیامت کے دن زبردستی بخشوالیں گے۔(ی) سمجھنا کہ فلاں پیر کے مرید ہیں اس لیے قبر میں عذاب نہ ہوگا۔﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو دین میں غلو کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ ہر دور میں یہ برائی ان کے اندر دوسروں کی بہ نسبت زیادہ پائی گئی، انہوں نے دین میں رہبانیت اور عورتوں سے کنارہ کشی کو ایجاد کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا مقام دیا بلکہ اپنے علماء اور راہبوں تک کو اپنا معبود بنالیا۔ اس حدیث میں رسول ﷺ نے امت مسلمہ کو تنبیہ کی ہے کہ جس بیماری میں نصاریٰ مبتلا ہوئے اس میں وہ مبتلا نہ ہوں ۔(تیسیر الرحمٰن:317/1)﴿5﴾ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی آپ ﷺ کے معاملہ میں حد سے تجاوز کر جائیں اور انہیں مقام رسالت سے اٹھا کر مقام الوہیت تک پہنچا دیں، افسوس ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس بات سے ڈرتے تھے وہی ہوا۔ بہت سے اسلام کا دعویٰ کرنے والوں نے آپ ﷺ کو اللہ کا مقام دے دیا اور آپ کو حاجت روا، مشکل کشا اور وہ سب کچھ سمجھنے لگے جو اللہ کی قدرت اور اس کی صفات میں داخل ہیں، اور نعوذ باللہ نقل کفر کفر نہیں ہوتا پکار اٹھے کہ وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر (تیسیر الرحمٰن:318/16)﴿6﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جمرہ عقبہ کی صبح کو فرمایا جب کہ آپ اپنی اونٹنی پر تھے کہ میرے لیے کنکریاں چنو۔ میں نے آپ ﷺ کے لیے چکنی مٹی کے کنکروں میں سے سات کنکریاں چنیں۔ آپ ﷺ ان کو اپنی ہتھیلی میں ہلاتے تھے اور فرماتے تھے بس ایسی ہی کنکریاں پھینکو پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو تم دین میں سختی کرنے سے (یعنی افراط اور غلو سے) بچو کیونکہ تم میں سے پہلے لوگ دین میں اسی غلو کرنے کی وجہ سے تباہ ہوئے۔(ابن ماجہ:3029)﴿7﴾ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں اس نے جھوٹ کہا۔(صحیح بخاری:4604)

سوال4: غلو کے فتنے کا دروازہ کیسے کھلتا ہے؟

جواب: یہ دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف وہ بات منسوب کی جائے جو اس نے نہیں فرمائی۔ اسی سے شیطان کو دین میں گھسنے کا موقع ملتا ہے اور فساد برپا کرنے کی راہ کھلتی ہے۔ عیسائی اس لیے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے پال کی خرافات کو اپنے دین کا جزو بنا کر دین کی نئی عمارت کھڑی کر لی۔(تدبر القرآن)

سوال5: وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ''اور اللہ تعالیٰ پر حق کے علاوہ کچھ نہ کہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ کلام اقدس تین امور کو متضمن ہے ان میں سے پہلے دو امور ممنوع ہیں: اول: اللہ تبارک وتعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے ثانی: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اس کے افعال، اس کی شریعت اور اس کے رسولوں کے بارے میں بلا علم بات کرنا۔ ثالث: وہ چیز جس کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ہے تمام امور میں قول حق۔(تفسیر سعدی:635/1)

سوال6: اِنَّمَا الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ وَ کَلِمَتُہٗ ۚ اَلۡقٰہَاۤ اِلٰی مَرۡیَمَ وَ رُوۡحٌ مِّنۡہُ ''مسیح عیسیٰ ابنِ مریم اللہ تعالیٰ کا رسول اوراس کا کلمہ ہے جواس نے مریم کی طرف القا کیا اوراس کی طرف سے ایک روح ہے'' عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مسیح یعنی مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔ ﴿2﴾ وہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے جن کی تخلیق کلام سے ہوئی جو سیدنا جبریل علیہ السلام کے توسط سے سیدہ مریم تک پہنچایا گیا۔ ﴿3﴾ ''اوراس کی طرف سے ایک روح ہے'' روح سے مراد نفخہ ہے یعنی وہ پھونک جو سیدنا جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیدہ مریم کے گریبان میں پھونکی۔ یہ روح سیدنا جبریل علیہ السلام لے کر سیدہ مریم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ (ابن کثیر)

سوال7: فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ '' چنانچہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسولوں پر ایمان لے آو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ اللہ تعالیٰ اوراس کی وحدانیت اوراس کی ربوبیت پر ایمان لے آو اوراس بات پر کہ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ ﴿2﴾ وَ رُسُلِہٖ اوراس کے رسولوں کی تصدیق کرو اور جو کچھ وہ اپنے رب کی جانب سے لے کر آئے وہ حق ہے۔ (جامع البیان: 39/4)

سوال8: وَ لَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَۃٌ ؕ اِنۡتَہُوۡا خَیۡرًا لَّکُمۡ '' اور مت کہو کہ تین ہیں تم باز آجاو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ '' اور مت کہو کہ تین ہیں'' اس سے مراد عیسائیوں کا غلط عقیدہ ہے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا ڈالا تھا۔ ﴿2﴾ ان کے لیے بہتر ہے کہ وہ اس تثلیث سے بعض آجائیں کیونکہ یہی نجات کا راستہ ہے اس کے سوا ہر راستہ ہلاکت کی طرف جاتا ہے۔

سوال9: تثلیث کیا ہے؟

جواب: تثلیث سے مراد ہے تین خداؤں پر ایمان رکھنا۔ باپ (اللہ تعالیٰ)، بیٹا (عیسیٰ علیہ السلام) اور روح القدس (جبریل علیہ السلام)

سوال10: عیسائیوں کے تین بنیادی غلو کیا تھے؟

جواب: ﴿1﴾ پہلا غلو ''کلمۃ اللہ'' کے حوالے سے ہے۔ کلام کو پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت مراد لے لیا، پھر یہ قیاس قائم کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اس ذاتی صفت نے مریم علیہا السلام کے بطن میں داخل ہو کر جسمانی صورت اختیار کی جو مسیح علیہ السلام کی شکل میں ظاہر ہوئی اوراس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی اُلوہیت کا غلط عقیدہ پیدا ہوا۔ ﴿2﴾ دوسرا غلو '' روح من اللہ '' کو انہوں نے روحُ اللہ قرار دے لیا اور روح القدس کا مطلب یہ لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی پاک روح تھی جو مسیح علیہ السلام کے اندر حلول کر گئی۔ اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ اور مسیح علیہ السلام کے ساتھ روحُ القدس کو تیسرا خدا بنا ڈالا۔ ﴿3﴾ تیسرا غلو یہ ہے کہ عیسائی بیک وقت توحید کو بھی مانتے ہیں اور تثلیث کو بھی۔ (تفہیم القرآن)

سوال11: اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی معبود ہے، وہ پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اُسی کا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے‘‘ اللہ تعالیٰ نے اُلوہیتِ مسیح کا کیا جواب دیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی معبود ہے‘‘ اللہ تعالیٰ ہی معبودِ واحد ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ بلاشبہ عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال جیسی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس (آدم) کو مٹی سے بنایا پھر اس سے کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔ (آل عمران:59) ﴿2﴾ سُبْحٰنَهٗۤ ’’وہ پاک ہے‘‘ وہ شرک سے پاک اور منزہ ہے۔ ﴿3﴾ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ’’کہ اس کی کوئی اولاد ہو‘‘ یہ کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ ﴿4﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اُسی کا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے تمام لوگ اس کے مملوک اور محتاج ہیں اس لیے محال ہے کہ اس کا کوئی شریک یا بیٹا ہو۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ تمام تر انتظامات کرتا ہے ان کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی ذات تنہا ہے۔

سوال12: اللہ تعالیٰ نے اپنے واحد ہونے کی کیا دلیل دی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ملکیت سے اپنے واحد ہونے کی دلیل دی ہے۔

سوال13: اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی معبود ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ پوری کائنات گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کُن کہا اور پھر کائنات وجود میں آگئی۔ عقلِ انسانی کسی ایسے پیدا کرنے والے کا تصور نہیں کر سکتی جو مخلوق جیسا ہو، نہ وہ ایک سے زیادہ معبودوں کا تصور رکھتی ہے۔

سوال14: سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ’’وہ پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اولاد سے نسل چلتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو نسل چلانے کی ضرورت نہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات باقی ہے وہ کسی فانی مخلوق کو اپنا بیٹا کیسے بنا سکتی ہے؟ ﴿3﴾ انسان اولاد چاہتا ہے تا کہ مستقبل میں قوتیں کمزور پڑیں تو اولاد کام کرے جب کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی ملکیت میں ہے۔

سوال15: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ’’اُسی کا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس کے سوا انسان کو کسی اور سے مدد طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی بادشاہت عظیم اور لازوال ہے۔ اس کے سوا کوئی اور نہیں جو اُس کی مخلوقات کو کچھ عطا کر سکتا ہو۔

سوال16: وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ’’اور اللہ تعالیٰ ہی وکیل کافی ہے‘‘ اللہ تعالیٰ کے وکیل ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کے وکیل ہونے سے مراد ہے کہ وہی زمین وآسمان کا قائم رکھنے والا، مدبر اور رازق کافی ہے اس سے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا الہٰ ہو۔(جامع البیان:40/4)﴿2﴾وکیل سے مراد: حفیظ، شاہد اور علیم ہے۔(ایسر التفاسیر:315,316)

سوال17: وَكِيلًا ''وکیل'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت وکیل کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی ملکیت سے اپنے وکیل یعنی کارساز ہونے کا شعور دلایا ہے۔

رکوع نمبر 4

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا(172)

مسیح اس بات میں ہرگز عار نہیں رکھے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہو اور نہ ہی مقرب فرشتے اور جو اس کی عبادت سے عار رکھے اور تکبر کرے تو عنقریب اللہ تعالیٰ سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔(172)

سوال1: لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ''مسیح اس بات میں ہرگز عار نہیں رکھے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہو اور نہ ہی مقرب فرشتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ مسیح اپنے رب کی عبادت کو عار نہیں سمجھتے تھے یعنی اپنے رب کی عبادت سے منہ نہیں موڑتے تھے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے اس کی عبادت سے منہ نہیں موڑتے اور نہ انہیں اس کی عبادت سے شرم آتی ہے فرشتوں کی فضیلت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مسیح کو معبود بنالیا گیا تھا اسی طرح فرشتوں کو معبود بنالیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام انبیاء اور ملائکہ دیگر تمام بندوں کی طرح ہمارے بندے، ہمارے غلام اور ہماری مخلوق ہیں جیسا کہ فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ اور انہوں نے کہا رحمٰن نے کوئی اولاد بنا رکھی ہے، وہ اس سے پاک ہے بلکہ وہ فرشتے معزز بندے ہیں۔ وہ اس سے بات میں پہل نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کے لیے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔(الانبیاء:28,26)(مختصر ابن کثیر:630/1)﴿3﴾فرشتے اس سے پاک ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو عار سمجھیں۔ کسی چیز کی نفی سے اس کی ضد کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ ہرگز عار نہیں رکھتے یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتے رب کی عبادت میں رغبت رکھتے ہیں۔ وہ ہر طرح سے اپنے آپ کو اللہ کی بندگی کا محتاج سمجھتے ہیں۔

سوال2: وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ’’اور جو اس کی عبادت سے عار رکھے اور تکبر کرے تو عنقریب اللہ تعالیٰ سب کو اپنے پاس جمع کرے گا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کو عار سمجھنے والوں، متکبروں اور اپنے مومن بندوں سب کو عنقریب جمع کرے گا اور ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ (تفسیر سعدی: 637/1) ﴿2﴾ رب العزت کا فرمان ہے: وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دُعائیں قبول کروں گا، یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں جلد ہی وہ جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔ (الغافر: 60)

سوال3: اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟

جواب: انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی کے لیے پیدا کیے گئے اور یہ اس لیے ہے تا کہ ہمارے دل محبت اور تعظیم سے اس کے ساتھ جڑ جائیں۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کی عبادت کو کون عار سمجھتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی عبادت کو وہ عار سمجھتا ہے جو تکبر کرتا ہے۔

سوال5: اللہ تعالیٰ کی عبادت کو عار سمجھنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ عبادت کو عار سمجھنے والا انسان خواہشات نفس کا غلام بن جاتا ہے۔ ﴿2﴾ ایسا انسان توہمات اور خرافات کا غلام بن جاتا ہے۔ ﴿3﴾ وہ اپنے جیسے انسانوں کا غلام بن جاتا ہے۔ ﴿4﴾ وہ اپنے جیسے انسانوں کے قوانین کا غلام بن جاتا ہے۔

سوال6: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو عار سمجھتے ہیں ان کا کیا انجام ہونے والا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ انہیں دردناک عذاب دے گا۔ ﴿2﴾ ان کا کوئی کارساز و مددگار نہ ہوگا۔

سوال7: تکبر کیسی بیماری ہے، وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ رسول اللہ ﷺ نے تکبر کی تشریح یوں فرمائی ہے: اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ تکبر تو حق کی طرف سے منہ موڑنے اور دوسرے لوگوں کو کمتر سمجھنے کو کہتے ہیں۔ (مسلم: 265) ﴿2﴾ رب العزت کا فرمان ہے: اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ بلاشبہ وہ تکبر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ (النحل: 23) ﴿3﴾ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (مسلم: 265) ﴿4﴾ سیدنا حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کیا میں تمہیں دوزخ والوں کی خبر

نہ دوں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جی ہاں! ضرور فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر جاہل، اکھڑ مزاج، تکبر کرنے والا دوزخی ہے۔ (مسلم:7187) ﴿5﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کریں گے اور نہ ہی انہیں پاک وصاف (معاف) کریں گے (اور ابومعاویہ فرماتے ہیں) اور نہ ان کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے: بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ اور مفلس تکبر کرنے والا۔ (مسلم:296)

سوال8: تکبر انسان کے اعمال میں کیسے ظاہر ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ رخسار کو ٹیڑھا کرنا۔ ﴿2﴾ اکڑ کر بیٹھنا۔ ﴿3﴾ ترچھی نگاہ سے دیکھنا۔ ﴿4﴾ سر نہ جھکانا۔ ﴿5﴾ اس کا اظہار بات چیت سے بھی ہوتا ہے حتی کہ آواز، لہجے، انداز گفتگو، چال ڈھال، ناز نخرے، حرکات وسکنات اور تمام افعال سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

سوال9: متکبر کی خصلتوں کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ متکبر کی خصلت یہ ہے کہ وہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہو جائیں اور دوسرا یہ کہ وہ بیٹھا ہو اور ایک آدمی اس کے سر کے پاس کھڑا ہو تو یہ ناجائز ہے۔ ﴿2﴾ وہ اکیلا نہیں چلتا، بلکہ اس کے پیچھے پیچھے کوئی آدمی چلتا ہے۔ ﴿3﴾ وہ تکبر کی وجہ سے کسی کی ملاقات کو نہیں جاتا۔ ﴿4﴾ وہ اپنے پہلو میں کسی کے بیٹھنے یا ساتھ چلنے کو برا سمجھتا ہے۔ ﴿5﴾ تکبر کرنے والا اپنے گھر میں کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ ﴿6﴾ تکبر کرنے والا اپنا سامان بازار سے اٹھا کر نہیں لاتا جب کہ آپ ﷺ نے جب بھی کوئی چیز خریدی خود اس کو اٹھا کر گھر لے آئے۔

سوال10: تکبر کا علاج کیسے کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مومن اپنے نفس کو پہچانے اور اپنے رب کو پہچانے۔ جب وہ اپنے نفس کو اچھی طرح پہچان لے گا، تو اسے معلوم ہوگا کہ وہ ہر کمزور سے زیادہ کمزور ہے۔ پہلے نطفہ بنا، پھر جما ہوا خون، پھر گوشت کا لوتھڑا اور ہر وہ چیز بنا جسے قابل ذکر کہا جا سکے۔ پہلے وہ بے جان تھا۔ نہ سنتا تھا، نہ دیکھتا تھا، نہ محسوس کرتا تھا اور نہ حرکت کرسکتا تھا، گویا زندگی سے پہلے وہ مردہ تھا۔ (الف) طاقت سے پہلے کمزور تھا۔ (ب) دولت مند ہونے سے پہلے تنگ دست تھا۔ پھر جس کی ابتداء یہ ہو، وہ کس بات پر تکبر اور فخر کرے؟ ﴿2﴾ تکبر کا عملی علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے بندوں کے سامنے تواضع اختیار کرے۔ ﴿3﴾ جس میں جسمانی طاقت کی وجہ سے تکبر پیدا ہو، اسے جاننا چاہیے کہ اگر اس کی ایک رگ میں درد اٹھے تو وہ ہر چیز سے زیادہ عاجز ہو جائے گا۔ ﴿4﴾ جس میں خوب صورتی کی وجہ سے تکبر ہو، اسے عقلمندوں کی طرح اپنے باطن کی طرف دیکھنا چاہیے اور

جانوروں کی طرح ظاہر کو نہ دیکھنا چاہیے۔﴿5﴾ جو دولت کی وجہ سے تکبر کرے تو اسے چاہیے اس حقیقت سے آگاہ ہو کہ یہودی سب سے زیادہ مال دار ہیں پس تف ہے اس بزرگی پر جس میں یہودی بھی اس سے آگے بڑھ جائے، جسے چور ایک لحظے میں چھین کر لے جائے اور اس کا مالک ذلیل ہو جائے۔﴿6﴾ جو علم کی وجہ سے تکبر کرے، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حجت جاہل کی نسبت عالم پر زیادہ سخت ہے اسے چاہیے اس عظیم خطرے کو محسوس کرے جو اس کے سامنے ہے اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ یہ خطرہ اتنا ہی بڑا ہو گا جتنا بڑا مرتبہ ہو گا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (173)

پس وہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیکیاں کیں تو اللہ تعالیٰ ان کا پورا پورا اجر انہیں دے گا اور اپنے فضل سے انہیں مزید بھی عطا کرے گا اور رہے وہ لوگ جنہوں نے عار سمجھا اور تکبر کیا تو وہ انہیں دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے لیے کوئی نہ دوست پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔(173)

سوال1: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ''پس وہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیکیاں کیں تو اللہ تعالیٰ ان کا پورا پورا اجر انہیں دے گا اور اپنے فضل سے انہیں مزید بھی عطا کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیے یعنی وہ ایسا ایمان لائے جس کا حکم دیا گیا اور انہوں نے حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد اور اعمال صالحہ کو جمع کیا۔﴿2﴾ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ اجور سے جنت مراد ہے ابن مردویہ کہتے ہیں کہ انہیں ایمان اور عمل کے مطابق جزا ملے گی۔﴿3﴾ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ دے گا اس سے مراد اہل ایمان کو شفاعت کا حق عطا کرنا ہے۔ اس شخص کی شفاعت مراد ہے جس پر جہنم واجب ہو گئی لیکن دنیا میں اس جہنمی نے اس کے ساتھ نیکی کی تھی۔(ابن مردویہ)﴿4﴾ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ''اور اپنے فضل سے انہیں مزید بھی عطا کرے گا''، یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ثواب میں اتنا اضافہ کرے گا کہ ان کے اعمال یہ ثواب حاصل نہیں کر سکتے، ان کے افعال اس ثواب تک نہیں پہنچ سکتے اور اس ثواب کا تصور بھی ان کے دل میں نہیں آ سکتا۔ اس ثواب میں ہر وہ چیز شامل ہے جو جنت میں موجود ہے مثلاً ماکولات، مشروبات، بیویاں، خوبصورت مناظر، فرحت وسرور، قلب وروح اور بدن کی نعمتیں بلکہ اس میں ہر دینی اور دنیاوی بھلائی شامل ہے جو ایمان اور عمل صالح پر مترتب ہوتی ہے۔(تفسیر سعدی:637/1)

سوال2: وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا '' اور رہے وہ لوگ جنہوں نے عار سمجھا اور تکبر کیا تو وہ انہیں دردناک عذاب دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت سے باز رہا اور اسے عبادت میں شرم آئی یا اس نے خود کو بڑا سمجھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے دردناک عذاب دے گا۔(مختصر ابن کثیر:401/1)《2》فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا '' تو وہ انہیں دردناک عذاب دے گا'' اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اس کے غضب اور بڑھکتی ہوئی آگ پر مشتمل ہے جو دلوں کو لپٹ جائے گی۔(تفسیر سعدی:637/1)

سوال3: وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا '' اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے لیے کوئی نہ دوست پائیں گے اور نہ کوئی مددگار'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا '' اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے لیے کوئی نہ دوست پائیں گے'' وہ مخلوق میں سے کوئی ایسا شخص نہیں پائیں گے جو ان کا ولی و مددگار بن سکے اور وہ اپنا مطلوب و مقصود حاصل کر سکیں۔《2》وَّلَا نَصِيْرًا: نہ کوئی مددگار پائیں گے جو ان سے اس چیز کو دور کر سکے جس سے یہ ڈرتے ہیں بلکہ صورتحال یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ جو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے وہ بھی ان سے الگ ہو جائے گا اور ان کو دائمی عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کرتا ہے اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور نہ اس کی قضا کو کوئی بدل سکتا ہے۔(تفسیر سعدی:637/1)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (174)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جناب سے ایک واضح دلیل آئی ہے اور ہم نے تمہاری جانب ایک واضح نور اُتار دیا ہے۔(174)

سوال1: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ '' اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جناب سے ایک واضح دلیل آئی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں ایسی شہادتیں موجود ہیں کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ قرآن مسحور کرتا ہے، جو لوگ عربی زبان سے ناواقف ہیں وہ بھی تلاوت قرآن سن کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ سیرت ابن ہشام میں اخنس بن شریق، ابوسفیان اور ابو جہل کا مشہور واقعہ ملتا ہے۔ اخنس، ابو جہل اور ابوسفیان تینوں اپنی اپنی جگہ چل پڑے تاکہ نبی ﷺ کا کلام سنیں جب کہ آپ رات کے وقت گھر میں نماز کے دوران تلاوت فرماتے تھے۔ ہر شخص ایک جگہ بیٹھ گیا اور قرآن کی تلاوت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ ان میں سے کسی کو بھی دوسرے کے بارے میں خبر نہ تھی۔ وہ رات کے وقت کلام الٰہی سنتے

رہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہوگئی۔ جب واپس ہونے لگے تو یہ سب ایک دوسرے سے راستے میں مل گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو سخت سست کہا اور ایک دوسرے سے کہا کہ اگر کسی شخص نے دیکھ لیا تو وہ بھی ان سے متاثر ہوجائے گا، پھر وہ واپس چلے گئے۔ جب دوسری رات ہوئی تو پھر تینوں نہ رہ سکے اور پھر اپنے اپنے خفیہ مقامات پر بیٹھ گئے رات کو قرآن کریم سنتے رہے جب صبح ہونے لگی تو اتفاقاً پھر راستے میں تینوں کی ملاقات ہوئی اور پھر انہوں نے پہلے کی طرح ایک دوسرے کو ملامت کی جب تیسری رات ہوئی تو پھر یہ تینوں قرآن کریم سننے کے لیے پہنچ گئے۔ رات گئے تک قرآن سنتے رہے جب صبح کو لوٹنے لگے تو پھر راستے میں ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔ اب کہ انہوں نے کہا کہ جب تک ہم حلف نہ اٹھالیں گے ہم رک نہ سکیں گے اس کے بعد انہوں نے حلف پر معاہدہ کیا اور گھروں کو چلے گئے۔ ﴿2﴾ قرآن مجید واقعی برہان ہے لفظی اور معنوی طور پر معجزہ ہے۔ جہاں تک معنوی برہان کا تعلق ہے تو قرآن حکیم نے ایسا نظام زندگی پیش کیا ہے جو انسانی زندگی کی ساری ضرورتوں کا جواب ہے اس اعتبار سے بھی قرآن برہان ہے۔

سوال2: بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ''تمہارے رب کی جناب سے ایک واضح دلیل آئی ہے'' قرآن مجید برہان ہے، وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ برہان سے مراد ایسی پکی دلیل ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی عذر باقی نہ رہے اور ایسی قطعی حجت جو شبہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔ (مختصر ابن کثیر: 401/1) تمہارے پاس حق کی تائید میں قطعی دلائل آچکے ہیں جو حق کو واضح کرتے ہیں اور اس کی ضد کو بیان کرتے ہیں یہ براہین دلائل عقلیہ، دلائل نقلیہ، آیات افقی اور آیات نفسی پر مشتمل ہیں۔ رب العزت کا فرمان ہے: سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَـقُّ جلد ہی ہم اُنہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے، دنیا کے کناروں میں بھی اور اُن کی اپنی جانوں میں بھی، یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہوجائے گا کہ یقیناً وہ حق ہے۔ (حم السجدہ: 53) ﴿2﴾ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ''تمہارے رب کی جناب سے'' اس برہان و دلیل کی عظمت و شرف پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ تمہارے رب کی طرف سے ہے جس نے تمہاری دینی اور دنیاوی تربیت کی ہے۔ یہ اس کی تربیت ہی ہے جس پر اس کی حمد و ثنا بیان کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے تمہیں دلائل عطا کیے تاکہ وہ صراط مستقیم کی طرف تمہاری راہ نمائی کرے اور تمہیں نعمتوں سے بھری ہوئی جنتوں میں پہنچائے۔ (تفسیر سعدی: 638/1)

سوال3: وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا ''اور ہم نے تمہاری جانب ایک واضح نور اُتار دیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ قرآن مجید نور مبین ہے یعنی حق کو کھولنے والا ہے۔ ﴿2﴾ قرآن مجید ایسی روشنی ہے جس میں ہر چیز کی حقیقت صاف صاف نظر آتی ہے۔ مومن اس روشنی میں حق اور باطل کا فرق واضح طور پر دیکھ سکتا ہے۔ نفس کے اندر بھی صحیح اور غلط کو اور خیر و شر کو واضح طور پر دیکھ سکتا ہے اور عملی زندگی میں بھی اس نور سے فضا نکھر جاتی ہے اور وہ حیران ہوتا ہے کہ حقیقت تو بالکل

واضح تھی لیکن نظر نہیں آرہی تھی۔《3》قرآن عظیم اولین وآخرین کے علوم، سچی خبروں، عدل واحسان اور بھلائی کے احکام اور ہر قسم کے ظلم وشر سے ممانعت پر مشتمل ہے۔لوگ اگر قرآن سے روشنی حاصل کر کے اپنی راہوں کو روشن نہیں کریں گے تو اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے، اگر انہوں نے قرآن مجید سے بھلائی کو حاصل نہ کیا تو بہت بڑی بدبختی میں پڑے رہیں گے۔

سوال4: قرآن مجید کی روشنی مومن کیسے حاصل کرسکتا ہے؟

جواب:《1》جب مومن اس روشنی کو پانے کی دل سے کوشش کرے۔《2》جب وہ اس کے لیے ذاتی ذوق پیدا کرے۔《3》جب قرآن مجید کے علم کو حاصل کرے۔《4》جب وہ براہ راست روشنی حاصل کرنے کے لیے صلاحیت پیدا کرے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (175)

چنانچہ جولوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے تھام لیا تو عنقریب وہ انہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف سے سیدھے راستے کی ہدایت دے گا۔(175)

سوال1: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ ''چنانچہ جولوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے تھام لیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے لوگ دو طرح کے ہیں ایک وہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور دوسرے وہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے نہ پکڑا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے نفس کے حوالے کر دے گا اور وہ گمراہی میں جا پڑیں گے۔《2》فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ ''چنانچہ جولوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے'' قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے والوں کی پہلی خصوصیت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ وہ تمام صفات میں کمال رکھتا ہے اور ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے۔《3》وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے تھام لیا'' جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی پناہ لی اور اپنی قوت اور طاقت سے بری ہو کر اپنے رب سے مدد کے طلب گار ہوئے۔(تفسیر سعدی:639/1)《4》طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفی سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے کوئی وصیت کی تھی؟ انہوں نے کہا نہیں تو میں نے کہا یہ کیا کہ لوگوں پر تو وصیت فرض کی گئی اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ وصیت کریں جب کہ آپ ﷺ نے وصیت نہیں کی؟ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے کتاب اللہ (کو مضبوطی سے تھامنے) کی وصیت کی تھی۔(بخاری:5022)

سوال2: فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ’’ تو عنقریب وہ انہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف سے سیدھے راستے کی ہدایت دے گا‘‘ اللہ تعالیٰ کی رحمت، فضل اور ہدایت پانے کے لیے انسان کو دنیا کی زندگی میں کیسے طرز عمل کی ضرورت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی رحمت، فضل اور ہدایت پانے کے لیے دو کاموں کی ضرورت ہے ﴿1﴾ ایمان باللہ ﴿2﴾ اعتصام باللہ۔ اللہ تعالیٰ ایمان کے تقاضے پورے کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت کو مضبوطی سے تھامنے والوں کو اپنی خاص رحمت سے ڈھانپ لے گا۔ انہیں نیکیوں کی توفیق دے گا، انہیں بے پایاں ثواب عطا کرے گا اور ان سے بلائیں دور کر دے گا۔ (تفسیر سعدی:639/1)

سوال3: جب کسی انسان کے اندر ایمان کا ذوق وشوق پیدا ہو جاتا ہے تو وہ کیا کوشش کرتا ہے؟

جواب: ایسا انسان اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب کوئی ایمان کی حقیقت کو پا لیتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں پہنچ جانے کے سوا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ اس کی بے چین اور حیران و پریشان روح اللہ تعالیٰ کی پناہ میں اطمینان اور سکون حاصل کرتی ہے۔

سوال4: وَّيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ’’ اور انہیں اپنی طرف سے سیدھے راستے کی ہدایت دے گا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور دین کو مضبوطی سے پکڑنے والوں پر دوسری رحمت یہ فرماتا ہے کہ انہیں اپنی طرف آنے کے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ ﴿2﴾ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم میں اللہ تعالیٰ کی کتاب چھوڑ رہا ہوں، اگر اس کو تھامے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔ (مسلم:2950) ﴿3﴾ ’’ اور انہیں اپنی طرف سے سیدھے راستے کی ہدایت دے گا‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں علم و عمل کی توفیق اور انہیں حق اور اس پر عمل کی معرفت عطا کرے۔ (تفسیر سعدی:639/1)

سوال5: انسان جب ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کا دامن تھام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کیا وعدہ دیتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اس زندگی میں بھی اور اخروی زندگی میں بھی اپنی رحمت، فضل اور ہدایت کا وعدہ دیتے ہیں۔

يَسْتَفْتُونَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَإِنْ كَانُوٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (176)

وہ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے، اگر کوئی شخص فوت ہو کہ

اس کی کوئی اولاد نہ ہواور اس کی ایک ہی بہن ہو تو اس (بہن) کا اس کے ترکے میں آدھا حصہ ہے اور وہ (بھائی) اس (بہن) کا وارث ہوگا اگر اس (بہن) کی اولاد نہ ہو۔ چنانچہ (وارث) اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کا ترکے میں دو تہائی حصہ ہے اور اگر مرد عورت کئی بہن بھائی ہوں تو ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔(176)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ابواسحاق نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا سب سے آخر میں جو سورۃ نازل ہوئی وہ سورۃ برات ہے۔ اور احکام میراث کے سلسلے میں سب سے آخر میں جو آیت نازل ہوئی یَسۡتَفۡتُوۡنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِى الۡكَلٰلَةِ (صحیح بخاری:4605) ﴿2﴾ یہ آیت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا تھا یارسول اللہ ﷺ میری ایک بہن ہے اس کے مرنے پر مجھے کیا حصہ ملے گا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت میراث نازل فرمائی ''وہ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے''۔(تفسیر ابن عباس:321/1)

سوال2: یَسۡتَفۡتُوۡنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِى الۡكَلٰلَةِ ''وہ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے'' کلالہ سے کون شخص مراد ہے؟

جواب: کلالہ سے مراد وہ میت ہے جس کی صلب سے کوئی اولاد نہ ہو، نہ کوئی پوتی پوتا، نہ باپ ہو اور نہ دادا۔

سوال3: اِنِ امۡرُؤٌا هَلَكَ لَـيۡسَ لَهٗ وَلَدٌ ''اگر کوئی شخص فوت ہو کہ اس کی کوئی اولاد نہ ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اولاد نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کا کوئی بیٹا بیٹی نہ ہو۔ ﴿2﴾ اس سے مراد ہے نہ صلبی بیٹا ہو اور نہ بیٹے کا بیٹا ہو۔ ﴿3﴾ کلالہ وہ ہے جس کا باپ نہ ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بہن بھائی وارث بنیں گے کیونکہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ بہن بھائی باپ کی معیت میں وارث نہیں بنیں گے۔(تفسیر سعدی:640/1)

سوال4: وَّلَهٗۤ اُخۡتٌ فَلَهَا نِصۡفُ مَا تَرَكَ ''اور اس کی ایک ہی بہن ہو تو اس (بہن) کا اس کے ترکے میں آدھا حصہ ہے'' کلالہ مرد کی وراثت کیسے تقسیم ہوگی؟

جواب: ﴿1﴾ کلالہ مرد کی حقیقی یا باپ شریک بہن ہے تو اس بہن کو ترکے میں سے آدھا حصہ ملے گا۔ ﴿2﴾ یعنی بہن کو کلالہ بھائی کے ترکہ یعنی نقدی، جائیداد اور دیگر اثاثوں میں سے نصف ملے گا۔ ﴿3﴾ یہ حصہ میت کی وصیت کو پورا کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد دیا جائے گا۔(تفسیر سعدی:640/1)

سوال5: وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهَا وَلَدٌ ''اور وہ (بھائی) اس (بہن) کا وارث ہوگا اگر اس (بہن) کی اولاد نہ ہو'' کلالہ

عورت کی وراثت کیسے تقسیم ہوگی؟

جواب:《1》 کلالہ عورت (میت) کا حقیقی بھائی یا باپ کی طرف سے بھائی اس بہن کا وارث ہوگا، اگر اس کے اولاد نہیں ہو گی اور اور اس کے لیے حصہ میراث مقرر نہ ہو کیونکہ وہ تو عصبہ ہے اگر اصحاب فروض یا عصبہ میں شریک کوئی فرد نہ ہو تو وہ تمام ترکہ لے گا۔《2》 یا اصحاب فروض کو ان کے حصے دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ اس کو ملے گا۔ (تفسیر سعدی:640/1) نبی ﷺ نے فرمایا: فرائض اہل فرائض کو دے کر جو باقی رہے وہ قریبی مرد کو جو ذکر ہو دیا جائے (مختصر ابن کثیر:405/1)

سوال6: فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ'' چنانچہ (وارث) اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کا ترکے میں دو تہائی حصہ ہے'' کلالہ دو بہنیں چھوڑ گیا یا دو سے زیادہ تو ان کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: کلالہ دو بہنیں چھوڑ گیا یا دو سے زیادہ تو انہیں دو تہائی حصہ ملے گا یہیں سے دو بیٹیوں کا حکم لیا گیا۔ (مختصر ابن کثیر:403/1)

سوال7: وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ '' اور اگر مرد و عورت کئی بہن بھائی ہوں تو ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》 اس سے مراد ہے کہ اگر ملے جلے وارث ہوں تو مرد کو دوہرا اور عورت کو اکہرا حصہ ملے گا۔《2》 عورتوں کا مقررہ حصہ (دو تہائی) ساقط ہو جائے گا اور ان عورتوں کو ان کے بھائی عصبہ بنا دیں گے۔ یعنی عورتوں کا حصہ دو تہائی ساقط ہو جائے گا۔

سوال8: اگر مرنے والے کی بیٹی موجود ہو تو کیا بہن کو حصہ ملے گا؟

جواب: بیٹی کی موجودگی میں بہن کو ذوی الفروض کی حیثیت سے کچھ نہیں ملے گا لیکن بیٹی کے ساتھ بہن عصبہ ہو جائے گی اور ایک بیٹی ہو تو بہن کا نصف حصہ اور ایک سے زائد ہوں تو بہن کا تیسرا حصہ ہے۔

سوال9: کیا باپ کی موجودگی میں بھائی وارث ہوسکتا ہے؟

جواب: باپ کی موجودگی میں بھائی وارث نہیں ہوسکتا۔

سوال10: يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا '' اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ احکامات کی وضاحت اس لیے کرتا ہے کہ انسان بھٹکنے سے بچ جائیں۔ انسان کے پاس دو ہی راستے ہیں یا اللہ تعالیٰ کا راستہ یا گمراہی کا راستہ، تو اللہ تعالیٰ نے اپنا طریقۂ کار واضح کر دیا ہے تاکہ تم اس پر عمل کرو اور لاعلمی کی وجہ سے سیدھے راستے سے بھٹک نہ جاؤ، رب العزت نے فرمایا: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ (یونس:32)

سوال11: وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ '' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علیم کا کیوں شعور دلایا

ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے وراثت کے قانون کو قبول کرنے کے لیے اپنی صفت علیم کا شعور دلایا ہے کہ تم اس کی تعلیم کے محتاج ہو وہ تمہیں اپنے علم میں سے سکھا تا ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری حکمتوں اور مصلحتوں کو جاننے والا ہے اس لیے علیم ہستی کے دیئے ہوئے قانون کو قبول کرلو۔

سورہ المائدہ

سوال 1: اس سورت کا نام المائدہ کیوں ہے؟

جواب: اس سورت میں مائدہ سے متعلق قصہ مذکور ہے جو کہ سب سے عجیب ہے۔ اسی لیے اس سورت کا یہ نام رکھ دیا گیا۔

سوال 2: یہ سورت کب نازل ہوئی؟ اس کی کتنی آیات اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب: سورۃ المائدہ مدینہ میں نازل ہوئی اس کی ایک سوبیس آیات اور سولہ رکوع ہیں۔ مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ پانچویں سورت ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے ایک سو بارہویں (112) سورت ہے۔

سوال 3: اس سورت کی فضیلت بیان کریں؟

جواب: ﴿1﴾ عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر سورہ المائدہ اس وقت نازل ہوئی جب وہ اپنی اونٹنی پہ سوار تھے اور وہ آپ کا بوجھ برداشت نہیں کر پا رہی تھی تو آپ اونٹنی سے اتر آئے۔ (تفسیر الدر المنثور: 446/2)

﴿2﴾ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سورہ المائدہ ہے۔ (ترمذی کتاب التفسیر: 3063) ﴿3﴾ امام احمد، نسائی اور بیہقی نے روایت کیا اور حاکم نے جبیر بن نصیر سے روایت کی ہے میں نے حج کیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، انہوں نے کہا کہ اے جبیر! کیا تم سورہ المائدہ پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں! تو انہوں نے کہا یہ آخری سورت ہے جو نازل ہوئی تھی۔ اس میں جو چیزیں حلال بتائی گئی ہیں انہیں حلال جانو، اور جو حرام بتائی گئی ہیں انہیں حرام جانو، حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (تیسیر الرحمٰن: 321/1)

رکوع نمبر 5

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (1)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدوں کو پورا کرو، تمہارے لیے مویشی جانور حلال کر دیئے گئے سوائے ان کے جو تم پر پڑھے جائیں گے اس حال میں کہ شکار کو حلال سمجھنے والے نہ ہو، جب کہ تم حالتِ احرام میں ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ فیصلہ کرتا ہے۔(1)

سوال1: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدوں کو پورا کرو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو!‘‘ ایک شخص نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ فرمایا: جب تم اللہ تعالیٰ کا ایمان والوں سے خطاب سنو تو اسے کان لگا کر توجہ سے سنو کیونکہ اس میں یا تو کسی اچھی بات کا حکم ہوگا یا کسی بری بات سے روکا ہوگا۔ (ابن ابی حاتم) ﴿2﴾ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ’’معاہدوں کو پورا کرو‘‘ ایمان کا تقاضا ہے کہ معاہدوں کو پورا کریں یعنی نہ ان کو توڑا جائے نہ ان میں کمی کی جائے۔

سوال2: معاہدات یا عقود سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہ آیت کریمہ ان تمام معاہدوں کو شامل ہے جو بندے اور اس کے رب کے درمیان ہیں جیسے اس کی عبودیت کا التزام، اسے پوری طرح قائم رکھنا اور اس کے حقوق میں کچھ کمی نہ کرنا اور یہ ان معاہدوں کو بھی شامل ہے جو بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین آپ کی اتباع اور اطاعت کے بارے میں ہیں، اسی طرح اس میں وہ معاہدے بھی شامل ہیں جو بندے اور اس کے والدین اور اس کے عزیز و اقارب کے درمیان ان کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی اور عدم قطع رحمی کے بارے میں ہیں نیز اس آیت کریمہ کے حکم میں وہ معاہدے بھی شامل ہیں جو فراخی اور تنگ دستی، آسانی اور تنگی میں صحبت اور دوستی کے حقوق کے بارے میں ہیں۔ اس کے تحت وہ معاہدے بھی آتے ہیں جو معاملات، مثلاً خرید و فروخت اور اجارہ وغیرہ کے ضمن میں بندے اور لوگوں کے درمیان ہیں۔ اس میں صدقات اور ہبہ وغیرہ کے معاہدے کی پابندی، مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ بھی شامل ہے جن کی پابندی کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں عائد کیا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ بلاشبہ مومن بھائی بھائی ہیں، چنانچہ اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الحجرات:10) بلکہ حق کے بارے میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا، مسلمانوں کا ایک دوسرے سے پیار اور محبت سے مل جل کر رہنا اور قطع تعلقات سے اجتناب وغیرہ شامل ہے۔ (تفسیر سعدی: 641/1) اس حکم میں دین کے تمام اصول و فروع شامل ہیں اور دین کے تمام اصول و فروع معاہدوں میں داخل ہیں جن کی پابندی کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ﴿3﴾ علی بن طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حلال کیا یا حرام اور جو فرض کیا وہ معاہدے مراد ہیں اور جو قرآن کریم میں حدود قائم کیں وہ ساری کی ساری (اس میں شامل ہیں) اور تم نہ عہد شکنی کرو اور نہ دھوکہ

دو۔(تفسیر قاسمی:8/6:)《4》معاہدہ توڑنے والوں کے بارے میں رب العزت نے وعید سنائی ہے وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ اس کو کاٹ ڈالتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں اُن کے لیے لعنت ہے اور اُن کے لیے گھر کی خرابی ہے۔(الرعد:25)

سوال3: اُحِلَّتْ لَكُمْ ''تمہارے لیے حلال کر دیئے گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اُحِلَّتْ لَكُمْ ''تمہارے لیے حلال کر دیئے گئے'' یعنی رحمت کی وجہ سے تم پر حلال کیے گئے ہیں۔

سوال4: بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ''مویشی جانور'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ''مویشی جانور'' سے مراد اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ ہیں۔(ایسر التفاسیر:320)《2》بسا اوقات اس میں جنگلی جانور مثلاً ہرن، گورخر اور اس قسم کے دیگر شکار کیے جانے والے جانور بھی شامل ہیں۔بعض صحابہ کرام اس آیت کریمہ سے اس بچے کی حلت پر بھی استدلال کرتے ہیں جو ذبح کرتے وقت مذبوحہ کے پیٹ میں ہوتا ہے اور ذبح کرنے کے بعد وہ مذبوحہ کے پیٹ میں مر جاتا ہے۔(تفسیر سعدی:642/1)《3》حدیث میں ایسے بچے کو حلال قرار دیا گیا ہے کیونکہ بچے کا ذبح کرنا یہی ہے کہ اس کی ماں کو ذبح کر دیا جائے۔(ابوداؤد، ترمذی)

سوال5: اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ''سوائے ان کے جو تم پر پڑھے جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''مویشی جانور'' جیسے المائدہ کی آیت 3 میں فرمایا: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ تم پر حرام کر دیا گیا مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نام پکارا جاتا ہے اور گلا گھٹنے سے مرنے والا (جانور) اور چوٹ لگنے سے مرنے والا (جانور) اور بلندی سے گر کر مرنے والا اور سینگ لگنے سے مرنے والا اور جسے درندے نے کھایا ہو مگر جسے تم نے ذبح کیا ہو۔《2》وہ تمام جانور جو بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ میں ہیں، مردار ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔《3》چوپائے مویشی عام حالات میں مباح ہیں لیکن احرام کی حالت میں شکار نہیں کر سکتے۔

سوال6: غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ''اس حال میں کہ شکار کو حلال سمجھنے والے نہ ہو جب کہ تم حالت احرام میں ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اس حال میں کہ شکار کو حلال سمجھنے والے نہ ہو'' احرام کی پابندیوں میں سے ہے کہ کسی جانور کا شکار نہ کیا جائے نہ کسی کو شکار کے بارے میں بتایا جائے۔《2》شکار سے مراد وہ جنگلی جانور ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

سوال7: شکار کرنا کب اور کہاں حرام ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ شکار کرنا مستقلاً حرام نہیں ہے۔ ﴿2﴾ حدود حرم کے اندر شکار ہر حالت میں حرام ہے۔ ﴿3﴾ احرام کی حالت میں حرام ہے۔ ﴿4﴾ احرام پابندیوں میں سے ہے کہ کسی جانور کا شکار نہ کیا جائے نہ کسی کو شکار کے بارے میں بتایا جائے۔ ﴿5﴾ احرام کی حالت ختم ہو جائے تو تم شکار کر سکتے ہو۔ ﴿6﴾ خشکی کا شکار منع ہے۔ اگر سمندری سفر ہو تو سمندری جانور استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

سوال8: اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ فیصلہ کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ فیصلہ کرتا ہے'' اللہ تعالیٰ جو بھی ارادہ کرتا ہے اس امر کے مطابق فیصلہ کرتا ہے جو اس کی حکمت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ ﴿1﴾ جس طرح اس نے تمہارے مصالح کے حصول اور مضرت کو دور کرنے کے لیے تمہیں معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا۔ ﴿2﴾ اور تم پر رحمت کی بنا پر اس نے تمہارے لیے مویشیوں کو حلال کر دیا۔ ﴿3﴾ اور بعض موانع کی وجہ سے جو جانور اس سے مستثنیٰ ہیں ان کو حرام قرار دیا مثلاً مردار وغیرہ۔ اس کا مقصد تمہاری حفاظت اور احترام ہے۔ ﴿4﴾ احرام کی حالت میں شکار کو حرام قرار دیا اور اس کا مقصد احرام کا احترام اور تعظیم ہے (تفسیر سعدی: 642/1)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ وَ لَا الۡهَدۡیَ وَ لَا الۡقَلَآئِدَ وَ لَاۤ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ رِضۡوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ وَ لَا یَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ (2)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینوں کی اور نہ حرم کی قربانی کی اور نہ پٹے ڈالے گئے جانوروں کی اور نہ حرمت والے گھر جانے کا ارادہ کرنے والوں کی، جو اپنے رب کا فضل اور رضامندی تلاش کرتے ہیں، اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو اور کسی قوم کی دشمنی کہ اس نے تمہیں مسجدِ حرام سے روکا تھا تمہیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنادے کہ تم حد سے بڑھ جاؤ، اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ (2)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حاطم بن بکر ہندی مدینہ منورہ میں ایک قافلہ کے ساتھ غلہ لے کر آئے، اسے

پہنچ کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بیعت کی اور اسلام قبول کیا جب وہ وہاں سے چلے تو آپ نے اس کی طرف دیکھا اور آپ کے پاس جو حضرات بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہ میرے پاس اس فاجر کی صورت لے کر آیا اور عہد شکن کی پشت کے ساتھ واپس گیا، چنانچہ جب وہ یمامہ پہنچا تو مرتد ہو گیا اس کے بعد ماہ ذی قعدہ میں ایک قافلہ کے ساتھ غلہ لے کر مکہ مکرمہ کے ارادہ سے نکلا، جب صحابہ کرام کو اس کی آمد کی اطلاع ملی تو مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت نے اس کے قافلہ پر چھاپہ مارنے کا ارادہ کیا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اے مومنو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی مت کرو تو اس ہدایت کے آنے پر صحابہ کرام رک گئے کیونکہ صحابہ حکم الٰہی کے پابند تھے۔
(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی)

سوال2: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی بے حُرمتی نہ کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی بے حُرمتی نہ کرو'' اللہ تعالیٰ کے ان محرمات کو حلال نہ ٹھہراؤ جن کی تعظیم اور ان کے عدم فعل (نہ کرنے) کا اس نے تمہیں حکم دیا۔ یہ ممانعت ان کے فعل کی ممانعت اور ان کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھنے کی ممانعت پر مشتمل ہے یعنی یہ ممانعت فعل قبیح اور اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھنے کو شامل ہے۔ (تفسیر سعدی:643/1)

سوال3: شعائر اللہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ شَعَآئِرَ اللّٰهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کی حرمتیں ہیں یعنی جن کی حرمت اور تعظیم کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو۔ ﴿2﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس سے مراد حج کے مناسک ہیں۔ (تیسیر الرحمٰن:323/1) ﴿3﴾ بحرالمحیط اور روح المعانی میں حسن بصری اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے شعائر اللہ سے مراد تمام شرائع اور دین کے مقرر کردہ واجبات و فرائض اور ان کی حدود ہیں۔ (تفسیر معارف القرآن:18/3) ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ یہ اور جو اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یقیناً وہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ (الحج:32) ﴿5﴾ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔ (تفسیر منیر:420/3)

سوال4: وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ''اور نہ حرمت والے مہینوں کی'' وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور نہ حرمت والے مہینوں کی'' حرمت کے مہینے میں لڑائی اور دیگر مظالم کا ارتکاب کر کے اس کی توہین نہ کرو۔ ﴿2﴾ الشَّهْرَ الْحَرَامَ سے مراد حرام مہینے ہیں جن کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد کتاب

اللہ میں بارہ مہینے ہے، جس دن (سے) اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار حرمت والے ہیں، یہی سیدھا دین ہے، سو ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور مشرکوں کے خلاف سب مل کر لڑو جیسے وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔(التوبہ:36)《3》ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دس ذوالحجہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ زمانہ گھوم کر اس حالت میں آ گیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال بارہ مہینوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے چار حرمت والے ہیں تین مہینے ایک دوسرے کے بعد ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور چوتھا مہینہ مضر (قبیلہ کا) رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔(بخاری، کتاب التفسیر)

سوال5: شعائر اللہ کے احترام کا حکم کس حکمت کی بناء پر دیا گیا ہے؟

جواب: یہ حکم اسی دور میں دیا گیا جب مسلمانوں اور مشرکین میں جنگ تھی اور مشرکین مکہ پر قابض تھے۔ عرب کے ہر حصے سے لوگ حج اور عمرہ کرنے جاتے تھے ان میں بہت سے قبیلوں کے راستے مسلمانوں کی دسترس میں تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ٹھیک ہے تمھارے اور ان کے درمیان جنگ ہے لیکن جا تو وہ اللہ کے گھر رہے ہیں تو جو اللہ کا ارادہ کر لے۔ جو اللہ کی طرف بڑھے حج اور عمرے کے لیے، قربانیوں کے لیے تو ان پر ہاتھ نہ اُٹھاؤ۔

سوال6: وَلَا الْهَدْيَ '' اور نہ حرم کی قربانی کی'' ھدی سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》الْهَدْيَ سے مراد وہ جانور ہے جسے اللہ تعالیٰ کے گھر کے لیے ہدیہ بھیج دیا جاتا ہے۔(تیسیر الرحمٰن :323/1) 《2》ہدی اور اس کے لانے والے کی تعظیم کرو۔《3》بیت اللہ کی طرف قربانیاں بھیجنا بند نہ کرو کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی عظمت ہے۔(مختصر ابن کثیر:406/1)《4》قربانی کے جانور حرم بھیجو تا کہ دوسروں کو بھی اس سے شوق پیدا ہو۔

سوال7: وَلَا الْقَلَآئِدَ '' اور نہ پٹے ڈالے گئے جانوروں کی'' قلائد سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》الْقَلَآئِدَ سے مراد وہ جانور ہیں جنہیں جوتے وغیرہ کا ہار پہنا کر بیت اللہ کی طرف لے جایا جاتا تھا۔(تیسیر الرحمٰن :323/1)《2》ہدی کو علامت کے طور پر قلادے پہنانا سنت ہے۔《3》ہدی کا جانور حرمت کا حامل ہے، اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔

سوال8: وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ '' اور نہ حرمت والے گھر جانے کا ارادہ کرنے والوں کی'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اور نہ ان لوگوں کی بے حرمتی کرو جو بیت اللہ جانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اس سے مراد ہے کہ ان کی عزت کرو۔

سوال9: يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا '' جو اپنے رب کا فضل اور رضامندی تلاش کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اس سے مراد ہے جو اپنے رب کے فضل یعنی جائز ذرائع سے تجارت کرنے کا ارادہ لیے ہوئے ہے۔《2》و

رِضْوَانًا جو حج، عمرے، طواف اور نمازوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کے ساتھ کسی قسم کی برائی سے پیش نہ آؤ۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ رکھنے والوں کی بے حرمتی سے روکنے میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص اس نیت سے بیت اللہ کا قصد کرتا ہے کہ گناہوں کے ذریعے سے اس کی ہتک اور حرمت کا ارتکاب کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے گھر میں فساد پھیلانے کے لیے روکا جائے کیونکہ اسے اس فعل سے روکنا حرم کے احترام کی تکمیل ہے جیسا کہ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ِ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَ مَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے سے اور مسجدِ حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے تمام لوگوں کے لیے بنایا ہے، جس میں مقامی باشندے اور باہر سے آنے والے برابر ہیں اور جو شخص کج روی سے اس میں ظلم کرنے کا ارادہ کرے گا ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ (الحج:25) (تفسیر سعدی:645/1)﴿4﴾ بے دینی پھیلانے والے کو حرم سے روکنا واجب ہے۔ اسی لیے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یقیناً سب مُشرک ناپاک ہیں چنانچہ وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں اور اگر تمھیں تنگ دستی کا خوف ہے تو اللہ تعالیٰ جلد ہی تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر اس نے چاہا، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ (التوبہ:28)

سوال10: وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ''اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ احرام کی پابندیاں ختم ہونے کے بعد شکار کرنا حلال ہے۔

سوال11: وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ''اور کسی قوم کی دشمنی کہ اس نے تمھیں مسجدِ حرام سے روکا تھا تمھیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم حد سے بڑھ جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو روکا ہے کہ کسی قوم پر غصہ تمھیں اتنا مشتعل نہ کرے کہ تم دشمنوں کے مقابلے میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ یہ تو تمھارا حق ہے تمھیں غصہ آئے لیکن یہ حق نہیں کہ فوری ردعمل ظاہر کریں دشمنی اور کینہ کے ہاتھوں مجبور ہونے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔﴿2﴾ اگر تمھارے دشمنوں نے تمھیں مسجد حرام جانے سے روکا ہے تو تم اس دشمنی کی وجہ سے انہیں مسجد حرام سے نہیں روکو، ان کی توہین نہ کرو، تکریم کرو۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے گھر جانے والوں کی تعظیم کرو۔﴿4﴾ اس حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ بیت اللہ کی طرف جانے والے راستوں کو پرامن بنائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے گھر جانے والوں کو راستے میں قتل وغارت اور اپنے مالوں کے بارے میں چوری ڈاکے کا خوف نہ ہو۔ (تفسیر سعدی:644/1)

سوال12: وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ''اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کا حکم دیا ہے یعنی واجبات اور فضائل کی ادائیگی کا حکم دیا۔(ایسر تفاسیر:320)

﴿2﴾ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ ''اور تم نیکی پر ایک دوسرے سے تعاون کرو'' البر' حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ضمن میں ان تمام ظاہری اور باطنی اعمال کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور وہ ان پر راضی ہے۔ التَّقْوٰی اس مقام پر تقویٰ ان تمام ظاہری اور باطنی اعمال کو ترک کرنے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ناپسند ہیں۔ بھلائی کی ہر خصلت جس کے فعل کا حکم یا برائی کی ہر خصلت جسے ترک کرنے کا حکم ہے بندہ خود بھی اس کے فعل پر مامور ہے اور اسے اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ، اپنے قول وفعل کے ذریعے سے ان کو اس بھلائی پر آمادہ کرے یا اس میں نشاط پیدا کرے، تعاون کرنے کا حکم ہے۔(تفسیر سعدی:645/1)

﴿3﴾ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب السیاسۃ الشرعیہ میں لکھتے ہیں کہ کسی شخص پر حلال نہیں ہے کہ وہ ظلم پر تعاون کرے۔تعاون کی دو قسمیں ہیں جن میں سے ایک تقویٰ پر تعاون ہے اور وہ ہے جہاد، حدود اللہ کو قائم کرنا، حقوق کو پورا کرنا، مستحقوں کو عطا کرنا اسی کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔تعاون کی دوسری قسم: گناہ اور زیادتی پر تعاون ہے۔ (تفسیر قاسمی:25/6)﴿4﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں غزوہ کرنے والے کو ساز و سامان دیا تو وہ (گویا) خود غزوہ میں شریک ہوا اور جس نے خیر خواہانہ طریقہ پر غازی کے گھر بار کی (حفاظت) کی تو وہ (گویا) خود غزوہ میں شریک ہوا۔''(صحیح بخاری:2843)﴿5﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہدایت کی طرف بلایا اس کے لیے ان سب کے برابر اجر ہوگا جنہوں نے اس کی پیروی کی ہوگی اور ان کے اجر سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی، اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا اس کے لیے ان سب کے برابر گناہ ہوگا جنہوں نے اس کی پیروی کی ہوگی اور ان کے گناہوں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔(صحیح مسلم:2674)

سوال13: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ''اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون کرنے سے روکا ہے۔﴿1﴾ اثم سے گناہ اور نافرمانی کے کام مراد ہیں اور وہ سارے کام ہیں جن سے شریعت نے روکا ہے جو دل میں کھٹکیں یا جن کے بارے میں لوگوں کو خبر ہونا ناپسند ہو۔ ﴿2﴾ جس کام کے کرنے کا حکم ہے اسے چھوڑ دینا گناہ ہے۔﴿3﴾ وَالْعُدْوَانِ یہ مخلوق کے ساتھ ان کی جان ومال اور ان کی عزت وناموس کے بارے میں ظلم وزیادتی ہے۔پس بندے پر واجب ہے کہ وہ ہر گناہ اور ظلم وتعدی سے اپنے آپ کو بھی روکے اور دوسرے کے ساتھ بھی اس ظلم وتعدی کو ترک کرنے پر تعاون کرے۔(تفسیر سعدی:646/1)﴿4﴾ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: گناہ اور زیادتی پر تعاون یہ ہے کہ کسی معصوم کے خون بہانے پر تعاون کیا جائے یا کسی معصوم کا مال چھین لیا جائے یا کسی کو ناحق مارا جائے اور اسی طرح کے کام ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول نے روکا ہے۔(تفسیر قاسمی:25/6)

﴿5﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اندھے جھنڈے کے نیچے لڑے (یعنی جو جنگ اسلام میں جائز نہ ہو) اپنے قبیلہ کے لیے غصہ میں آئے یا عصبیت کی دعوت دے یا عصبیت کے باعث اپنے قبیلہ کی مدد کرے تو ایسا شخص اگر قتل ہو جائے تو اس کا قتل جاہلیت کے قتل کا سا ہوگا۔ (صحیح مسلم:4786)

سوال14: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے مومن کا رشتہ کیسے اپنے رب سے جوڑ دیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کا حکم دے کر اور زیادتی کے کاموں میں تعاون سے روک کر مومن کا رشتہ اپنے سے جوڑ دیا ہے۔ اسلام نے گناہ اور ظلم پر باہمی تعاون کو روکا ہے اس طرح پوری انسانیت کو تعصّبات سے نکالا ہے خاندان کے تعصب سے جس کی بنیاد پر ظلم ہوتا ہے، علاقے کے تعصب سے، ذاتی میلانات اور شخصی رجحانات کے تعصب سے، دوستوں اور دشمنوں سے معاملہ کرتے وقت انسانیت کو بنیاد بنایا، اور یوں ایک نئے انسان نے جنم لیا۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی اور تقویٰ پر تعاون کا حکم دے کر مومن کا رشتہ اپنے سے جوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے مومنوں نے نہایت مشفقانہ رویہ اپنایا۔ ﴿2﴾ عرب اکثر و بیشتر باطل و گمراہی پر باہم تعاون کر لیتے تھے ان کے یہاں سچ پر کم ہی حلف منعقد ہوئے حق اور سچائی پر وہ کم ہی کبھی اکٹھے ہوئے تھے اسلام نے بگڑے ہوئے انسان کی تربیت کی اور ان کے دلوں میں زمین آسمان کا فرق آ گیا۔

سوال15: وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو'' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لا کر اس سے ڈر جاؤ اور ان کی اطاعت والے کام کر کے اور جس سے انہوں نے روکا ہے اس سے رک کر اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ (ایسر التفاسیر:321)

﴿2﴾ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے'' اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو سزا دے گا جو اس کی نافرمانی کرے گا اور محارم کے ارتکاب کی جسارت کرے گا۔ پس ہتک محارم سے بچو مبادا (ایسا نہ ہو) کہ تم اس کی دنیاوی یا اخروی سزا کے مستحق بن جاؤ۔ (تفسیر سعدی:646/1)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۟ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (3)

تم پر حرام کر دیا گیا مردار اور خون اور سوٴر کا گوشت اور وہ جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نام پکارا جاتا ہے اور گلا گھٹنے سے مرنے والا (جانور) اور چوٹ لگنے سے مرنے والا (جانور) اور بلندی سے گر کر مرنے والا اور سینگ لگنے سے مرنے والا اور جسے درندے نے کھایا ہو مگر جسے تم نے ذبح کیا ہو اور جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ بھی (حرام ہے) کہ تم تیروں کے ساتھ قسمت کا حال معلوم کرو، یہ نافرمانی ہے۔ آج تمہارے دین سے وہ لوگ مایوس ہو گئے جنہوں نے کفر کیا چنانچہ تم اُن سے نہ ڈرو اور تم مجھ سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے، چنانچہ جو شخص بھوک میں مجبور کیا جائے کہ گناہ کے لیے مائل ہونے والا نہ ہو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔(3)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن منذہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الصحابہ'' میں الواسطہ عبداللہ، جبلہ جان بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور میں ایک ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہا تھا۔ جس میں مردار کا گوشت تھا، اللہ تعالیٰ نے مردار کے گوشت کی حرمت نازل فرمائی تو، میں نے فوراً ہانڈی پھینک دی۔ (یہ صحابہ کرام کا اطاعت الٰہی کا والہانہ جذبہ تھا)۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطیؒ)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو ہم پر کیوں حرام قرار دیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے جو چیز حرام ٹھہرائی ہے وہ اپنے بندوں کی حفاظت اور ان کو اس ضرر سے بچانے کے لیے حرام قرار دی ہے جو ان محرمات میں ہوتا ہے۔ کبھی تو اللہ تعالیٰ یہ ضرر بندوں کے سامنے بیان کر دیتا ہے اور کبھی (اپنی حکمت کے تحت) اس ضرر کو بیان نہیں کرتا۔ (تفسیر سعدی: 646/1)

سوال3: حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ ''تم پر حرام کر دیا گیا مردار'' مردار سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مردار سے مراد وہ مرا ہوا جانور ہے جس کو شرعی طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو۔ وہ کسی بھی وجہ سے مرا ہو چاہے موت یا گلا گھٹ کر یا چوٹ کھا کر یا بلندی سے گر کر یا ٹکر لگا کر یا جسے کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو۔ ﴿2﴾ ذبح شرعی سے پہلے زندہ جانور سے جو کوئی جسم کا حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ بھی الۡمَيۡتَةُ (مردار) کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا بھی حرام ہے۔ ﴿3﴾ ابو واقدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور اس سے پہلے اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ زندہ اونٹوں کے کوہان اور دنبوں کی چکیاں کاٹ لیتے ہیں اور ان کو کھا جاتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زندہ جانور سے جو حصہ کاٹ لیا جائے وہ میتہ ہے یعنی مردار ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداوٗد)

سوال4: مردار کو کیوں حرام قرار دیا گیا ہے؟

جواب﴿1﴾ مردار کا گوشت نقصان دہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے اس کا نقصان اسکے اندر گوشت میں خون کا رک جانا ہے۔ جس کا انسان کے بدن اور دین کو نقصان پہنچتا ہے۔﴿2﴾ وہ جانور جو کسی بیماری کی وجہ سے مرجاتے ہیں کھانے والے کے لیے نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔(تفسیر سعدی:646/1)

سوال5: مردار کے حکم سے کون سے جانور مستثنیٰ ہیں؟

جواب: مری ہوئی ٹڈی اور مچھلی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کا کھانا حلال ہے۔ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ہمارے لیے دو مردار حلال ہیں۔مچھلی اور ٹڈی۔(تفسیر منیر:425/3)

سوال6: وَالدَّمُ ''اور خون'' خون سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾ خون سے مراد بہتا ہوا خون ہے۔﴿2﴾ اہل عرب خون کو آنتوں میں بھر کر تیل میں تل لیا کرتے تھے پھر اسے کباب کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھاتے تھے۔(تفسیر انوار البیان:60/2)﴿3﴾ صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ وہ خون کو جما کر توے پر بھون لیا کرتے تھے یا تل لیا کرتے تھے پھر اسکو کھاتے تھے۔(تفسیر حقانی:7/4)﴿4﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: آپ ﷺ سے تلی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: کھاؤ۔لوگوں نے کہا یہ تو خون ہے۔فرمایا: تم پر بہنے والا خون حرام ہے۔(اور یہ جما ہوا ہے)(ابن ابی حاتم)﴿5﴾ ابوسفیان نے ہرقل شاہ روم سے کہا تھا کہ محمد ﷺ ہمیں مرے ہوئے جانوروں اور خون سے روکتا ہے۔(بخاری)

سوال7: بہتے ہوئے خون کو کیوں حرام قرار دیا گیا؟

جواب:﴿1﴾ خون میں جراثیم اور زہریلی چیزیں ہوتی ہیں۔﴿2﴾ انسانی طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے۔﴿3﴾ اس کو ہضم کرنا مشکل ہوتا ہے۔﴿4﴾ بہتے ہوئے خون کو پینے سے انسان کے اخلاق اور مزاج پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ بھی بہت سے مضرات ہیں جن کی اصل حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

سوال8: وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ ''اور سؤر کا گوشت'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ ''اور سؤر کا گوشت'' اس سے مراد خشکی کا سؤر ہے۔﴿2﴾ اس حرمت میں اس کے تمام اجزاء شامل ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ناپاک درندوں میں سے خنزیر کو خاص طور پر منصوص کیا ہے کیونکہ اہل کتاب میں سے نصاریٰ دعویٰ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو حلال قرار دیا ہے یعنی نصاریٰ سے دھوکہ نہ کھانا، کیونکہ یہ خنزیر بھی حرام اور من جملہ خبائث کے ہے۔(تفسیر سعدی:646/1)﴿3﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، سؤر اور بتوں کی خرید و فروخت کی ممانعت فرما

دی۔ پوچھا گیا یارسول اللہ ﷺ! مردار کی چربی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یہ چربی کشتیوں اور چمڑوں پر بھی لگائی جاتی ہے اور اس سے چراغ بھی جلائے جاتے ہیں۔فرمایا: وہ بھی حرام ہے۔(بخاری، مسلم)

سوال9: سؤر کا گوشت کیوں حرام ہے؟

جواب: سؤر کا گوشت اس لیے حرام ہے کہ اس میں انسان کے جسم اور دین کے لیے ضرر ہے۔

سوال10: وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ''اور وہ جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نام پکارا جاتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور وہ جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نام پکارا جاتا ہے'' ﴿1﴾ یعنی اس پر بتوں، اولیاء، کواکب اور دیگر مخلوق کا نام لیا گیا ہو۔جس طرح ذبیحہ پر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا، اسے پاک کر دیتا ہے اسی طرح غیر اللہ کا نام، ذبیحہ کو معنوی طور پر ناپاک کر دیتا ہے کیونکہ یہ شرک ہے۔(تفسیر سعدی: 647/1) ﴿2﴾ غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے یہ بات ضروری قرار دی کہ اس کی مخلوق اس کے عظیم نام پر ذبح کی جائے پھر اگر انسان اس حکم سے سرتابی کر کے کسی غیر کا نام لے کر (مثلاً کسی پیر) یا کسی بت کے نام پر یا مورتی کے نام پر یا جن و پری کے نام پر یا کسی بزرگ کے نام پر کوئی جانور ذبح کرے تو بالاتفاق وہ حرام ہے۔(مختصر ابن کثیر: 408/1)

سوال11: غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ کیوں حرام ہے؟

جواب: غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ اس لیے حرام ہے ﴿1﴾ اس میں غیر اللہ کی تعظیم ہوتی ہے۔ ﴿2﴾ غیر اللہ کی عبادت میں کفار سے مشابہت ہوتی ہے۔ ﴿3﴾ ذبیحے سے اس کا قرب حاصل کیا جاتا ہے جس کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے۔ ﴿4﴾ اہل جاہلیت ذبیحے پر لات، عزیٰ اور ہبل کا نام لیتے تھے جو ان کی عظمت کی دلیل ہے اور غیر اللہ کی تعظیم شرک ہے اور اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو ذبح کرتے وقت اپنا عظیم نام لینے کو واجب کیا ہے۔

سوال12: وَالْمُنْخَنِقَةُ ''اور گلا گھٹنے سے مرنے والا (جانور)'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اَلْمُنْخَنِقَةُ سے مراد وہ جانور ہے جس کو رسی سے، ہاتھ سے کسی بھی طرح سے گلا گھونٹ کر مار دیا گیا ہو یا مر گیا ہو وہ بھی حرام ہے۔

سوال13: وَالْمَوْقُوْذَةُ ''اور چوٹ لگنے سے مرنے والا (جانور)'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اَلْمَوْقُوْذَةُ ایسے جانور کو کہا جاتا ہے جو کسی بھاری چیز مثلاً پتھر، لکڑی، لاٹھی وغیرہ کی چوٹ سے مر گیا ہو یا اس پر کوئی دیوار گر گئی ہو یا دب کر مر گیا ہو۔حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں ایسے تیر سے شکار کرتا ہوں جس میں پر نہیں ہوتے (تو کیا اس کا کھانا حلال ہے؟) آپ نے فرمایا جس جانور کو تیرا تیر زخمی کر دے اس

کو کھالے اور جس جانور کو تیرے مذکورہ تیر کا چوڑائی والا حصہ قتل کر دے تو وہ موقوذہ ہے اس کو مت کھانا۔(بخاری ومسلم)

سوال14: وَالْمُتَرَدِّيَةُ ''اور بلندی سے گر کر مرنے والا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اَلْمُتَرَدِّيَةُ ایسا جانور ہے جو کسی بلند جگہ سے نیچے گر کر مر جائے مثلاً کسی دیوار سے، کسی پہاڑ سے، کسی چھت سے یا کنویں میں گر کر مر جائے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ جانور جو پہاڑ کی چوٹی یا بلند مقام سے گر کر مر جائے یا کنویں میں گر کر مر جائے وہ حلال نہیں۔(مختصر ابن کثیر:408/1)

سوال15: وَالنَّطِيحَةُ ''اور سینگ لگنے سے مرنے والا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اَلنَّطِيحَةُ ایسے جانور کو کہتے ہیں جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے، اگرچہ سینگ سے اس کے خون جاری ہو جائے خواہ ذبح کرنے کی جگہ ہی سے خون کیوں نہ جاری ہو ہر صورت حرام ہے۔(مختصر ابن کثیر:409/1)

سوال16: وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ''اور جسے درندے نے کھایا ہو مگر جسے تم نے ذبح کیا ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اگر درندے نے کسی جانور کو پھاڑ کھایا ہو اور جانور مر جائے تو وہ حلال نہیں۔جیسے بھیڑیے، چیتے، شیر یا کسی شکاری پرندے نے پھاڑ کھایا ہو۔《2》اگر سدھایا ہوا کتا کسی جانور کو کھالے اور وہ زخم سے مر جائے تو وہ بھی حرام ہے اگرچہ اس سے خون جاری ہوا ہو اور گلے سے بہا ہو تب بھی حلال نہیں۔(مختصر ابن کثیر:409/1)《3》اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ''مگر جسے تم نے ذبح کیا ہو'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر جانوروں کا پھاڑا ہوا جانور زندہ ہو اور تم اسے ذبح کر لو تو وہ حلال ہے۔《4》سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر جانور دم ہلا دے یا پاؤں مارے یا دیدے پھرائے تو ذبح کر کے تم اسے کھا سکتے ہو۔(ابن ابی حاتم)《5》رافع بن خدیج کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کل ہمارا مقابلہ دشمن سے ہوگا اور جانور کو ذبح کرنے کے لیے ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں کیا ہم کھپاچ سے ذبح کر سکتے ہیں؟ فرمایا جو آلہ ''اپنی دھار سے کاٹ کر'' خون بہادے اور ''ذبح کے وقت'' اللہ کا نام لے لیا گیا ہو۔تم ایسا ذبیحہ کھا سکتے ہو مگر آلہ ذبح دانت اور ناخن نہیں ہونا چاہیے میں تم سے اس کی وجہ بیان کرتا ہوں دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں۔(بخاری ومسلم)《6》کعب بن مالک کا بیان ہے ہماری بکریاں سلع میں چرتی تھیں ایک روز ہماری باندی نے ایک بکری کو مرتے دیکھ کر فوراً ایک پتھر توڑ کر اس کی دھار سے بکری کو ذبح کر دیا میں نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا فرمایا کھالو۔(بخاری)

سوال17: وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ''اور جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: بتوں کے نام کا ذبیحہ حرام ہے۔ایام جاہلیت میں کعبہ کے ارد گرد بتوں کی مورتیاں رکھی ہوئی تھیں اور ابن جریج کے بقول تین سو ساٹھ بت تھے عہد جاہلیت میں لوگ ان کے سامنے اپنے جانور ذبح کیا کرتے تھے اور ان جانوروں کا خون بیت

اللہ پر چھڑک دیا کرتے تھے اور گوشت کاٹ کر بتوں کے سامنے رکھ دیتے تھے۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرما دیا اور ان جانوروں کا گوشت جو بتوں کے سامنے ذبح کیے گئے ہوں حرام فرما دیا اگرچہ ذبح کرتے وقت ان پر اللہ تعالیٰ کا ہی نام لیا گیا ہو کیونکہ اس میں شرک پایا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام فرما دیا ہے۔ (مختصر ابن کثیر:409/1)

سوال18: وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ’’اور یہ بھی (حرام ہے) کہ تم تیروں کے ساتھ قسمت کا حال معلوم کرو یہ نافرمانی ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ استقسام کے معنی ہیں کہ جو مقدر میں ہے اسے طلب کرنا۔ ﴿2﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تیروں سے قسمت طلب کرنا۔ (ابن جریر) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے تیروں کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کرنے سے منع فرمایا۔ ﴿4﴾ دور جاہلیت میں تین طرح کے تیر ہوتے تھے جس کو اس کام کے لیے استعمال کیا جاتا تھا جن میں سے ایک پر لکھا جاتا تھا کہ ’’یہ کام کرو‘‘ دوسرے پر لکھا ہوتا تھا یہ کام نہ کرو اور تیسرا خالی ہوتا تھا۔ اگر ’’کام کرو‘‘ کا تیر نکل آتا تو وہ کام کر لیتے اگر منع کا تیر نکلتا تو ترک جاتے اور سادہ تیر نکلتا تو پھر دوبارہ تیر نکالتے یہاں تک کہ لکھا ہوا تیر نکل آتا۔ یہ کام، سفر، شادی یا کسی اہم موقع پر کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو اس صورت میں حرام قرار دے دیا اور کسی کام میں تردد کی صورت میں استخارے کا حکم دیا جیسا کہ ترمذی کی حدیث 480 سے معلوم ہوتا ہے۔ ﴿5﴾ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ’’یہ نافرمانی ہے‘‘ اللہ تعالیٰ نے قسمت کے تیر نکالنے کو فسق، گمراہی اور شرک قرار دیا ہے۔ ﴿6﴾ یہ تمام محرمات فسق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل کر شیطان کی اطاعت میں داخل ہونا ہے۔ (تفسیر سعدی:48/1) ﴿7﴾ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عراف (غیب کی خبریں بتانے والے) کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ (مسلم) ﴿8﴾ سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت سے اور زنا کاری کی اجرت سے اور غیب کی خبریں بتانے والے کو جو کچھ بطور منہ میٹھا کرنے کے دیا جاتا ہے اس سے منع فرمایا۔ (مسلم)

سوال19: اَلْيَوْمَ ’’آج‘‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد کوئی خاص دن یا تاریخ نہیں بلکہ وہ دور مراد ہے جس میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

سوال20: اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ ’’آج تمہارے دین سے وہ لوگ مایوس ہو گئے جنہوں نے کفر کیا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’آج تمہارے دین سے وہ لوگ مایوس ہو گئے جنہوں نے کفر کیا‘‘ یعنی آج کافر مایوس ہو چکے ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر سکیں جیسا کہ فتح مکہ اور ثقیف اور ہوازن کے اسلام قبول کرنے سے پہلے انہیں امید تھی۔ (ایسر

التفاسیر:322)﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی مدد کی تو مشرک بے آسرا ہو گئے حالانکہ وہ مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیرنے کی بڑی خواہش رکھتے تھے۔﴿3﴾ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جزیرۂ عرب میں شیطان اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ نمازی اس کی پرستش کریں لیکن آپس کی عداوت پر ابھارتا رہے گا۔(مختصر ابن کثیر:410/1)

سوال21:فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ''چنانچہ تم اُن سے نہ ڈرو اور تم مجھ سے ڈرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے خوف کھانے سے روکا ہے کیونکہ مشرکین مسلمانوں کی مخالفت کرتے ہیں۔﴿2﴾فَلَا تَخْشَوْهُمْ ''چنانچہ تم اُن سے نہ ڈرو'' دین کے غلبے اور کافروں کے خوف کے زائل ہو جانے، ان کے مغلوب و مقہور ہو جانے اور اپنے غالب ہو جانے کے بعد ان سے نہ ڈرو۔(تفسیر قاسمی:46/6)﴿3﴾وَاخْشَوْنِ ''اور تم مجھ سے ڈرو'' خشیت میں خالص ہو جاؤ۔ میں تمہاری مدد کروں گا اور تمہیں دنیا اور آخرت میں ان پر غالب کروں گا۔

سوال22:اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اَلْيَوْمَ سے مراد عرفہ کا دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کیا۔﴿2﴾یہودیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ لوگ ایک ایسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں کہ اگر ہمارے یہاں وہ نازل ہوئی ہوتی تو ہم (جس دن وہ نازل ہوئی ہوتی) اس دن عید منایا کرتے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کہاں اور کب نازل ہوئی تھی اور جب عرفات کے دن نازل ہوئی تو نبی ﷺ کہاں تشریف رکھتے تھے۔اللہ کی قسم! ہم اس وقت میدان عرفات میں تھے۔سفیان ثوری نے کہا کہ مجھے شک ہے کہ وہ جمعہ کا دن تھا یا اور کوئی دوسرا دن۔(بخاری:4606)﴿3﴾اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے'' یعنی دین کے احکامات اور اس کے فرائض۔اس کے بعد اب کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔اسکے بعد حلال و حرام کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔(تفسیر قاسمی:46/6)
﴿4﴾اللہ تعالیٰ نے شریعت کی تکمیل فرما دی ہے اس لیے دین کے احکامات میں کتاب و سنت کافی ہیں۔اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ کتاب و سنت کے علم کے علاوہ دین کو سمجھنے کے لیے دیگر علوم کی ضرورت ہے تو وہ ظالم ہے۔کیونکہ سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کو جاہل قرار دینا ہے۔

سوال23:وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ''اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے'' اسلام سب سے بڑی نعمت ہے۔اللہ تعالیٰ نے دین اور شریعت کی تکمیل سے نعمت اسلام کو مکمل کر دیا ہے۔(تفسیر قاسمی:47/6)﴿2﴾جب دین مکمل ہو گیا تو نعمت عظمیٰ بھی مکمل ہو گئی۔(مختصر ابن کثیر:41/1)

سوال24:وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ''اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے''یعنی میں نے اسلام کو تمہارے لیے دین کے طور پر اور تمہیں اسلام کے لیے چن لیا ہے۔اب اپنے رب کی شکرگزاری کے لیے اس دین کو قائم کرو اور اس ہستی کی حمد کرو جس نے بہترین، عالی شان اور کامل ترین دین سے نواز کر تم پر احسان فرمایا ہے۔(تفسیر سعدی:649/1)《2》رب العزت کا فرمان ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ یقیناً دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے۔(سورہ آل عمران:19)《3》سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کے دن اعمال آئیں گے) نماز آئے گی وہ کہے گی کہ اے رب! میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تو خیر پر ہے۔ پھر صدقہ آئے گا وہ عرض کرے گا اے رب! میں صدقہ ہوں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا تو خیر پر ہے۔ پھر روزے آئیں گے وہ کہیں گے کہ اے رب! ہم صیام ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو خیر پر ہے پھر فرمایا اعمال اسی طرح آتے رہیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تم خیر پر ہو پھر اسلام آئے گا وہ عرض کرے گا اے رب! آپ سلام ہیں اور میں اسلام ہوں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تو خیر پر ہے۔ تیری ہی وجہ سے آج میں مواخذہ کروں گا (جس نے تجھے قبول نہ کیا تھا وہ خیر سے محروم ہوگا اور عذاب میں جائے گا) اور تیری وجہ سے عطا کروں گا (آج جو انعامات ملنے ہیں تیری وجہ سے ملیں گے) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کا طلب گار ہوگا تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔(رواہ احمد:445)

سوال25: فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ '' چنانچہ جو شخص بھوک میں مجبور کیا جائے کہ گناہ کے لیے مائل ہونے والا نہ ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》فَمَنِ اضْطُرَّ '' چنانچہ جو شخص مجبور کیا جائے''یعنی جسے ضرورت کچھ حرام کھانے پر مجبور کردے جس کا تذکرہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ میں کیا گیا ہے۔《2》فِيْ مَخْمَصَةٍ '' بھوک میں''یعنی وہ سخت بھوکا ہو۔《3》غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ '' گناہ کے لیے مائل ہونے والا نہ ہو''یعنی گناہ اور نافرمانی کا ارتکاب نہ کرنے والا ہو وہ ان حرام چیزوں کو اس وقت تک نہ کھائے جب تک وہ اضطراری حالت میں نہ ہو اور ضرورت سے بڑھ کر نہ کھائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردار کو اضطراری حالت میں مباح فرمایا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ پھر جو شخص مجبور کر دیا جائے، اس حال میں کہ نہ وہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ وہ حد سے بڑھنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔(سورہ البقرہ:173)

سوال26: جو شخص بھوک کی مصیبت میں مبتلا ہو جائے کہ موت یا حرام میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کے سوا کوئی راستہ کھلا نہ رہ جائے ایسی حالت میں اسلام کیا گنجائش دیتا ہے؟

جواب: حرام چیزوں سے فائدہ اُٹھا کر جان بچا سکتا ہے لیکن شرائط ہیں۔ ﴿1﴾ نہ تو دل سے حرام چیزوں کا اپنانے والا ہو کہ وہ حرام کھانے پر خوشی محسوس کرے۔ ﴿2﴾ اور نہ ناحق کھانے والا ہو کہ وہ زیادہ کھائے۔

سوال 27: فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ''تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے بھوک کی شدّت سے مجبور ہو کر حرام کھانے والے کو بشرطیکہ گناہ کی طرف میلان نہ ہو اپنے غفور یعنی بخشنے والے اور رحیم یعنی رحم کرنے والے کا شعور دلایا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے اضطرار کی حالت میں حرام کھانے کو جائز قرار دیا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ رحیم ہے، اس نے دین میں کوئی نقص لاحق کیے بغیر رحم فرمایا ہے۔ (تفسیر سعدی: 649/1)

یَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُکَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَھُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ ۡ فَکُلُوْا مِمَّآ اَمْسَکْنَ عَلَیْکُمْ وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ۭ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (4)

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے؟ آپ کہہ دیں تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور شکاری جانوروں میں سے جو تم نے سدھار کھے ہیں، جنہیں تم شکاری بنانے والے ہو، تم انہیں سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے چنانچہ جو وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اُس میں سے کھاؤ اور اُس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ (4)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس امت میں سے کون سی قسم کے جانور ہمارے لیے حلال ہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطیؒ) (تفسیر ابن عباس: 327/1)

سوال 2: یَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ ''وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مومنوں کا سوال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے کے لئے کیا حلال کیا ہے۔ ﴿2﴾ اس آیت میں حلال چیزوں کا بیان ہے۔

سوال 3: قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ''آپ کہہ دیں تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں'' حلال کے لئے پاک کی قید کیوں لگائی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ طیبات سے مراد ہر وہ چیز ہے جس میں کوئی فائدہ ہے اور بدن اور عقل میں نقصان پہنچے بغیر ان سے لذت

حاصل ہوتی ہے۔طیبات میں وہ تمام غلہ جات اور پھل وغیرہ شامل ہیں جو بستیوں اور صحراؤں میں پیدا ہوتے ہیں۔اس میں وہ تمام حیوانات بھی پائے جاتے ہیں جو خشک زمین پر پائے جاتے ہیں سوائے ان حیوانات کے جن کو شارع نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔مثلاً درندے، ناپاک جانور اور ناپاک اشیاء مراد ہیں۔(تفسیر سعدی:650/1)《2》حلال کے لیے پاک کی قید اس لیے لگائی ہے کہ غذا کھانے والے کے اخلاق پر غذا کا اثر پڑتا ہے۔چیر پھاڑ کر کھانے والے جانوروں کو کھایا جائے تو انسان میں بھی اسی طرح کے اخلاق پیدا ہوجاتے ہیں اس لیے ان کے کھانے سے منع فرمایا۔《3》سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر ایسے جانور کے کھانے سے منع فرمایا جو اپنے دانتوں سے چیر پھاڑ کر کھاتا ہے(جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا، بلی، کتا وغیرہ)اور ہر ایسے پرندہ کے کھانے سے منع فرمایا جو پنجے والا ہو یعنی پنجے سے دوسرے جانور کو شکار کر کے کھاتا ہو۔(مسلم)

سوال4: وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ ''اور شکاری جانوروں میں سے جو تم نے سدھار کھے ہیں، جنہیں تم شکاری بنانے والے ہو'' شکاری جانوروں سے کیا مراد ہے؟

جواب:''جوارح'' سے مراد وہ جانور ہیں جنہیں آدمی شکار کرنے کے لیے سدھالیتا ہے، جیسے کتا، چیتا، چیل، باز اور شاہین وغیرہ۔(تیسیر الرحمٰن:327/1)

سوال5: شکار کے حلال ہونے کی کیا شرائط ہیں؟

جواب: شکار کے حلال ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ سدھائے جانور کو چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ کہہ لیا ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ شکار کردہ جانور کا کوئی حصہ سدھائے ہوئے جانور نے نہ کھایا ہو۔(تیسیر الرحمٰن:328/1)

سوال6: تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ''تم انہیں سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''تم انہیں سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے'' اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر واضح کر دیا کہ جانوروں کو اگر تم سدھاتے ہو۔وہ تمہارے مطیع ہوتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے تمہارا کمال نہیں ہے۔《2》اس آیت میں حیوانات کو تعلیم دینے اور انہیں مصلحت کے تحت مارنے کا جواز ملتا ہے۔کیونکہ تعلیم بسا اوقات اسکی محتاج ہوتی ہے۔(تفسیر قاسمی:73/6)

سوال7: فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ''چنانچہ جو وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اُس میں سے کھاؤ اور اُس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''چنانچہ جو وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اُس میں سے کھاؤ اور اُس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرو'' یعنی جو جانور تمہارے لیے شکار کو روک کر رکھیں اسکو کھا لیا کرو لیکن اسکے لیے شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت تکبیر پڑھنا شرط ہے۔《2》اگر

شکاری جانور کو چھوڑتے وقت عمداً تکبیر نہ پڑھی گئی ہو تو اسکا مارا ہوا شکار جائز نہیں۔﴿3﴾ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام لے پھر اگر وہ شکار کو پکڑ لے اور تو اسے زندہ پالے تو ذبح کر لینا اور اگر تو نے اسے اس حال میں پایا کہ وہ اسے قتل کر چکا ہے اور اس میں سے اس نے نہیں کھایا تو اس کو کھا لینا اور اگر کتے نے اس میں سے کھا لیا تو اس میں سے نہ کھانا کیوں کہ اس نے وہ اپنے لیے روک رکھا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ وہ کتا مُعَلَّم نہیں) اور اگر تو اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو بھی پالے اور جس جانور پر حملہ کیا ہے، وہ مقتول ہو چکا ہے تو اس میں سے مت کھانا کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ دونوں کتوں میں سے کس نے قتل کیا۔ (مسلم:146/2)﴿4﴾ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑو اور ان پر اللہ کا نام لو تو ان کا کیا ہوا شکار کھا لو۔ (مسلم کتاب الصید والذبائح)﴿5﴾ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اپنا تیر چھوڑو تو بسم اللہ کہہ لو۔ (مسلم کتاب الصید)

سوال8: کیا شکار کے لیے کتا پالنا جائز ہے؟

جواب: شکار کے لیے کتا پالنا جائز ہے جیسا کہ بخاری کی حدیث 2322 سے پتہ چلتا ہے۔ اس کے ساتھ عام کتا پالنا حرام ہے کتے کے شکار اور اس کو شکار کے لیے سکھانے کے جواز سے لازم آتا ہے کہ اس کا پالنا بھی جائز ہے۔ (تفسیر سعدی:651/1)

سوال9: وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے اور اپنے قوانین کی پابندی کے لیے اپنے سریع الحساب ہونے کا شعور دلایا ہے۔

اَلۡيَوۡمَ اُحِلَّ لَـكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حِلٌّ لَّـكُمۡ ۖ وَطَعَامُكُمۡ حِلٌّ لَّهُمۡ‌ ۖ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اِذَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ مُحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ وَلَا مُتَّخِذِىۡۤ اَخۡدَانٍ‌ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۖ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ (5)

آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا اُن کے لئے حلال ہے اور مومن پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں میں سے پاک دامن عورتیں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے، جب تم اُن کے مہر اُنہیں ادا کر دو، انہیں نکاح میں لانے والے ہو اعلانیہ بدکاری کرنے والے نہ ہو اور نہ چھپے دوست بنانے والے ہو اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا تو یقیناً اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہی آخرت میں خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہے۔ (5)

سوال1: اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ''آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کردی گئی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اس آیت میں بندوں کو کثرت سے شکرادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان چیزوں کو مباح قراردیا جس کے وہ بہت محتاج تھے اور طیبات سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔

سوال2: وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ''اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے''﴿1﴾ یہاں طعام سے مراد یہودیوں کا ذبیحہ ہے۔ کیونکہ غلہ اور پھل وغیرہ میں اہل کتاب کی خصوصیت نہیں۔ ﴿2﴾ مسلمانوں کے لیے یہودیوں اور عیسائیوں کے ذبیحے حلال ہیں، باقی کافروں کے ذبیحے حلال نہیں کیونکہ اہل کتاب نبیوں اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے منسلک ہیں اور سارے انبیاء غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی حرمت پر متفق ہیں کیونکہ یہ شرک ہے۔﴿3﴾ اہل کتاب کا کھانا حلال وحرام کی پابندی کے ساتھ جائز ہے۔

سوال3: وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ''اور تمہارا کھانا اُن کے لئے حلال ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور تمہارا کھانا اُن کے لئے حلال ہے'' مسلمانوں کا کھانا اہل کتاب کے لیے حلال ہے۔

سوال4: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ''اور مومن پاک دامن عورتیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مطابق عفت مآب عورتیں مراد ہیں۔

سوال5: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ''اور ان لوگوں میں سے پاک دامن عورتیں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور ان لوگوں میں سے پاک دامن عورتیں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے'' یہودیوں اور عیسائیوں کی پاکدامن عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔(ایسر التفاسیر:325)

سوال6: اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ''جب تم اُن کے مہر اُنہیں ادا کردو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جب تم ان کے مہر انہیں دے دو تو ان کے ساتھ تمہارا نکاح جائز ہوگا۔﴿2﴾ جس کا ارادہ ہو کہ وہ مہر ادا نہیں کرے گا تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں۔﴿3﴾ حق مہر کی عورت کی طرف اضافت دلالت کرتی ہے کہ عورت اپنے تمام حق مہر کی مالک ہوتی ہے اور اس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں۔(تفسیر سعدی:653/1)

سوال7: اسلامی معاشرے میں اہل کتاب کے ساتھ برتاؤ کی صورت کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اسلام اہل کتاب کو مذہبی آزادی دیتا ہے۔﴿2﴾ اسلام مذہبی آزادی سے نہ تو سوسائٹی کے اندر اہل کتاب کو الگ تھلگ کرتا ہے اور نہ کاٹ کر پھینکتا ہے۔﴿3﴾ اسلام اہل کتاب کو شرکت اور محبت کا احساس دلاتا ہے۔﴿4﴾ اسلام اہل

کتاب کو اسلامی معاشرے میں ضم ہونے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔﴿5﴾ اسلام اہل کتاب کا کھانا مسلمانوں کے لئے حلال قرار دیتا ہے اور اس بات کی چاہت دیتا ہے کہ اپنا کھانا اہل کتاب کو پیش کرسکیں تاکہ رواداری کی فضا وجود میں آئے۔ ﴿6﴾ اسلام اہل کتاب میں سے پاکدامن عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کو نکاح کی اجازت دیتا ہے۔﴿7﴾ اسلام اس طرح سے عالمی معاشرہ قائم کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

سوال8: مُحْصِنِيْنَ ''نکاح میں لانے والے ہو'' محصنین کسے کہتے ہیں؟

جواب: ''نکاح میں لانے والے ہو'' یعنی نکاح کرنے والے ہو اور بیویوں کی عزت کی حفاظت کر کے ان کو پاک رکھو۔

سوال9: غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ''اعلانیہ بدکاری کرنے والے نہ ہو'' مسافحین کسے کہتے ہیں؟

جواب: مسافحین بدکاری کرنے والے کو کہتے ہیں۔ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ زنا کرنے والے نہ ہو۔ نکاح کی شرط ہے کہ مرد زناکاری سے دامن بچانے والا ہو۔

سوال10: وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ''اور نہ چھپے دوست بنانے والے ہو'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اَخْدَانٍ سے مراد ہے معشوقوں سے زنا کرنا۔ زمانہ جاہلیت میں نکاح کرنے والوں کی دو قسمیں تھیں۔﴿1﴾ کسی بھی عورت کے ساتھ زنا کرنے والے کو مسافحین کہا جاتا۔﴿2﴾ صرف محبوبہ کے ساتھ زنا کرنے والے کو اخدان کہتے ہیں۔ دونوں صورتیں حرام ہیں۔

سوال11: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ''اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا تو یقیناً اس کا عمل ضائع ہو گیا'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: کفر کی حالت میں وفات پانے والے کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے پھر وہ مرجائے اس حال میں کہ وہ کافر ہو تو یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (البقرہ: 217)

سوال12: وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ''اور وہی آخرت میں خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ایسے لوگوں کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو قیامت کے روز اپنی جان، مال اور گھر والوں کے بارے میں سخت خسارے میں ہوں گے۔

رکوع نمبر 6

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (6)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو اور اگر تم جنابت میں ہو تو غسل کرلو اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو، سو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلو۔ اللہ تعالیٰ ارادہ نہیں رکھتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے لیکن وہ ارادہ رکھتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تاکہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔ (6)

سوال1: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!'' اس سے مراد ہے کہ اے لوگو! اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرو۔

سوال2: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ ''جب تم نماز کے لیے اٹھو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''جب تم نماز کے لیے اٹھو'' جب تم نماز کے لیے جانے لگو تو وضو کرلو یعنی جب تم نماز کی نیت سے اٹھو تو وضو کرلو اس میں نماز کے لیے نیت کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے ﴿2﴾ اس سے نماز قائم کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

سوال3: اسلام میں نماز کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ نماز اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہے۔ ﴿2﴾ نماز اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ ﴿3﴾ نماز اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز ہے۔ ﴿4﴾ نماز اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے۔ ﴿5﴾ نماز دل کی تازگی اور آنکھوں کا سرور ہے۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے اور ملاقات کے انسان پر بے حد اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس لئے اسلام وہ ساری رکاوٹیں اور مشکلات دور کرتا ہے جو نماز کے راستے میں حائل ہوں۔ ﴿7﴾ اسلام نماز کی جگہ کھڑے ہونے کے لئے مناسب تیاری کا حکم دیتا ہے۔ ﴿8﴾ اسلام روحانی پاکیزگی کے لئے (جسمانی پاکیزگی) وضو کا حکم دیتا ہے۔ ﴿9﴾ اسلام پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کی اجازت دے کر رکاوٹ دور کرتا ہے۔ ﴿10﴾ اسلام مجبوریوں اور مشکلات میں بیٹھ کر، لیٹ کر، پہلو پر جیسے بھی ممکن

ہونماز کو ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔《11》اسلام خوف، بیماری اور سفر کی صورت میں صلوۃ خوف اور صلوۃ المریض کا حکم دیتا ہے۔《12》اسلامی نظام حیات مسلمانوں کی اخلاقی اور نفسیاتی تربیت کے لئے نماز کو اللہ تعالیٰ کا خوشگوار سایہ بنا دیتا ہے۔

سوال4: نماز کے لیے وضو کی کیا اہمیت ہے؟

جواب:《1》نماز کے لیے وضو کا حکم ہے اور وضو میں نیت واجب ہے۔ بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کیا کرتے تھے۔(مختصر ابن کثیر:415/1)《2》نماز کی صحت کے لیے طہارت شرط ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نماز کے لیے اٹھتے وقت طہارت کا حکم دیا ہے اور اصولی طور پر حکم (امر) وجوب کے لیے ہوتا ہے۔《3》طہارت نماز کا وقت داخل ہونے پر واجب نہیں ہوتی، بلکہ یہ تو صرف اس وقت واجب ہوتی ہے جب نماز پڑھنے کا ارادہ کیا جائے۔《4》ہر وہ نماز جس پر ''الصلوٰۃ'' کا اطلاق کیا جائے مثلاً فرض، نفل، فرض کفایہ اور نماز جنازہ وغیرہ ہر قسم کی نماز کے لیے طہارت فرض ہے حتیٰ کہ بہت سے اہل علم کے نزدیک مجرد سجدہ، مثلاً سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر کے لیے بھی طہارت ضروری ہے۔

سوال5: فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ ''تو اپنے چہروں کو دھولو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''تو اپنے چہروں کو دھولو'' اس میں چہرے کے دھونے کا حکم ہے اور چہرے میں چہرے کا صرف سامنے کا حصہ شامل ہے یعنی سر کے بالوں کی حدود سے لے کر طول میں جبڑوں کے نیچے اور ٹھوڑی تک اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک نیز کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا چہرے کے دھونے میں شامل ہے اور یہ سنت ہے چہرے پر اگے ہوئے بال بھی چہرے میں داخل ہیں اگر زیادہ گھنے نہیں تو تمام جلد تک پانی پہنچانا ضروری ہے اگر داڑھی گھنی ہو تو اوپر سے دھونا کافی ہے۔ (تفسیر سعدی:655/1)《2》داڑھی کے بالوں میں خلال کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔(ترمذی:31)《3》وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا حکم ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے یہ حدیث آئی ہے کہ اسکا کوئی وضو نہیں جس نے وضو پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا ہو۔ (مختصر ابن کثیر:415/1) (ترمذی:3)《4》اس آیت میں وضو کے فرائض چار ہیں ۔(الف) چہرہ دھونا۔(ب) دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا۔(ج) سر کا مسح کرنا۔(د) دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونا۔(واضح المیسر:295)
《5》فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ ''تو اپنے چہروں کو دھولو'' چہرہ دھونا پہلا فرض ہے تین بار دونوں ہاتھ دھونے، تین مرتبہ کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے اور ناک جھاڑنے کے بعد جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان فرمایا۔(ایسر التفاسیر:326)

سوال6: فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَى الۡمَرَافِقِ ''تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو'' ہاتھ دھوتے وقت کیا ذہن میں رکھیں؟

جواب: جب وضو کے لئے ہاتھ دھوئیں تو یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اس وضو کی وجہ سے ہمارے ہاتھوں کے گناہ دھل رہے

ہیں آئندہ ہاتھوں سے ایسے گناہ نہیں کرنے۔

سوال7: کلی کرتے وقت ذہن میں کیا رکھیں؟

جواب: وضو میں دوسرا عمل کلی ہے۔ زبان جھوٹ بولتی ہے، طعنہ دیتی ہے، غیبت کرتی ہے، مذاق اڑاتی ہے، جھوٹی قسمیں کھاتی ہے، جھوٹی گواہی دیتی ہے، غلط بات یا کام میں ہاں میں ہاں ملاتی ہے، فضول گپ شپ کرتی ہے، زبان گالی دیتی ہے، برے القاب رکھتی ہے اور زبان زخم لگاتی ہے۔ زبان کو کیسے پاک کریں؟ کلی سے زبان اور پورا اندر کا حصہ صاف ہو جاتا ہے۔ اس کلی سے منہ کی برائیاں دھل رہی ہیں۔

سوال8: ناک جھاڑتے ہوئے ذہن میں کیا رکھیں؟

جواب: ناک عزت کا نشان ہے ہر ایک کو اپنی ناک کی فکر رہتی ہے۔ اس ناک کی خاطر کتنے گناہ کیے جاتے ہیں، وضو میں ناک میں پانی ڈال کر، جھاڑ کر اور صاف کر کے ہم برے ماحول کے اثرات سے خود کو پاک کرتے ہیں۔ ناک جھاڑتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھنی ہے کہ آئندہ ناک کی خاطر کوئی گناہ نہیں کرنا۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے پچھلے گناہوں کی وجہ سے توبہ استغفار ضرور کرنی ہے۔

سوال9: چہرہ دھوتے وقت ذہن میں کیا رکھیں؟

جواب: انسان کا تشخص چہرے سے ہے۔ چہرہ نہ ہو تو پہچان ختم ہو جائے۔ چہرے کا بناؤ سنگھار اس امر پر دلیل ہے کہ انسان کو اپنا چہرہ انتہائی عزیز ہے۔ لیکن یہ چہرہ دل کا آئینہ ہے۔ ایک طرف تو چہرہ دل کے حالات کی عکاسی کرتا ہے اور دوسری طرف کتنی نگاہوں کا مرکز بنتا ہے۔ يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ اس دن کچھ چہرے چمک دار ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ چہرے کی سفیدی وضو کی وجہ سے اور سیاہی برے اعمال کی وجہ سے۔ (آل عمران:106) ﴿1﴾ چہرہ دھوتے وقت یہ ذہن میں رکھنا ہے کہ قیامت کے دن چہرے کو سیاہ ہونے سے بچانا ہے۔ ﴿2﴾ نظروں کی آلودگی سے چہرے کو پاک کرنا ہے۔ ﴿3﴾ قیامت کے دن چہرے کو پر نور بنانے کے لئے اچھی طرح دھونا ہے۔ ﴿4﴾ رب سے ملاقات کے لئے چہرے کو پاک کرنا ہے۔

سوال10: وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَى الۡمَرَافِقِ ''اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک'' کی وضاحت کریں؟

جواب: دوسرا فرض دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا ہے یہ واجب اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ کہنیوں کو پوری طرح دھویا نہ جائے۔

سوال11: بازو دھوتے وقت ذہن میں کیا رکھیں؟

جواب: یہ بازو صرف مالک کی بڑائی کے لئے جھکیں اور اٹھیں گے میں ان بازوؤں سے صرف اپنے رب کی مرضی کے کام کروں گی۔

سوال12: وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ ''اور اپنے سروں کا مسح کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وضو کا تیسرا فرض ہے ﴿2﴾ سر پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ ﴿3﴾ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ کیونکہ (با) تبعیض کے لیے نہیں، بلکہ الصاق کے لیے ہے اور یہ تمام تر سر کے مسح کو شامل ہے ﴿4﴾ سر کا مسح دونوں ہاتھوں سے کیا جائے یا ایک ہاتھ سے، کسی کپڑے سے کیا جائے یا لکڑی وغیرہ سے، جیسے بھی کیا جائے کفایت کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسح کا علی الاطلاق حکم دیا ہے۔ کسی وصف سے مقید نہیں کیا۔ پس یہ چیز مسح کے اطلاق پر دلالت کرتی ہے۔ ﴿5﴾ وضو میں سر پر مسح کرنا فرض ہے۔ اگر ہاتھوں کے ساتھ سر پر مسح کرنے کی بجائے سر کو دھولیا جائے تو یہ کفایت نہیں کرے گا کیونکہ اس نے وہ کام نہیں کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (تفسیر سعدی: 656/1)

سوال13: وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ ''اور اپنے سروں کا مسح کرو'' سر کا مسح کیسے کیا جائے گا؟

جواب: سر کے مسح کے لیے اپنے ہاتھ آگے سے پیچھے گدی تک لے جائیں گے پھر وہاں سے آگے کو لائیں گے جہاں سے شروع کیا تھا۔ پھر کانوں کا مسح کریں گے۔

سوال14: اگر سر پر پگڑی ہو تو مسح کیسے کیا جائے گا؟

جواب: اگر سر پر پگڑی ہو تو سنت رسول کے مطابق اس پر بھی موزوں کی طرح مسح کیا جائے گا۔

سوال15: سر کا مسح کرتے وقت کیا ذہن میں رکھیں؟

جواب: انسانی سوچ کا منبع و مرکز انسان کا دماغ ہے۔ شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے اور ذہن شیطان کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ وضو کے درمیان مسح سوچ کو پاک کرنے کے عمل کا اظہار کرتا ہے۔ مسح کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھنی ہے کہ میں اپنے دماغ سے شیطان کی نجاست نکال رہی ہوں۔ آئندہ اس نجاست کو اندر نہیں آنے دینا۔

سوال16: کانوں کا مسح کرتے وقت ذہن میں کیا رکھیں؟

جواب: سماعت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن کھلے کانوں کے اندر ہر آواز جگہ بنا سکتی ہے۔ کان جھوٹ سنتے ہیں، غیبت سنتے ہیں، میوزک سنتے ہیں اور گپ شپ سنتے ہیں۔ ایسے کان لے کر رب سے ملاقات کیسے کریں؟ مسح کرتے ہوئے یہ سوچنا ہے کہ اس کان سے جو برائی کے کام کیے ہیں وہ سب دھل رہیں ہیں اور آئندہ برائی کے کام نہ کرنے کا عہد کرنا ہے۔

سوال17: وَ اَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ''اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وضو کا چوتھا فرض ہے۔ ﴿2﴾ وضو میں پاؤں کا مسح نہیں بلکہ غسل ہے۔ ﴿3﴾ پاؤں دھونے حدیث سے ثابت ہیں۔عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ معظّمہ سے واپس ہوئے۔ چلتے چلتے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا راستہ میں ایک جگہ پانی ملا تو لوگ جلدی سے آگے بڑھ گئے ہم جب ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں ظاہر ہو رہی ہیں جن کو پانی نہیں پہنچا نبی ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ایڑھیوں کے لیے ہلاکت ہے جو دوزخ کی آگ کی صورت میں ظاہر ہوگی۔اچھی طرح پانی پہنچایا کرو۔(احمد و ابن ماجہ) ﴿5﴾ اگر پاؤں میں موزے پہنے ہوں تو اس پر مسح درست ہے۔

سوال18: پاؤں دھوتے ہوئے ذہن میں کیا رکھیں؟

جواب: پاؤں نہ ہوں تو حرکت ممکن نہیں ہے۔رب کے عطا کردہ ہمارے یہ پاؤں اٹھتے ہیں تو ہماری اپنی مرضی کے ایسے کاموں کے لئے کہ جن سے رب ناراض ہو جائے۔وضو کرتے ہوئے ذہن میں یہ رکھنا ہے کہ پاؤں رب کی دی ہوئی نعمت ہیں۔ان کو ایسی سمت میں اٹھانا ہے جس سے رب کی رضا حاصل ہو جائے۔اور ان پاؤں پر چل کہ جو گناہ کیے ہیں آئندہ ان پاؤں کو گناہوں کی راہ پر نہیں چلانا۔

سوال19: وضو کا مکمل طریقہ کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ حمران، عثمان رضی اللہ عنہ کے مولیٰ نے خبر دی کہ انہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے (حمران) سے پانی کا برتن مانگا (اور لے کر پہلے) اپنی ہتھیلیوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا، اور (پانی لے کر) کلی کی اور ناک صاف کی، پھر تین بار اپنا چہرہ دھویا اور کہنیوں تک تین بار ہاتھ دھوئے۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا (پھر پانی لے کر) ٹخنوں تک تین مرتبہ اپنے دونوں پاؤں دھوئے پھر کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری طرح ایسا وضو کرے، پھر دو رکعت پڑھے جس میں اپنے نفس سے کوئی بات نہ کرے تو اس کے گذشتہ گناہ صاف کر دیئے جاتے ہیں۔(بخاری:159) ﴿2﴾ وضو کے اعضا کو ترتیب سے دھونے کا حکم ہے۔(تفسیر سعدی) ﴿3﴾ ہر نماز کے وقت تجدید وضو کا حکم ہے تا کہ حکم کو پورا کیا جاسکے۔

سوال20: وضو کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: نبی ﷺ نے فرمایا مومن جب وضو کرتا ہے اور چہرہ دھوتا ہے تو پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے چہرے سے سارے گناہ ختم ہو جاتے ہیں جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اسکے ہاتھوں کے گناہ گر جاتے ہیں جن کو اس کے ہاتھوں نے پکڑا تھا۔اسی طرح جب وہ پاؤں

دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جن کی طرف وہ چل کر گیا تھا حتیٰ کے وہ گناہوں سے صاف ہو کر نکلتا ہے۔(مسلم:577)

سوال21: کیا وضو کے بغیر نماز قبول ہو جاتی ہے؟

جواب: پاکیزگی کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی سیدنا ابو ہریرہ ﷛ سے سنا گیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص حدث کرے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دوبارہ وضو نہ کرے۔(بخاری:135)

سوال22: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو دھولو' حلال رزق اور پاکیزہ عورتوں کے احکامات کے بعد نماز اور اس کے لئے طہارت کے بیان میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہ تذکرہ محض اتفاقاً نہیں ہے۔حلال رزق اور پاکیزہ عورتوں کے احکامات کے بعد نماز اور اس کے لیے طہارت کے بیان میں بڑی حکمت ہے۔حلال رزق کے پاک ہونے اور پاک دامن عورتوں سے نکاح کے احکامات جو کہ معاشرتی زندگی سے متعلق ہیں کے بعد نماز جو کہ روحانی پاکیزگی کا ذریعہ ہے اور اس کے لیے وضو کا ذکر کیا گیا جو کہ جسمانی طہارت کا ذریعہ ہے اس کے تذکرے سے انسان کی زندگی میں پاکیزگی اپنے کمال تک جا پہنچتی ہے۔﴿2﴾ اس سے یہ سمجھانا بھی مطلوب ہے کہ طہارت اور نماز کے احکامات بھی اسی طرح دین کا حصہ ہیں جیسے کھانے، شکار، نکاح، حلال و حرام اور جنگ و امن میں لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے کے احکامات۔﴿3﴾ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سب معاہدات ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے۔

سوال23: وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ''اور اگر تم جنابت میں ہو تو غسل کرلو' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جنبی کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جس سے سوتے یا جاگتے منی خارج ہوئی ہو یا اس نے مجامعت کی ہو خواہ منی کا انزال نہ ہوا ہو۔ جسے یاد آجائے کہ اسے احتلام ہوا ہے مگر کپڑوں پر منی کے نشانات موجود نہ ہوں تو اس پر غسل واجب نہیں کیونکہ جنابت متحقق نہیں ہوئی۔(تفسیر سعدی:657/1)﴿2﴾ فَاطَّهَّرُوْا تو غسل کرلو یعنی پورا بدن پانی سے دھو ڈالو۔(ایسر التفاسیر:235)﴿3﴾ جنابت کی حالت میں غسل کا حکم دیا گیا ہے۔غسل جنابت میں تمام بدن کا دھونا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے طہارت حاصل کرنے کو بدن کے کسی ایک حصے کے ساتھ مخصوص کرنے کی بجائے تمام بدن کی طرف مضاف کیا ہے۔جنابت کی حالت میں بالوں کو اندر اور باہر سے دھونے کا حکم ہے۔طہارت کے حصول کے وقت حدث اصغر سے بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے اس کے لیے اس کی نیت کرلینا کافی ہے۔پھر وہ تمام بدن پر پانی بہائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف پاکیزگی حاصل

کرنے کا ذکر کیا ہے اور وضو لوٹانے کا ذکر نہیں فرمایا۔(لیکن یہ بات اس وقت صحیح ہوگی جب سنت کے مطابق غسل جنابت کیا جائے اور وہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ہاتھ دھوئے جائیں، پھر شرم گاہ کو بائیں ہاتھ سے دھو کر اس ہاتھ کو مٹی یا صابن وغیرہ سے دھویا جائے، پھر وضو کیا جائے اور سر پر مسح کرنے کے بجائے تین بار سر پر پانی ڈالا جائے، پھر سارے بدن پر پانی ڈال کر غسل کیا جائے، پھر آخر میں جگہ بدل کر پیر دھوئے۔اس طرح غسل جنابت کے بعد دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔بشرطیکہ دوران غسل شرم گاہ کو ہاتھ نہ لگے۔)(تفسیر سعدی:657/1)《4》سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب غسل فرماتے تو آپ ﷺ پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے پھر اسی طرح وضو کرتے جیسا نماز کے لیے آپ وضو کیا کرتے تھے پھر پانی میں اپنی انگلیاں داخل فرماتے اور ان سے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے۔پھر اپنے ہاتھوں سے تین چلو سر پر ڈالتے پھر تمام بدن پر پانی بہا لیتے۔(بخاری:248)

سوال24: جنابت کی وجہ سے کیا کچھ ممنوع ہو جاتا ہے؟

جواب:《1》قرآن پاک پڑھنا۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ہمیں جنابت کے علاوہ ہر حالت میں قرآن پڑھاتے تھے۔(ترمذی)《2》مساجد میں داخل ہونا: قرآن پاک میں فرمایا ''وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ''اور نہ جنبی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) مگر راستے سے گزرتے ہوئے۔《3》نماز پڑھنا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم نماز کے قریب بھی نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے میں ہو یہاں تک کہ تم جان لو جو کچھ تم کہتے ہو اور نہ ہی جنابت کی حالت میں مگر راستہ عبور کرنے والے ہو یہاں تک کہ تم غسل کر لو۔(النساء:43)《4》قرآن کو ہاتھ لگانا۔لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ جسے پاک کیے گئے فرشتوں کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔(الواقعہ:79)

سوال25: وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا ''اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس احسان کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے تیمّم مشروع فرمایا۔تیمّم کے جواز کے اسباب میں سے ایک سبب ایسا مرض ہے جس میں پانی کے استعمال سے ضرر پہنچتا ہو، اس صورت میں تیمّم جائز ہے۔(تفسیر سعدی:657/1)《2》''یا سفر میں ہو'' سفر کی حالت میں جب پانی نہ ملے تو تیمّم کو جائز کر دیتا ہے۔《3》''یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو'' پیشاب اور پاخانہ کے راستوں میں سے کوئی چیز باہر نکلے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(تفسیر سعدی:658/1)ایسے میں پانی نہ ملے تو تیمّم جائز ہے۔《4》''یاتم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو''لذت اور شہوت سے عورت کے بدن کو چھونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے ایسے میں پانی نہ ملے تو تیمّم جائز ہے۔《5》فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً ''پھر تم پانی نہ پاؤ''،یعنی وضواور غسل کے لیے پانی نہ ملے۔تیمّم کی صحت پانی کے نہ ہونے کے ساتھ مشروط ہے۔پانی مل جائے تو خواہ انسان نماز کے اندر ہو تیمّم باطل ہوجاتا ہے۔《6》فَتَيَمَّمُوۡا ''تو تیمّم کرو''،یعنی ارادہ کرو تیمّم میں نیت ضروری ہے۔《7》صَعِيۡدًا طَيِّبًا ''پاک مٹی''(الف) نبی ﷺ نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کے لئے وضوکا کام کرتی ہے چاہے وہ دس سال پانی نہ پائے۔پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم مباح ہے۔(ابن حبان)(ب)نجس مٹی سے تیمّم نہیں ہوتا کیونکہ یہ پاک نہیں بلکہ ناپاک ہے۔

سوال26:فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ مِّنۡهُ ''سواپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''سواپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلو''،تیمّم میں صرف چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرنا کافی ہے۔《2》تیمّم میں ترتیب اسی طرح شرط ہے جیسے وضو میں شرط ہے۔《3》حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں لاحق ہوں اور تیمّم کرتے وقت دونوں سے طہارت کی نیت کرلیں تو تیمّم ہو جائے گا۔《4》تیمّم میں مسح ہاتھ سے یا کسی اور چیز سے جائز ہے۔《5》بِوُجُوۡهِكُمۡ تمام چہرے کو شامل ہے اور تمام چہرے کا مسح واجب ہے البتہ اس سے منہ اور ناک کے اندر مٹی داخل کرنا اور بالوں کی جڑوں تک مسح کرنا مستثنیٰ ہے۔《6》ہاتھوں کا مسح صرف ہاتھ اور کلائی کے جوڑ تک ہے کیونکہ ہاتھ کا اطلاق صرف گٹے تک ہے۔اگر کہنیوں تک ہاتھوں پر مسح تیمّم کے لیے شرط ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس شرط سے مقید فرمادیتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وضو میں مقید فرمایا ہے۔(تفسیر سعدی:659/1)

سوال27:تیمّم کا طریقہ کیا ہے؟

جواب:ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ کو عمار رضی اللہ عنہ کا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ قول معلوم نہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے کسی کام کے لیے بھیجا تھا۔سفر میں مجھے غسل کی ضرورت ہوگئی لیکن پانی نہیں ملا۔اس لئے میں مٹی میں جانور کی طرح لوٹ پوٹ ہوگیا۔پھر میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا،تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لیے صرف اتنا اتنا کرنا کافی تھا اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر ایک مرتبہ مارا پھر ان کو جھاڑ کر بائیں ہاتھ سے داہنے کی پشت کو مل لیا یا بائیں ہاتھ کا داہنے ہاتھ سے مسح کیا پھر دونوں ہاتھوں سے چہرے کا مسح کیا۔(صحیح بخاری:347)

سوال28:تیمّم کے فرائض کیا ہیں؟

جواب:《1》نیت۔《2》مٹی کا پاک ہونا۔《3》ایک بار دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مارنا۔《4》چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح کرنا۔

سوال29: تیمّم کب ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب:《1》وہ سارے کام جن سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔《2》پانی مل جانے پرخواہ نماز کے دوران ملے نماز سے فارغ ہونے کے بعد پانی ملے تو نماز کا دہرانا ضروری نہیں۔

سوال30: تیمّم سے کون سے کام مباح ہوجاتے ہیں؟

جواب:《1》نماز《2》طواف《3》قرآن کو ہاتھ لگانا《4》تلاوت قرآن《5》مسجد میں ٹھہرنا۔

سوال31: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول ﷺ کے ساتھ سفر (غزوۂ بنی المطلق) میں تھے جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش پر پہنچے تو میرا ایک ہار کھو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی تلاش میں وہیں ٹھہر گئے اور لوگ بھی آپ ﷺ کے پاس ٹھہر گئے۔ لیکن وہاں کہیں قریب میں پانی نہ تھا لوگ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ عائشہؓ نے کیا کام کیا؟ رسول ﷺ اور تمام لوگوں کو ٹھہرا دیا ہے اور پانی بھی کہیں قریب میں نہیں ہے اور نہ ہی لوگوں کے ساتھ ہے پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے رسول ﷺ اپنا سر میری ران پر رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ تم نے رسول ﷺ اور تمام لوگوں کو روک لیا۔ حالانکہ قریب کہیں پانی بھی نہیں ہے اور نہ لوگوں کے پاس ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ والد ماجد مجھ پر بہت خفا ہوئے اور اللہ نے جو چاہا انہوں نے مجھے کہا اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کچوکے لگائے۔ رسول ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا اس وجہ سے میں حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ رسول ﷺ جب صبح اٹھے تو پانی کا پتہ تک نہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت اتاری اور لوگوں نے تیمّم کیا اس پر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا اے آلِ ابی بکر یہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا پھر ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا ہار اسکے نیچے سے مل گیا۔ (بخاری:334)

سوال32: وضو، غسل اور تیمّم کے احکامات میں کیا حکمت ہے واضح کریں؟

جواب:《1》جسمانی اور روحانی صفائی کا حصول اللہ تعالیٰ کے قرب کے لئے ضروری ہے۔ اگرچہ پابندی میں بڑی آزمائش ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مشقت میں ڈالنے کے لئے عائد نہیں کی۔ انسانوں کو پاکیزہ بنانے کے لئے عائد کی ہے۔ وضو اور غسل سے روحانی اور جسمانی پاکیزگی ملتی ہے اور اگر پانی نہ ملے تو تیمّم سے پاکیزگی نصیب ہوگی۔《2》اللہ تعالیٰ نے ناروا پابندیاں اور سخت قیدکو ختم کیا ہے۔ یہودیوں کے یہاں طہارت کے معاملات میں سخت پابندیاں تھیں۔ تیمّم کا ان کے ہاں کوئی تصور نہیں تھا۔ کوئی شخص پانی نہ ملنے پر عبادت نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آسانی پیدا فرمائی ہے ''مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّلٰـكِنۡ يُّرِيۡدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ ''میں یہی حکمت بیان فرمائی ہے۔《3》اللہ تعالیٰ تیمّم کے ذریعے بطور انعام طہارت

عطا فرمارہے ہیں تاکہ مسلمان شکر کریں۔

سوال33: مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ’’ اللہ تعالیٰ ارادہ نہیں رکھتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے لیکن وہ ارادہ رکھتا ہے کہ تمہیں پاک کرے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’اللہ تعالیٰ ارادہ نہیں رکھتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے‘‘ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو احکام ہمارے لیے مشروع فرمائے ہیں ان میں ہمارے لیے کوئی حرج، کوئی مشقت اور تنگی نہیں رکھی۔ یہ اس کی بندوں پر بے پایاں رحمت ہے تاکہ وہ ان کو پاک کرے اور ان پر اپنی نعمت کا اتمام کرے۔ ﴿2﴾ نماز کے لیے طہارت یا تیمّم کے حکم سے مقصود بندوں کو تکلیف اور تنگی میں ڈالنا نہیں بلکہ اللہ اپنے بندوں کو گناہوں سے پاک کرنا اور اپنی نعمت کو ان پر تمام کرنا چاہتا ہے۔ (تیسیر الرحمٰن :332/1) ﴿3﴾ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ’’لیکن وہ ارادہ رکھتا ہے کہ تمہیں پاک کرے‘‘ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ ہمیں پاک کرے اس نے پانی اور مٹی سے ظاہری بدن کی طہارت اور خالص توبہ اور توحید کے ذریعے سے حاصل ہونے والی باطنی طہارت کی تکمیل کی ہے۔ ﴿4﴾ تیمّم کی طہارت میں اگرچہ وہ نظافت وطہارت نہیں ہوتی جس کا حس اور مشاہدہ کے ذریعے ادراک ہوسکتا ہے تاہم اس میں معنوی طہارت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے پیدا ہوتی ہے۔

سوال34: وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ’’اور تاکہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم شکر کرو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اور تاکہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے طہارت کے ذریعے اسلام کی نعمت کی تکمیل کی ہے۔ ﴿2﴾ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ’’تاکہ تم شکر کرو‘‘ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر شکر گزاری اور ان سے محبت تب پروان چڑھتی ہے جب بندہ طہارت اور شریعت کے احکامات میں تدبر کرے اور اپنے علم اور معرفت میں اضافے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (7)

اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو اور اس کے عہد کو بھی جو اس نے تم سے مضبوط باندھا تھا، جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔(7)

سوال1: وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ’’اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو‘‘ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے مراد دین اسلام اور رحمۃ للعالمین نبی ﷺ ہیں۔ ﴿2﴾ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ’’اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو‘‘ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے انعامات کا دل اور زبان سے تذکرہ کیا جائے۔

تذکرے سے شکر اور محبت کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور مومن کا دل اللہ تعالیٰ کے احسانات کو پہچان کر اس کی محبت سے بھر جاتا ہے۔
《3》اللہ تعالیٰ کے دینی انعامات کے تذکرے سے نفس کی خود پسندی ختم ہوتی ہے۔《4》نعمت اسلام کا تذکرہ دراصل اسلام کے احکامات کا تذکرہ ہے۔ اور نعمت رسول ﷺ کا تذکرہ دراصل سنتوں کا تذکرہ ہے۔《5》اللہ تعالیٰ کے احکامات اور سنت رسول کی حکمتوں کا تذکرہ مختلف مواقع پر، مجالس میں، خصوصی نشستوں میں، تعلیمی اداروں میں، کاروباری مقامات پر، دوستوں کی مجالس میں، گھروں میں اہل خاندان میں ہر جگہ ملتا ہے۔

سوال2: وَمِیْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ''اور اس کے عہد کو بھی جو اس نے تم سے مضبوط باندھا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اور اس کے عہد کو بھی جو اس نے تم سے مضبوط باندھا تھا'' اللہ تعالیٰ کے عہد کو یاد کرو جو اس نے تم سے رسول ﷺ کی بیعت و پیروی پر آپ کی امداد و اعانت پر، آپ ﷺ کے دین کو ماننے اور اپنانے پر اور آپ کی طرف سے اس کی تبلیغ کرنے پر لیا۔ اسلام لاتے وقت اور رسول ﷺ سے بیعت کرتے وقت مسلمان کہتا تھا کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم آپ کی بات مانیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ ہم آپ کی باتیں سن کر ان پر عمل کریں گے خواہ ہمیں اچھی معلوم ہوں یا بری، خواہ ہم پر دوسروں کو ترجیح ہی کیوں نہ دی جائے اور خلیفہ سے خلافت میں جھگڑا نہ کریں گے۔ (مختصر ابن کثیر 418/1:)《2》یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ عہد یہودیوں کو یاد دلایا گیا ہے کہ تم سے محمد ﷺ کی پیروی کا اور ان کے مقدس دین کی اطاعت کا عہد و پیمان لیا جا چکا ہے پھر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ (مختصر ابن کثیر 418/1:)

سوال3: اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ''جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اس سے مراد زبان سے کیا ہوا عہد نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ اطاعت ہے یعنی ہم نے اللہ کا حکم سن لیا اور قبول کر لیا۔ یہ ظاہری اور باطنی تمام شرعی احکام کو شامل ہیں۔《2》اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کے ذریعے جو دعوت دی اسے ہم نے قبول کر لیا۔ اب جن پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہے ان پر عمل کریں گے اور جن سے روکا گیا ہے ان سے رکیں گے۔《3》ایمان والے یہ عہد یاد رکھتے ہیں اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسے پورا کرنے کی حرص رکھتے ہیں۔

سوال4: وَاتَّقُوا اللّٰهَ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھو اور اپنے تمام حالات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

سوال5: اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا کہ جو خیالات تمہارے دل میں آتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے واقف ہے اور جو راز تمہارے سینے میں ہیں اللہ تعالیٰ ان سے باخبر ہے۔《2》بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ کا مفہوم عربی زبان میں ''دلوں کی مالکہ''، جو دلوں میں چسپاں ہو۔ کنایۃً مراد وہ خفیہ جذبات ہیں جو دلوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ پوشیدہ میلانات، دلوں کے خلجان، خفیہ راز، ایسے راز جو دلوں کے ساتھ چسپاں ہیں۔ یہ خفیہ راز بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے کھلے ہیں اس لئے کہ وہ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے۔ (فی ظلال القرآن)《3》اللہ تعالیٰ نے اپنا خوف دلایا ہے کہ تمہارے دلوں سے جو بھی فعل سرزد ہوا جس سے کوئی اور واقف نہیں ہوسکتا یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ وہ ایمان ہو یا شک اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہے اس کے لیے اخلاص، اس کو راضی کرنے کی فکر، اس کی محبت، اس سے امید، اس پر توکل، اس کا تقویٰ، اس کی آیات پر تفکر کو تو رکھو لیکن اس کی ناراضگی کے ہر کام سے بچ جاؤ جیسے خواہشات سے محبت اور وہ تمام افعال جیسے بدگمانی، حسد، کینہ اور نافرمانی کے خیالات سے دل کو پاک کرو۔

سوال6: اللہ تعالیٰ نے اپنے علیم بذات الصدور ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے علیم بذات الصدور ہونے کا شعور اس لیے دلایا ہے تاکہ لوگ دل سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ‌ ۖ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا‌ ؕ اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى‌ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ(8)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کے لیے خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنادے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ، جو بھی تم عمل کرتے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔(8)

سوال1: يَآ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کے لیے خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》يَآ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!'' اے لوگو! جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو مان لیا اب اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو۔《2》كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ ''اللہ تعالیٰ کے لیے خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ''، یعنی انصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے گواہی دینے کے لیے کھڑے ہونے

والے بن جاؤ۔تمہاری ظاہری اور باطنی حرکات قیام انصاف میں نشاط محسوس کریں اور یہ قیام عدل دنیاوی اغراض کی خاطر نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو(قسط) یعنی عدل تمہارا مقصد ہو تمہارے اقوال وافعال میں کسی قسم کی افراط وتفریط نہ ہو اور تم قریب اور بعید، دوست اور دشمن، سب کے ساتھ عدل وانصاف کرو۔(تفسیر سعدی:661/1)《3》لوگوں کے لیے اور شہرت کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے لیے حق پر قائم رہو اور ظلم سے نہیں بلکہ انصاف سے گواہ بنو۔(مختصر ابن کثیر:418/1)

《4》سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے والد نے مجھے کوئی چیز ہبہ کی ان سے میری ماں عمرہ بنت رواحہ نے کہا: میں اس وقت تک راضی نہیں جب تک اس پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ نہ بنالو آخر کار میرے والد آپ ﷺ کی گواہی کے لیے آپ ﷺ کے پاس گئے۔آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے اپنے ہر بچے کو اس جیسا ہبہ کیا ہے؟ بولے نہیں۔فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں برابری کرو اور فرمایا: میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔آخر کار والد محترم نے گھر آ کر وہ موہوبہ چیز مجھ سے واپس لے لی۔(بخاری، مسلم)

سوال2: قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ ''اللہ تعالیٰ کے لیے خوب قائم رہنے والے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》انصاف کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے لئے کھڑے ہو جائیں۔《2》انصاف کے سوا ہر شے چھوڑ دیں۔

سوال3: شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ''انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ'' انصاف کے قیام کے لیے کس کی ضرورت ہے؟

جواب: ایمان کا تقاضا ہے کہ انصاف کے قیام کے لئے جس سہارے کی ضرورت ہے وہ سہارا بن جاؤ۔

سوال4: دین میں ساری نیکیاں کہاں سے پھوٹتی ہیں؟

جواب: تقویٰ سے دین میں ساری نیکیاں پھوٹتی ہیں۔

سوال5: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》کسی قوم سے کینہ بغض اور عداوت تمہیں عدل سے نہ روکنے پائے۔عدل کرو خواہ دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا پرایا، ادنیٰ ہو یا اعلیٰ۔(مختصر ابن کثیر:419/1)《2》جن کے پاس عدل کا کوئی تصور نہیں ان جیسے کام نہ کرنا۔دوست ہو یا دشمن گواہی حق کی بنیاد پر دینا۔اگر کوئی حق بات کہے تو اسے قبول کرو۔

سوال6: اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ''عدل کرو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》عدل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔اگر عدل کی خواہش کرو گے تو یہ دلوں کے تقویٰ کے قریب ہے۔عدل مکمل ہوگا

تو تقویٰ بھی مکمل ہوگا۔﴿2﴾ تقویٰ ہی وہ کسوٹی ہے جس کی وجہ سے دشمن کے معاملے میں بھی انسان تعصب کا شکار نہیں ہوتا، عدل کرتا ہے اور عدل تقویٰ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

سوال 7: اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ”جو بھی تم عمل کرتے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس سے پوری طرح باخبر ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ اس چیز سے باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کا ڈر اسی یقین سے پیدا ہوتا ہے کہ جس سے میرا معاملہ ہے وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرو وہ چھوٹے بڑے اور اچھے برے تمام اعمال کی آخرت میں جزا دے گا۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ (9)

ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ اُن کے لیے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔(9)

سوال 1: وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ”ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ وَعَدَ اللّٰہُ ”اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے“ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔﴿2﴾ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ”جو ایمان لائے“ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو ایمان لائے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا اور رسولوں کا اقرار کیا اور جو کچھ رسول ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس لے کر آئے۔﴿3﴾ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ”اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں“ جنہوں نے نیک عمل کیے یعنی جو واجبات اور مستحبات پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

سوال 2: لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ”اُن کے لیے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں گناہوں کی مغفرت کا اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔﴿2﴾ مغفرت کی امید اور اجر عظیم کا وعدہ مومن کو اپنے طرز عمل پر اطمینان دیتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ (10)

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، ایسے لوگ دوزخ والے ہیں۔(10)

سوال 1: وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا“ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا جو کہ حق پر دلالت کرتی ہیں اور ان آیات سے کفر کیا حالانکہ ان آیات نے حق کو بیان کر دیا تھا۔

سوال2: أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ''ایسے لوگ دوزخ والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: کافروں کو دوزخ نصیب ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے جس میں ظلم کا کوئی شائبہ نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ عادل ہے حکیم ہے بڑی قدرت والا ہے۔

سوال3: کفر کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والوں کی سزا جہنم کیوں ہے؟

جواب:《1》 کفر کرنے والے، انکار کرنے والے اپنے لیے جہنم کا راستہ کھول دیتے ہیں۔《2》 کفر کرنے والے جھٹلا کر اپنے راستے میں خود رکاوٹیں کھڑی کر دیتے ہیں ان کے لئے جہنم کے سوا کوئی راستہ نہیں رہ جاتا۔ وہ جہنم کے ساتھ لازم وملزوم رہیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (11)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب کچھ لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ، پس لازم ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ پر توکل کریں (11)

سوال1: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》 اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے اپنی عظیم نعمتوں کا ذکر کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔《2》 نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ''اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو'' اس سے مراد دشمنوں کا قتل، ان کے شہروں کو فتح کرنا، ان کو غلام بنانا، ان سے مال غنیمت حاصل کرنا اور باغیوں کے شر سے بچانا ہے۔《3》 اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کا اعتراف کرنے کا مطالبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے ہاتھوں کو روکا، ان کی سازشوں سے بچایا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کی مدد ہے۔ اس لیے مومنوں کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس کی عبادت اور اس کا ذکر کرنا چاہیے۔

سوال2: إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ''جب کچھ لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ تمہاری طرف اپنے

ہاتھ بڑھائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اِذۡ ھَمَّ قَوۡمٌ جب کچھ لوگوں نے یعنی یہودیوں نے ارادہ کیا۔﴿2﴾ اَنۡ یَّبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَھُمۡ ’’کہ وہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں‘‘ ان سب کے ہاتھ آگے بڑھے قریب تھا کہ پکڑ لیتے۔﴿3﴾ فَکَفَّ اَیۡدِیَھُمۡ عَنۡکُمۡ ’’چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا‘‘ ان کے ہاتھوں کو روک دیا آگے بڑھنے سے، تمہاری طرف آنے سے روک دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت ہے اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو ذہنوں میں زندہ کیا ہے۔

سوال3: اِذۡ ھَمَّ قَوۡمٌ اَنۡ یَّبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَھُمۡ فَکَفَّ اَیۡدِیَھُمۡ عَنۡکُمۡ ’’جب کچھ لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا‘‘ سے کس کی طرف اشارہ ہے؟

جواب:﴿1﴾ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک منزل میں اترے لوگ ادھر اُدھر سایہ دار درختوں کی تلاش میں لگ گئے آپ ﷺ نے ہتھیار اتار کر ایک درخت پر لٹکا دیے۔ ایک اعرابی نے آکر آپ ﷺ کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسے کھینچ کر آپ ﷺ کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اب بتا کہ مجھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فوراً جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ، اس نے پھر یہی سوال کیا آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا تیسری مرتبہ کے جواب کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی آپ ﷺ نے صحابہ کو آواز دی اور جب وہ آگئے تو ان سے سارا واقعہ کہہ سنایا اعرابی اس وقت بھی موجود تھا لیکن آپ ﷺ نے اس سے کوئی بدلہ نہ لیا۔ (مصنف عبدالرزاق)﴿2﴾ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے مراد بنو نضیر کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے چکی کا پاٹ قلعہ کے اوپر سے آپ ﷺ کے سر پر گرانا چاہتا تھا جبکہ آپ ﷺ عامری لوگوں کی دیت کے لینے کے لئے ان کے پاس گئے تھے تو ان شریروں نے عمرو بن مجاش بن کعب کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ ہم نبی اکرم ﷺ کو نیچے کھڑا کر کے باتوں میں مشغول کر لیں گے تو اوپر سے یہ پھینک کر آپ ﷺ کا کام تمام کر دینا لیکن راستے ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو ان کی شرارت و خباثت سے آگاہ کر دیا آپ ﷺ مع اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے وہیں سے پلٹ گئے، اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ (مختصر ابن کثیر:419/1)

سوال4: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تربیت کیسے کی؟

جواب:﴿1﴾ اتنا بڑا حادثہ ہے لیکن تمہیں دشمنی کو ختم کر دینا چاہیے، غصہ ختم کر دینا چاہیے تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں، تم ٹھنڈے دل سے سوچو اور یقین رکھو اللہ تعالیٰ نگران ہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے غصے سے اطمینان کی طرف لا کر، سنجیدگی کی طرف لا کر، نرمی کی طرف لا کر ضبطِ نفس کی تربیت کی ہے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے ضبطِ نفس کے ذریعے سے دلوں کو رواداری کی طرف موڑا ہے۔﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے اس رواداری کے ذریعے عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے

آ گے تسلی دلائی ہے کہ تمہاری طرف بڑھنے والے ہاتھوں کو میں روک رہا ہوں۔《6》یوں مومن اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر کاربند ہو جاتا ہے۔

سوال5:وَاتَّقُوا اللّٰہَ ’’ اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے اپنا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اس سے ثواب کی امید پر اطاعت کے کام کرواتا ہے۔اس کے عذابوں کے خوف اور نواہی سے اجتناب کرواتا ہے۔《2》رب العزت کا فرمان ہے:وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، وہ اُس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔(الطلاق:2)《3》وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا، وہ اُس کے کام میں اس کے لیے آسانی پیدا کردے گا۔(الطلاق:4)

سوال6:وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ’’ پس لازم ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ پر توکل کریں‘‘ وضاحت کریں؟

جواب:《1》مومنوں کو اپنے دینی اور دنیاوی معاملات میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے۔جو لوگ اپنی تدبیروں، اپنی قوت اور اپنے وسائل پر بھروسہ کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں کر سکتے۔《2》ہر کسی کا توکل اس کے ایمان کے مطابق ہوتا ہے اور یہ دل کی عبادات میں سے ہے جن پر سب کا اتفاق ہے۔《3》رب العزت کا فرمان ہے:وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہی اُس کو کافی ہے۔(الطلاق:3)

رکوع نمبر7

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ(12)

اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ کو سردار مقرر کیا اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں بلاشبہ تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کو قوت دی اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیا تو میں ضرور بہ ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کردوں گا اور تمہیں ضرور بہ ضرور جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔چنانچہ اس کے بعد بھی تم میں سے جس نے کفر کیا تو یقیناً وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔(12)

سوال1:وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ’’ اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا‘‘ کی وضاحت

کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے مضبوط عہد لیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اخلاص اور اس کی اطاعت کو لازم پکڑنے کا۔(تفسیر ماوردی:19/2)《2》اسرائیلیوں سے بیعت کے ذریعے یہ عہد لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور کتاب مقدس کی باتیں سنیں انہیں مانیں اور ان کی ہدایت پر عمل کریں۔(مختصر ابن کثیر:420/1)

سوال2: وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ’’اور ہم نے ان میں سے بارہ کو سردار مقرر کیا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں پر بارہ سردار مقرر کیے تھے۔

سوال3: بنی اسرائیل کے بارہ سرداروں کے کیا فرائض تھے؟

جواب:《1》بنی اسرائیل کے معاملات کی دیکھ بھال کرنا۔《2》جن باتوں کا بنی اسرائیل کو حکم دیا جاتا تھا ان پر عمل کرنے کے لیے ترغیب دلاتے تھے۔

سوال4: بنی اسرائیل کے بارہ سرداروں کا انتخاب کیسے اور کس دور میں عمل میں آیا؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب موسیٰ علیہ السلام جبابرہ سے جنگ کی مہم پر تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا تھا کہ قبیلہ کا ایک ایک نمائندہ چن لیں چنانچہ انہوں نے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں سے ایک ایک نمائندہ چن لیا۔(مختصر ابن کثیر:420/1)

سوال5: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اس کی شرائط کیا تھیں؟

جواب:《1》اقامت صلوٰۃ《2》ادائیگی زکوٰۃ《3》آئندہ آنے والے رسولوں پر ایمان《4》آئندہ آنے والے رسولوں کی تائید۔《5》اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی جہاد فی سبیل اللہ اور دیگر دینی اجتماعی مقاصد کے لئے خرچ (انفاق)۔

سوال6: وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ’’اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں بلاشبہ تمہارے ساتھ ہوں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی میری حفاظت، مدد اور میری نگرانی تمہارے ساتھ ہے۔《2》اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ ذمہ داری کے بوجھ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔《3》یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر ان پانچ شرائط کو پورا کرو گے تو میں (اللہ تعالیٰ) آپ کے ساتھ ہوں، آپ کا حامی ہوں، آپ کا ضامن ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کا ساتھی ہو تو کسی مخالفت کی کوئی حقیقت نہ ہوگی نہ مخالفت کا کوئی اثر ہوگا۔

سوال7: لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ ’’اگر تم نے نماز قائم کی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یہ ان امور میں سے پہلا امر ہے جن پر عہد لیا گیا تھا۔《2》میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کو اس کے ظاہری

اور باطنی لوازم کے ساتھ قائم کرو گے اور پھر اس پر دوام اختیار کرو گے۔(تفسیر سعدی:664/1)

سوال8: وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ ''اور زکوٰۃ ادا کی'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز اور زکوٰۃ کے پابند رہے یہ دوسرا امر ہے جس کا عہد لیا گیا تھا۔

سوال9: وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ ''اور میرے رسولوں پر ایمان لائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی میرے تمام انبیاء کی رسالت کی تصدیق کرو گے اور ان میں سب سے افضل محمد ﷺ ہیں۔ یہ تیسرا امر ہے جس پر عہد لیا گیا تھا۔

سوال10: وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ ''اور ان کو قوت دی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اگر تم انبیاء کی تعظیم اور ان کی اطاعت اور ان کا احترام کرو گے جو تم پر واجب ہے۔ یہ چوتھا امر ہے جس پر عہد لیا گیا تھا۔(تفسیر سعدی:664/1)

سوال11: وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ''اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی قرض حسنہ واجب زکوٰۃ سے زیادہ اور عام صدقہ ہے جو کہ ایمان اور اعمال صالح کے ساتھ، تزکیہ نفس کے لیے ہے۔ (ایسر التفاسیر:330) ﴿2﴾ یعنی صدقہ دو گے اور بھلائی کرو گے جس کا مصدر صدق واخلاص اور کسب حلال ہو۔ (تفسیر سعدی:665/1) یہ پانچواں امر ہے جس پر عہد لیا گیا تھا۔

سوال12: اللہ تعالیٰ جس قوم کا ساتھ دیتا ہے اس سے کیا وعدے کرتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ جس قوم کا ساتھ دیتا ہے اس سے وعدہ کرتا ہے کہ ﴿1﴾ میں تمہاری برائیاں دور کر دوں گا۔ ﴿2﴾ تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جس کے نیچے چشمے بہتے ہوں گے۔

سوال13: اللہ تعالیٰ کی حمایت کے انسان کو کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ انسان ہدایت کے راستے پر رہتا ہے۔ ﴿2﴾ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کی وجہ سے کبھی راستہ نہیں بھولتا۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ جس کا ساتھی ہو وہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ﴿4﴾ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو نہ وہ نامراد ہوگا نہ پریشان۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کی حمایت کی وجہ سے انسان مطمئن ہو جاتا ہے۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ جس کا ساتھ دے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

سوال14: لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ''تو میں ضرور بہ ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کر دوں گا اور تمہیں ضرور بہ ضرور جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت میں اپنے محبوب اعمال، نعمتوں کے حصول، گناہوں کی تکفیر اور اس پر مترتب ہونے

والی سزا کودور کر کے ناپسندیدہ امور کے دور ہٹنے کو یکجا بیان فرمایا ہے۔(تفسیر سعدی:665/1)﴿2﴾لَّاُكَفِّرَنَّ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ تمہارے نفوس سے برائیوں کے آثار کودور کروں گا یہاں تک کہ وہ پاک صاف ہوجائیں۔﴿3﴾سیئات سے مراد لغزشیں اور کوتاہیاں ہیں۔اگر دین کی بنیادی باتوں کا اہتمام کیا جائے تو چھوٹی موٹی غلطیاں اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں۔﴿4﴾وَ لَاُدۡخِلَنَّكُمۡ ''اور تمہیں ضرور بہ ضرور داخل کروں گا''اس تطہیر کے بعد میں تمہیں داخل کروں گا۔﴿5﴾جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا ''جنتوں میں جن کے نیچے سے بہتی ہیں''یعنی اس کے درختوں اور اس کے محلات کے نیچے سے۔﴿6﴾الۡاَنۡهٰرُ ''نہریں''یہ عہد کو پورا کرنے کی جزا ہے۔(ایسر التفاسیر:330)

سوال15:فَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ ''چنانچہ اس کے بعد بھی تم میں سے جس نے کفر کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:جو اس میثاق کے بعد کفر کا رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک جاتا ہے۔

سوال16:فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ''تو یقیناً وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾جو عہد شکنی کرتا ہے اور جان بوجھ کر سیدھے راستے کو چھوڑتا ہے تو وہ گمراہی کا مستحق ہو گیا۔﴿2﴾سَوَآءَ السَّبِيۡلِ سے مراد وہ راستہ ہے جو متوازن،معتدل اور افراط وتفریط سے پاک ہو کیونکہ یہ راہ اس علیم وحکیم ہستی کی بتائی ہوئی ہے جو تمام حقائق سے باخبر اور واقف ہے اور سب انسان اس کی نظروں میں یکساں ہیں یہ کسی انسان کی بتائی ہوئی راہ نہیں،جس پر اس کے اپنے جذبات،وطن اور قوم کی محبت یا دوسرے معاشی اور معاشرتی عوامل اثر انداز ہوجاتے ہیں۔(تیسیر القرآن:514)

فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ لَعَنّٰهُمۡ وَجَعَلۡنَا قُلُوۡبَهُمۡ قٰسِيَةً ‌ۚ يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ‌ ۙ وَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ‌ ۚ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنۡهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ‌ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاصۡفَحۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (13)

چنانچہ ان کے اپنا معاہدہ توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل دیتے ہیں اور جو نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کے ایک حصے کو وہ بھلا بیٹھے ہیں ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا،اور آپ ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت سے آگاہ ہوتے رہیں گے،چنانچہ آپ ان کو معاف کردیں اور ان سے درگزر کریں یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔(13)

سوال1:فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ ''ان کے اپنا معاہدہ توڑنے کی وجہ سے''عہد شکنی دینی بگاڑ میں کیسے بدل جاتی ہے؟

جواب:﴿1﴾خودساختہ تشریحات سے دین کا تصور بدل دیا جاتا ہے(نماز،روزہ کرلو جنت میں چلے جاؤ گے)۔﴿2﴾عبادت کے نام پر غیر متعلقہ بحثیں شروع ہوجاتی ہیں(شب برات کے نوافل،شب معراج)۔﴿3﴾نجات کے ایسے راستے تلاش کر

لیے جاتے ہیں جو بندوں کے حقوق ادا کیے بغیر انسان کو منزل تک پہنچادیں۔

سوال2: لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ہم نے ان پرلعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کردیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾لَعَنّٰهُمْ ''ہم نے ان پرلعنت کی''اسی وجہ سے انہیں نہ شوق ترغیب دے سکتا ہے نہ خوف ان کو بے قرار کرسکتا ہے۔﴿2﴾وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً''اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کردیا''انسان کے لیے سب سے بڑی سزا یہی ہے کہ اس کے دل پر ہر آیت بھی برا اثر ڈالے۔

سوال3: یہود کی عہد شکنی کی سزا کیا تھی؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور پھینک دیے گئے۔﴿2﴾ان کے دل سخت کردیئے گئے۔

سوال4: لعنت کے کیا دنیوی نتائج سامنے آئے؟

جواب:﴿1﴾لعنت کی وجہ سے ان کے دل سخت کردیئے گئے۔﴿2﴾دل کی سختی کی وجہ سے دل اثر قبول کرنے سے محروم ہوگئے۔﴿3﴾لعنت کی وجہ سے انبیاء کی نصیحت ان کے لیے بے کار ہوگئی۔

سوال5: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کے کسی پر کیا اثرات پڑتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾اس کے اندر سے اللہ تعالیٰ کی خشیت ختم ہوجاتی ہے جو دل کی زندگی کی ضمانت ہے۔﴿2﴾دل پتھر ہوکر توبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں۔

سوال6: قساوت قلبی (دل کی سختی) کے کیا اثرات انسان پر مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: جن کے دل سخت ہوجاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کے لئے الفاظ اور کلمات کی تعریف کرتے ہیں۔﴿1﴾ کتاب میں اضافہ کردیتے ہیں۔﴿2﴾ کتاب کی آیات کا مفہوم بدل دیتے ہیں۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بھلا دیتے ہیں۔﴿4﴾معاشرے سے اسلامی شریعت کو موقوف کردیتے ہیں۔﴿5﴾اپنی زندگی میں شریعت پر عمل کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

سوال7: يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ''وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل دیتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾وہ کلام الٰہی کو بدل دیتے ہیں، اس کے معنی کو بدل دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مراد نہیں۔ انہوں نے اللہ کی مراد کے خلاف اس کے کلام کی تفسیر کی۔﴿2﴾ کلام میں تحریف دو طرح کی ہوتی ہے: ایک الفاظ میں کمی یا زیادتی کر کے تحریف کی جاتی ہے دوسرے معانی بدل کر کچھ سے کچھ بنادیئے جاتے ہیں۔(تفسیر منیر:475/3)

سوال8: تحریف کا سبب کیا ہوتا ہے؟

جواب: تحریف کا سبب عقل وفہم میں کجی ہوتی ہے۔

سوال9: وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ''اور جو نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کے ایک حصے کو وہ بھلا بیٹھے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: انہیں تورات اور ان تعلیمات کے ذریعے سے نصیحت کی گئی جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھیں، مگر انہوں نے ان کو فراموش کر دیا، یہ اس بات کو بھی شامل ہے کہ انہوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے علم کو فراموش کر دیا، بنا بریں علم ان سے ضائع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ بہت سا علم ناپید ہو گیا۔ یہ آیت کریمہ نسیان عمل کو بھی شامل ہے جو ترک عمل کا نتیجہ ہے، پس جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا تھا اس پر عمل کرنے کی ان کو توفیق نہ ہوئی۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے بعض ان امور کا انکار کیا جن کا ذکر ان کی کتابوں میں ہے، یا ان کے زمانے میں واقع ہوئے، یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن کو انہوں نے فراموش کیا۔ جس امر کی انہیں یاد دہانی کروائی گئی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو حظ، حصہ اور نصیبہ کے نام سے اس لیے موسوم کیا ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا حظ ہے اس کے علاوہ دیگر تمام حظوظ دنیاوی حظوظ ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ پس وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی زینت میں نکلا۔ جو لوگ دنیا کی زندگی کا ارادہ رکھتے تھے انہوں نے کہا: ''اے کاش ہمارے لیے بھی اسی جیسا سب کچھ ہوتا جو قارون کو دیا گیا بلاشبہ وہ تو یقیناً بڑی قسمت والا ہے۔'' (القصص:79) وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ اور اس کی توفیق نہیں دی جاتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کریں اور اس کی توفیق نہیں دی جاتی مگر اس کو جو بڑے نصیب والا ہے۔ (حم السجدہ:35) (تفسیر سعدی:665,666/1)

سوال10: اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بھول جانا کیسے ممکن ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ تحریف سے ﴿2﴾ کتمان (چھپانے سے)

سوال11: وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ ''اور آپ ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت سے آگاہ ہوتے رہیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہود دائمی خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور بندوں کے ساتھ سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ انہوں نے حق کو چھپایا اور انہیں کفر پر باقی رکھا۔

سوال12: خیانت کاری سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ نیت میں فتور ﴿2﴾ مکارانہ باتیں ﴿3﴾ نظروں کی خیانت ﴿4﴾ ہر طرح کی خیانت

سوال13: اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ''ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہود کا وہ گروہ ہے جو عہد شکنی اور خیانت کاری سے بچا رہا۔

سوال14: فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ''چنانچہ آپ ان کو معاف کردیں اور ان سے درگزر کریں'' عفو سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ عفو سے مراد دل سے معاف کرنا نہیں بلکہ درگزر کرنا ہے۔ ﴿2﴾ فَاعْفُ عَنْهُمْ: انہیں قتل کے لیے نہ پکڑو۔ (ایسر التفاسیر) ﴿3﴾ ان کی طرف سے جو تکلیف پہنچتی ہے معاف کرسکتے ہو تو معاف کرو۔ ﴿4﴾ وَاصْفَحْ: ان کے مکروہ کاموں پر نفرت سے نہ پکڑو، ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو۔ ﴿5﴾ صفح سے مراد نظر انداز کرنا، مہلت دینا۔

سوال15: معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم کس دور کے لیے تھا؟

جواب: معافی اور درگزر کا حکم اس دور کے لیے تھا جب لڑنے کی اجازت نہیں تھی۔

سوال16: کیا عفو و درگزر کا حکم منسوخ ہو چکا ہے؟

جواب: عفو و درگزر کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔ حالات کے مطابق اس پر عمل ہوسکتا ہے۔

سوال17: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ''یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: احسان کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ ﴿1﴾ احسان کی دو قسمیں ہیں ایک خالق کے حق میں اور دوسرے مخلوق کے لیے۔ ﴿2﴾ خالق کے لیے نبی ﷺ کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ تم اسے دیکھتے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھتا ہے۔ مخلوق کے حق میں احسان یہ ہے کہ انہیں دینی اور دنیاوی فائدہ پہنچایا جائے۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (14)

اور ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا تھا جنہوں نے کہا کہ ہم عیسائی ہیں، پھر جو نصیحت اُنہیں کی گئی تھی اس کا ایک حصہ وہ بھول گئے تو ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان بغض و عداوت بھڑکا دی ہے۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ اُنہیں خبر دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔ (14)

سوال1: وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ ''اور ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا تھا جنہوں نے کہا کہ ہم عیسائی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وَمِنَ الَّذِينَ ''اور ہم نے ان لوگوں سے'' یعنی عیسائیوں سے بھی ہم نے اسی طرح عہد لیا جیسے ہم نے یہود سے لیا۔ ﴿2﴾ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ''جنہوں نے کہا کہ ہم عیسائی ہیں'' یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار ہیں۔ ﴿3﴾ نَصَارَىٰ: یعنی انہوں نے عیسائیت میں بدعت اختیار کی وہ نہ عیسائی ہیں نہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار۔ ''نصاریٰ'' یعنی مددگار ہونے

کا دعویٰ کرتے تھے لیکن عملاً انھوں نے فرقہ ورانہ جنگوں میں خون بہایا، سربراہی کے حصول کے لیے اور سیاسی مقاصد کے لیے خون بہایا، انہوں نے اختلافات کو گہرا کیا، عقیدۂ توحید چھوڑا اور گمراہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آئینہ دکھایا کہ کیا مددگاری یہی ہوتی ہے؟ کیا معاہدہ خونریزی یا اختلافات کے لیے تھا یا انسانوں کو جوڑنے کے لیے تھا۔﴿4﴾ اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ ''ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا تھا'' ہم نے ان سے محمد ﷺ کی پیروی پر اور ان کی مدد پر عہد لیا تھا۔

سوال2: فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ''پھر جو نصیحت اُنہیں کی گئی تھی اس کا ایک حصہ وہ بھول گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''پھر جو نصیحت اُنہیں کی گئی تھی اس کا ایک حصہ وہ بھول گئے'' اللہ تعالیٰ نے انہیں آخری نبی محمد ﷺ کی پیروی کرنے اور ان کی مدد کرنے کی نصیحت کی تھی جسے وہ بھول گئے۔ وہ علمی طور پر بھی اسے بھول گئے اور عملی طور پر بھی بھول گئے۔ ﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے وہ حصہ چھوڑ دیا جس کا ان کی کتاب میں انہیں حکم دیا گیا تھا یعنی محمد ﷺ کی اتباع اور ان پر ایمان لانے کے بارے میں۔ (تفسیر الوسیط: 167/1)

سوال3: فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ''تو ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان بغض و عداوت بھڑکا دی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ عیسائیوں نے بھی یہودیوں کی طرح عہد توڑ ڈالا اور انجیل پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ان میں بغض ڈال دیا۔ ﴿2﴾ قیامت تک ان کے فرقے ایک دوسرے کو کافر کہتے رہیں گے۔ ہر فرقہ ایک دوسرے کو برا کہتا رہے گا اور اپنے عبادت خانے میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ ﴿3﴾ یہ حقیقت ہے جو ساری دنیا کے سامنے ہے۔ ان کا شر، فساد، کینہ، بغض، ایک دوسرے کی مخالفت اور عداوت قیامت تک جاری رہے گی۔ ﴿4﴾ عیسائیوں کے درمیان بغض و عداوت اور فرقہ بندی اللہ تعالیٰ کی خصوصی تدبیر ہے۔

سوال4: عیسائیوں کی عہد شکنی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بھلا دینے کا کیا نتیجہ نکلا؟

جواب: بغض، عداوت، اختلافات، تفرقے بازی، خونریزی اور جنگیں۔

سوال5: وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ''اور عنقریب اللہ تعالیٰ اُنہیں خبر دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ انہیں خبر دے گا یعنی ان کے کیے کی انہیں سزا دے گا۔ یہ سخت وعید ہے کہ انہوں نے جو اللہ تعالیٰ کی بیوی اور اولاد بنا کر رب العالمین کی طرف جھوٹی نسبت کی جب کہ وہ واحد ہے، بے نیاز ہے، نہ اس کے ماں باپ ہیں نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ وہ اس کی سزا ضرور پائیں گے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (15)

اے اہلِ کتاب! یقیناً ہمارا رسول تمہارے پاس آیا ہے، جو کتابِ الٰہی میں سے بہت سی چیزیں تمہارے سامنے کھول کر بیان کرتا ہے اس میں سے جنہیں تم چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر بھی کر جاتا ہے، یقیناً تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آئی ہے۔(15)

سوال1:اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب:ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہود کے پاس رجم کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے آئے اور ان سے پوچھا کہ تم میں سے سب سے بڑا عالم کون ہے؟ سب نے ابن صوریا کی طرف اشارہ کیا، آپ ﷺ نے اس کو اس ذات کی قسم دے کر (زنا کی سزا کے حوالے سے) پوچھا جس نے تورات کو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا اور کوہ طور کو ان پر اٹھایا اور ان سے تمام عہد لیے، تو وہ کہنے لگا جب زنا ہم میں زیادہ ہوتا ہے تو سو کوڑے مارتے ہیں اور سر مونڈ دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے رجم کا فیصلہ کیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اے اہلِ کتاب! یقیناً ہمارا رسول تمہارے پاس آیا ہے۔ الخ (لباب النقول)

سوال2:يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا ’’اے اہلِ کتاب! یقیناً ہمارا رسول تمہارے پاس آیا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ: اے یہود و نصاریٰ۔ ﴿2﴾ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا: ہمارے رسول، خاتم الانبیاء محمد ﷺ دین حق لے کر آ گئے ہیں۔

سوال3:يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ ’’جو کتابِ الٰہی میں سے بہت سی چیزیں تمہارے سامنے کھول کر بیان کرتا ہے اس میں سے جنہیں تم چھپاتے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ يُبَيِّنُ لَكُمْ ’’تمہارے سامنے کھول کر بیان کرتا ہے‘‘ یعنی نبی ﷺ آپ کے سامنے وہ چیزیں بیان کرتے ہیں مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ جو آپ اپنی کتاب میں سے لوگوں سے چھپاتے ہیں۔ جب کہ علم حاصل کرنے والوں کے لیے ان کے سوا علم حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے حقائق کھول کر بیان کر رہے تھے کہ آپ ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی کھلی دلیل ہے۔ ﴿2﴾ مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ ’’اس کتابِ الٰہی میں سے جنہیں تم چھپاتے تھے‘‘ ان کی کتابوں میں یعنی تورات اور انجیل میں محمد ﷺ

کی صفات اور بشارتیں موجود تھیں جسے وہ چھپاتے تھے۔۔آیت رجم،قصہ اصحاب السبت جن کو بندروں اورسوروں کی شکل دے دی گئی تھی۔

سوال4: وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ’’اور بہت سی باتوں سے درگزربھی کرجاتا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی نبی ﷺ بہت سی باتوں سے درگزربھی کرجاتے ہیں جن کا بیان کرنا حکمت کے خلاف تھا۔آپ ﷺ ان باتوں کو بیان نہیں کرتے تھے۔﴿2﴾ آپ ﷺ جو بیان کرتے تھے وہ نبی ﷺ کی نبوت پر دلیل تھی اور آپ کی صداقت پر گواہی تھی۔(تفسیر واضح المیسر :250)

سوال5: قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ ’’یقیناً تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشنی اورواضح کتاب آئی ہے‘‘ قرآن نور ہے،روشنی ہے وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس نور سے مراد قرآن حکیم ہے جس سے جہالت کی تاریکیوں اور گمراہی کے اندھیروں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے۔(تفسیر سعدی:668/1)﴿2﴾ قرآن مجید نور ہے جوشک اورشرک کے اندھیروں کو زائل کرتا ہے۔﴿3﴾ كِتَٰبٌ مُّبِينٌ: ’’روشن کتاب‘‘ مخلوق اپنے دین اور دنیا میں جن امور کی محتاج ہے اس کتاب نے ان کوواضح کردیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسما وصفات اورافعال کا علم،احکام شرعی اوراحکام جزائی کا علم۔پھراللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکرفرمایا کہ کون ہے جواس قرآن سے رہنمائی حاصل کرتا ہے اورکون سا سبب ہے جو بندہ اس رہنمائی کے حصول کے لیے اختیار کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:668/1)﴿4﴾ مبین سے مراد قرآن حکیم ہے جورسول کریم ﷺ پراتاراگیا۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی اورتفصیل سے مسائل بیان کرنے والی کتاب ہے(مختصر ابن کثیر:422/1)

سوال6: قرآن حکیم کے نور سے مومن کی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

﴿1﴾ قرآن حکیم کی روشنی کو مسلمان اپنے دل،اپنے نقطہ نظر،اپنی اقدار،اپنی پوری زندگی اوراپنے معاشرے کے افراد میں اچھی طرح محسوس کرتا ہے۔﴿2﴾ قرآن کی روشنی سے مومن کی شخصیت روشن ہوتی ہے۔﴿3﴾ وہ شک سے یقین کی طرف آجاتا ہے۔﴿4﴾ اس کا راستہ،واضح،سیدھا اور روشن ہوجاتا ہے۔﴿5﴾ اس کا مقصد متعین ہوجاتا ہے۔﴿6﴾ اس کا نفس اس راستے پر مطمئن ہوجاتا ہے۔

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (16)

اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس کو سلامتی کے راستے کی ہدایت دیتا ہے جواس کی رضا کے پیچھے چلا،اوروہ اپنے حکم سے

اُنہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور انہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔(16)

سوال1: یَّھۡدِیۡ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ ''اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس کو سلامتی کے راستے کی ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا کے پیچھے چلا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یَّھۡدِیۡ بِہِ اللّٰہُ ''اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیتا ہے'' اس کتاب یعنی قرآن مجید کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے۔﴿2﴾ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَہٗ ''جو اس کی رضا کے پیچھے چلا'' اللہ تعالیٰ ان لوگوں ہدایت عطا کرتا ہے جو اس کی رضا کے لیے سلامتی کے راستے تلاش کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں یعنی جو قرآن وسنت کا علم حاصل کر کے ان کی پیروی کرتے ہیں۔﴿3﴾ سُبُلَ السَّلٰمِ سلامتی کے راستے جو عذاب سے بچا کر سلامتی کے گھر تک پہنچا دیتے ہیں۔﴿4﴾ سلامتی کے راستے سے مراد سعادت اور کمال کے راستے ہیں۔(ایسر التفاسیر:333) سُبُلَ السَّلٰمِ پوری سلامتی، مادی وروحانی، ہر حیثیت سے مکمل جنت ہی میں جا کر نصیب ہو سکتی ہے، اس کے راستے یعنی جنت میں جانے کے طریقے صحیح عقائد اور صحیح اعمال ہیں۔ (تفسیر سعدی:669/1)﴿5﴾ سلامتی کے راستوں سے مراد حق کا علم اور اس پر عمل کرنا ہے یہ علم اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور محمد ﷺ کی سنت کا علم ہے جس کا ذریعہ حدیث نبوی ﷺ ہے۔

سوال2: اسلام سلامتی کا راستہ ہے، وضاحت کریں؟

جواب: اسلام ایک فرد کے لئے جو طریقہ زندگی دیتا ہے وہ سلامتی کا راستہ ہے۔اس میں ضمیر کی، عقل کی، گھر، خاندان، معاشرے اور پوری انسانیت کی سلامتی ہے حقیقتاً اسلام کے ساتھ ہی زندگی کی سلامتی ہے۔اسلام ہی انسانیت کے لئے سلامتی کا ضامن ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ دین کی طرف کس کی رہنمائی کرتے ہیں؟

جواب: جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہو۔اللہ تعالیٰ کی مرضی یعنی اسلام میں ہی سلامتی کے راستے ہیں۔

سوال4: وَیُخۡرِجُھُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِہٖ ''اور وہ اپنے حکم سے اُنہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ انہیں اندھیروں سے یعنی کفر، شرک، شک، بدعات، جہالت، معصیت، غفلت، خواہش پرستی اور گناہوں کے اندھیروں سے نکالتا ہے۔ اِلَی النُّوۡرِ روشنی کی طرف یعنی صحیح ایمان اور صحیح عبادت کی طرف۔﴿2﴾ ایمان، سنت، اطاعت، علم اور ذکر الٰہی کی روشنی۔ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے راہ ہدایت ہیں۔(تفسیر سعدی:669/1)

سوال5: وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ''انہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ ایسے راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جو دین کے صحیح مقاصد تک پہنچا دیتا ہے اور دنیا وآخرت کی بھلائیوں تک پہنچا تا ہے۔(تفسیر منیر:484/3)《2》اس کے ساتھ وہ گمراہ نہیں ہوتے اور نہ کبھی بدبخت ہوتے ہیں وہ دین حق اسلام ہے جس کے بغیر کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا جسے اس دین کی ہدایت نہیں ملتی اس کے لیے اسے چھوڑنے پر کوئی سعادت اور کمال نہیں۔(ایسر التفاسیر:333)《3》سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری اور تمہاری مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے آگ جلائی تو پتنگے اور پروانے اس میں گرنے لگے اور وہ ان کو اس آگ سے دور ہٹا تا رہے۔ میں بھی تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ پکڑ کر تمہیں جہنم کی آگ سے بچا رہا ہوں لیکن تم میرے ہاتھوں سے چھوٹے جاتے (اور نارِ جہنم میں گرتے جاتے) ہو۔(صحیح مسلم:5958)

سوال6: اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرتے ہیں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے لیے کام کرنے والوں کو سیدھا راستہ دکھا تا ہے۔《2》اللہ تعالیٰ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔《3》اللہ تعالیٰ انہیں سلامتی کے راستے دکھاتا ہے۔

سوال7: اہل کتاب نے اپنے دین میں کس قسم کی غلطیاں کیں؟

جواب: دو قسم کی غلطیاں کیں《1》کچھ تعلیمات کو تاویل اور تحریف سے دین سے خارج کر دیا۔ مثلاً کتاب میں تبدیلی کر کے انہوں نے یہ گھڑ لیا کہ اب انہیں نجات کے لیے کسی اور پیغمبر کی ماننے کی ضرورت نہیں۔《2》دین کے نام پر اپنے اوپر ایسی پابندیاں لگائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نہیں ڈالی تھیں مثلاً قربانی کی ادائیگی کے جزوی مسائل جو انبیاء نے نہیں بتائے تھے ان کے علماء نے خود سے گھڑ لیے تھا۔

سوال8: مسلمان اپنے دین میں کون سی بنیادی غلطیاں کر رہے ہیں؟

جواب:《1》آخرت کی نجات کے لیے قرآن وسنت سے راہ نمائی لینا اپنی نجات کے لیے ضروری خیال نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ عوام الناس قرآن وسنت کا علم حاصل نہیں کرتے۔《2》دین کے نام پر خود ساختہ پابندیاں مثلاً جمعرات کے کھانے، مرگ کے موقع پر سوئم چہلم کے کھانے، جمعراتیں، ساس سسر کی وفات پر سسرال والوں کے سوٹ، بیٹی کے لیے خصوصی رقم لے جانا، کونڈے، شب برات کے حلوے بانٹنا اور عید میلاد النبی ﷺ وغیرہ۔

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ‌ؕ قُلۡ فَمَنۡ يَّمۡلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـئًـا اِنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّهۡلِكَ الۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا‌ؕ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا‌ؕ يَخۡلُقُ مَا

يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ (17)

بلاشبہ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ یقیناً مسیح ابنِ مریم ہی اللہ تعالیٰ ہے، آپ کہہ دو پھر کون اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہے اگر وہ مسیح ابنِ مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو بھی زمین میں ہیں سب کو ہلاک کر دے، آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔(17)

سوال1: لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ ’’ بلاشبہ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ یقیناً مسیح ابنِ مریم ہی اللہ تعالیٰ ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے کفر کی خبر دی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی مسیح ابن مریم علیہ السلام کو الٰہ بنالیا حالانکہ وہ اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے۔اس کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے، وہی ہر چیز کا مالک ہے، وہی قادر ہے، وہی تصرف رکھتا ہے، ہر چیز پر وہی غالب ہے۔《2》عیسائیوں سے پہلے یہ بات کسی نے نہیں کہی۔

سوال2: نصاریٰ کو الوہیت مسیح علیہ السلام کا شبہ کیوں ہوا؟

جواب: نصاریٰ کے شبہ کا سبب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام بغیر والد کے پیدا ہوئے۔حالانکہ سیدہ حوا علیہا السلام کو بغیر ماں کے اور سیدنا آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا گیا اس لحاظ سے تو وہ الوہیت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔کیا انہوں نے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کی الوہیت کا بھی دعویٰ کیا ہے؟ یہ دلیل ہے کہ الوہیت مسیح کا دعویٰ بے دلیل ہے اور محض خواہش نفس کی بنیاد پر ہے۔

سوال3: عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم علیہا السلام کو خدا کیسے بنالیا؟

جواب:《1》عیسائیوں کے اندر اچانک الوہیت مسیح کا عقیدہ پیدا نہیں ہوا، آہستہ آہستہ عیسائیوں کی مذہبی مجالس نے ان کو دین میں داخل کیا۔《2》سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے اُٹھائے جانے کے بعد بھی کچھ عرصہ ان کے شاگردوں اور پیروکاروں میں عقیدہ توحید رائج رہا۔سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کے بارے میں جو اناجیل لکھی گئیں ان میں سے ایک اہم انجیل برناباس ہے جو یہ بتاتی ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔《3》اس کے بعد ان کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے مگر مخلوق نہ تھے۔《4》ان اختلافات کو ختم کرنے کے لئے 325ء میں نیقیا کے مقام پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں 48 ہزار مذہبی لیڈر شامل ہوئے

اس مجلس میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کو تسلیم کرلیا گیا۔﴿5﴾اس کے بعد روح القدس کے بارے میں اختلافات شروع ہوئے کہ وہ بھی اِلٰہ تھے۔قسطنطنیہ کی پہلی مجلس 381ء میں منعقد ہوئی تاکہ اختلافات کو ختم کردے اس مجلس میں اسکندریہ اسقف کے مقابلہ پر تھا اور یہ ثابت کیا کہ روح القدس الٰہ کے سوا کچھ نہیں۔اس مجلس میں باپ، بیٹے اور روح القدس کی تثلیث قائم ہوگئی۔﴿6﴾اس کے بعد ان کے درمیان یہ اختلافات ہوئے پھر افسوس! شہر میں 413ء میں ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں سیدنا مریم علیہا السلام کو اِلٰہ کی والدہ کا درجہ دیا گیا موجودہ مسیحیت کا بانی پال ہے۔اس غلط عقیدے کی وجہ سے فسادات ہوئے، عداوتیں ہوئیں اور فرقے وجود میں آئے جو ابھی تک موجود ہیں۔

سوال4: اہل کتاب کو قرآن حکیم صحیح عقیدے کی تلقین کیسے کرتا ہے؟

جواب:﴿1﴾وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں اللہ مسیح ابن مریم علیہ السلام ہیں۔﴿2﴾وہ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تینوں کا ایک ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ کی قوت ہے وہ مسیح ابن مریم اور اس کی ماں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ اسے اس کے ارادے سے باز رکھ سکے؟﴿4﴾اللہ تعالیٰ کی مشیت بے قید ہے کوئی اس کے حکم کو رد نہیں کرسکتا۔﴿5﴾اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔﴿6﴾اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے۔﴿7﴾الوہیت اور حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

سوال5: قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا'' آپ کہہ دو پھر کون اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہے اگر وہ مسیح ابنِ مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو بھی زمین میں ہیں سب کو ہلاک کر دے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور ان کی والدہ کی الوہیت کو باطل قرار دینے کے لیے پہلی دلیل یہ دی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام اور ان کی والدہ کو ہلاک کرنا چاہے تو وہ اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانے اور چھڑانے کے لیے کچھ نہیں کرسکتے۔

سوال6: وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا'' آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا مالک ہے، بادشاہ ہے۔وہ جیسے چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے۔کیا مملوک اور مالک دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ کیا محتاج بندہ اِلٰہ ہوسکتا ہے؟ یہ الوہیتِ مسیح کے باطل ہونے کی دوسری دلیل ہے۔

سوال7: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی مکمل ملکیت کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت کا شعور اس لئے دلایا ہے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے باطل عقیدے کو رد کیا جاسکے۔

سوال8: کیا تمام عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہیں؟

جواب: پہلے تو صرف فرقہ یعقوبیہ کا یہ عقیدہ تھا۔ اب تقریباً تمام عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے کسی نہ کسی اعتبار سے قائل ہو چکے ہیں۔

سوال9: اللہ تعالیٰ نے الوہیت مسیح کے رد کے لیے اپنی کون سی صفات بیان کی ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے الوہیت مسیح کے رد کے لئے اپنی صفت ملکیت، اپنی تخلیق اور اپنی قدرت کا شعور دلایا ہے۔

سوال10: یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ''وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ خالق ہے جو چاہے پیدا کرسکتا ہے چاہے تو ماں باپ کے ذریعے چاہے تو بن ماں کے یا بن باپ کے۔ کیا خالق اور مخلوق دونوں الوہیت میں برابر ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا اور عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کا مخلوق ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ ان دونوں کی الوہیت کا دعویٰ باطل ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے کسی چیز کو ایجاد کرنے پر بھی اور اسے ختم کرنے پر بھی اس کے سامنے مخلوق کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ بھی اللہ تعالیٰ کے تصرف اور اختیار میں ہیں پھر وہ الٰہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ ﴿3﴾ بندگی صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی جو پیدائش اور موت پر قادر ہے جو پیدائش اور موت پر قادر نہیں وہ بندگی کروانے کا حق نہیں رکھتا۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؗ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ (18)

اور یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، آپ کہہ دیں پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم بھی انسان ہو ان میں سے جو اس نے پیدا کیے، وہ (اللہ) جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور ان کے درمیان کی بادشاہت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (18)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نعمان بن قصی، بحر بن عمرو اور شاس بن عدی آئے، سب نے آپ سے گفتگو کی اور آپ نے ان سے گفتگو کی اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور اس کے عذاب سے ڈرایا۔ تو وہ کہنے لگے ہم نہیں ڈرتے اور نصاریٰ کی طرح کرنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم! ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے

محبوب ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی یہود اور نصاریٰ دعوے کرتے ہیں الخ۔(تفسیر ابن عباس:336/1)

سوال2: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ’’اور یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یہودیوں کی لغت میں بیٹے سے مراد محبوب ہے وہ اس سے حقیقی بیٹا ہونا مراد نہیں لیتے۔(تفسیر سعدی:670/1)
《2》یہودی اللہ تعالیٰ کے انعامات اور نصرت کی وجہ سے سمجھتے تھے کہ ہم اس کے محبوب ہیں۔《3》اللہ تعالیٰ اسی کو محبوب بناتا ہے جو اس کی مرضی پوری کرتا ہے۔

سوال3: بنی اسرائیل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محبوب کیسے سمجھتے تھے؟

جواب: بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتوں کی وجہ سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محبوب سمجھتے تھے مثلاً مخالفین کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت، زمین پر اقتدار، مغفرت اور جنت کا وعدہ وغیرہ۔

سوال4: کسی قوم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کب ہوتی ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس قوم پر ہوتی ہیں جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتی ہے اس کے اعمال کا بدلہ ان نعمتوں کی صورت میں ملتا ہے۔

سوال5: اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونے کی غلط فہمی کیسے پیدا ہوتی ہے؟

جواب: جو نعمتیں عمل کی وجہ سے ملتی ہیں بعد میں آنے والے نسلی تعلق کی وجہ سے اپنے آپ کو ان کا مستحق سمجھ لیتے ہیں۔

سوال6: اللہ تعالیٰ نے اس غلط فہمی سے کیسے نکالا ہے؟

جواب:《1》اگر اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو تو وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟《2》حقیقت میں تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں۔《3》وہ جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔《4》مالک اور غلام میں فرق ہے وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔《5》تمام لوگ مالک کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

سوال7: قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ’’آپ کہہ دیں پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں دیتا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے تو وہ تمہیں عذاب نہ دیتا۔ حسن نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو کبھی عذاب نہیں دیتا لیکن اسے دنیا میں ہی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے (الدر المنثور:476/2)《2》اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو ان کے گناہوں پر عذاب دیا۔ ان میں سے کچھ کی صورتیں مسخ کر دیں، کچھ کو بندر اور سور بنا دیا اصحاب السبت اور

اصحاب المائدہ میں سے۔(تفسیرالوسیط:170/1)《3》 کہیں باپ اپنے بیٹے کو،اورکوئی محبّ اپنے حبیب کوعذاب دیتا ہے؟ (تیسیر الرحمٰن:336/1)

سوال8:عذاب اور مغفرت کا فیصلہ کیسے ہوگا؟

جواب: عذاب اور مغفرت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق ہوگا کہ اہل ایمان کے لئے مغفرت اوراہل کفراور فاسقوں کے لیے عذاب ہے۔

سوال9: بَلۡ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ ''بلکہ تم بھی انسان ہوان میں سے جواس نے پیدا کیے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی تم بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک ہوجس پراس کے احکامات نافذ ہوتے ہیں۔پھرتمہیں دوسروں پر فوقیت کیسے ہوسکتی ہے۔

سوال10: یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ''وہ (اللہ) جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہےاور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتاہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''وہ (اللہ) جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے''《1》یعنی جب وہ مغفرت یا عذاب کے اسباب لے کراللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان اسباب کے مطابق ان کو بخش دیتا ہے یا عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:671/1)《2》 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کواس کے عمل نے پیچھے ڈال دیااس کانسب اس کوآگے نہیں بڑھا سکے گا۔(مسلم:6853) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے پکار لگائی۔فرمایا: اے جماعتِ قریش! اپنی اپنی جانوں کو(نیک اعمال کے بدلے) مول لے لو(بچالو) میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔اے بنی عبدمناف! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔اے عباس ابنِ مطلب! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔اے صفیہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا! تم چاہے میرا مال مانگ لو لیکن میں تمہیں اللہ تعالیٰ (کی گرفت) سے (بچانے کا) کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔''(صحیح بخاری:2753,4771)

سوال11: وَلِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا ''آسمانوں کی اور زمین کی اوران کے درمیان کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ کی ہے۔وہ مالک ہے اور سب اس کے مملوک ہیں اور یہودی بھی ان میں ہی

شامل ہیں پھر ان کی کیا فضیلت ہے جس کی وجہ سے وہ انہیں ان کے گناہوں کی سزا نہیں دے گا۔

سوال12: وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ''اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اسی کی طرف سب نے لوٹ کر جانا ہے جہاں وہ انصاف سے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا کیونکہ وہ عادل ہے، ظلم نہیں کرتا۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (19)

اے اہلِ کتاب! یقیناً رسولوں کے ایک وقفے کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے جو تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوش خبری دینے والا آیا اور نہ کوئی ڈرانے والا، تو یقیناً تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔(19)

سوال1: يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ ''اے اہلِ کتاب! یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے جو تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے '' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو اہل کتاب کے نام سے پکارا ہے یہ ان کے لیے اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب سے نوازا۔ اسی وجہ سے انہیں دعوت دی ہے کہ وہ نبی ﷺ پر ایمان لے آئیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بھیج کر احسان کیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ۔

سوال2: فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ ''رسولوں کے ایک وقفے کے بعد'' سے مراد کون سا وقفہ ہے؟

جواب: ﴿1﴾ فترہ سے مراد وہ زمانہ ہے جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور نبی ﷺ کے درمیان تھا یعنی تقریباً 570 یا 600 سال کا فاصلہ۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے طویل عرصے تک رسول مبعوث نہیں کیا جب کہ ان کی شدید ضرورت تھی۔ اسی بنا پر دعوت دی گئی ہے کہ ایمان لے آؤ۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے رسول کو کیوں بھیجا؟

جواب: رسول کو یاددہانی کے لیے بھیجا گیا ہے تاکہ تم یہ حجت نہ پیش کر سکو کہ ہمیں کوئی بشارت، کوئی ڈراوا نہیں پہنچا ہم نے بھول کے بے راہ روی اختیار کی۔

سوال4: اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ ''کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوش خبری دینے والا آیا اور نہ کوئی ڈرانے

والا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے رسول بھیج کر حجت پوری کردی ہے کہ وہ یہ نہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں بھیجا۔

سوال5: فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ''تو یقیناً تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نبی کی آمد پر واضح کیا ہے کہ اب بشیر و نذیر آ گیا ہے جو تمہیں دنیا و آخرت کے ثواب کی خوش خبری دیتا ہے ایسے اعمال سے آگاہ کرتا ہے جن سے ثواب ملے، ان اعمال کو انجام دینے والوں کی صفات بیان کرتا ہے، دنیا و آخرت کے عذاب سے اور ان اعمال سے ڈراتا ہے جو برے اعمال کا باعث بنیں اور ان اعمال کا ارتکاب کرنے والوں کی صفات سے واقف کرواتا ہے۔

سوال6: وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی وجہ سے ہر ایک چیز نے سرِتسلیم خم کردیا ہے۔کوئی اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔اس نے اپنی قدرت سے رسول بھیجے، کتابیں بھیجیں جو رسول کی اطاعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ثواب دیتا ہے اور جو رسول کی نافرمانی کرتا ہے اسے عذاب دیتا ہے۔

سوال7: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے قدیر ہونے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اس لئے اس نے محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیج دیا اب اگر تم نے ان کی ہدایت کو قبول نہ کیا تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ سزا دینے پر قدرت رکھتا ہے۔

سوال8: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ''قدیر'' کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر وحی بھیجنے سے اپنے قدیر ہونے کا شعور دلایا ہے۔

رکوع نمبر8

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (20)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب اُس نے تم میں سے انبیاء بنائے

اور تمہیں بادشاہ بنایا اور اس نے تمہیں وہ کچھ دیا جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔(20)

سوال1: وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ ’’اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس واپس جانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام پر جہاد فرض کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں نصیحت کی تاکہ وہ جہاد پر قائم رہیں۔《2》اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو اپنی زبان اور اپنے دل سے یاد کرو۔《3》اللہ تعالیٰ کے ذکر کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کی عبادت میں خوشی نصیب ہوتی ہے۔

سوال2: اس رکوع میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا تذکرہ کیا گیا اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کسی گروہ کا انتخاب کرلیتا ہے، قدیم دور میں یہ اعزاز بنی اسرائیل کو حاصل تھا اسی لئے ان کی تاریخ کا تذکرہ کیا گیا۔ اس تذکرے میں حکمت کے کئی پہلو ہیں۔ حکمت کا پہلا پہلو: بنی اسرائیل کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ وہ ہمیشہ حق کے دشمن رہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ وہ پوری اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے دشمن رہیں گے لہذا ان کی تاریخ کو کھول کر مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا تاکہ مسلمانوں کے خلاف جو طریقے، جو ذرائع یہ اختیار کریں مسلمان ان سے آگاہ ہوکر، ان اثرات سے بچ سکیں۔ حکمت کا دوسرا پہلو: ایک حکمت یہ بھی تھی کہ بنی اسرائیل کے دینی تجربات سے امت مسلمہ کو واقف کروایا جائے تاکہ مسلمان جان لیں کہ دین پر چلتے ہوئے ٹھوکر کہاں لگتی ہے؟ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ بعد میں آنے والوں پر اس کے اثرات کیا مرتب ہوتے ہیں؟ شیطان کہاں سے حملہ کرتا ہے؟ دین میں تبدیلی کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ بے خوفی اور سنگ دلی کے رویئے کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ مقصد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے تجربات سے مسلمان سبق لیں۔ حکمت کا تیسرا پہلو: اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ قومیں جب طویل مذہبی زندگی گزار لیتی ہیں تو سنگ دل ہوجاتی ہیں اور آنے والی نسلیں ہدایت کے راستے سے ہٹ جاتی ہیں اور مسلمانوں کی تاریخ قیامت تک طویل چلنی ہے۔ اندیشہ یہ تھا کہ ایسے حالات آئیں گے جس میں امت گمراہ ہوجائے گی لہذا آنے والے وقتوں میں مسلمان مصلحین کو یہ معلوم ہوجائے کہ جب لوگ ہدایت کے راستے سے دور نکل جائیں، غافل اور سنگ دل ہوجائیں تو انہیں حق کی دعوت کیسے دی جائے؟ اور خود کو مایوسی سے کیسے نکالا جائے؟

سوال3: اِذۡ جَعَلَ فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا ’’جب اُس نے تم میں سے انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اِذۡ جَعَلَ فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ ’’جب اُس نے تم میں سے انبیاء بنائے‘‘ ان انبیاء میں سے موسیٰ

علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام وغیرہ ہیں جو تمہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اور ہلاکت سے ڈراتے ہیں۔ تمہیں ہمیشہ کی سعادت کی طرف بلاتے ہیں اور تمہیں ایسی باتیں سکھاتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے تھے۔﴿2﴾ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا " اور تمہیں بادشاہ بنایا"، تم اپنے معاملات کے خود مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دشمن کی غلامی سے نجات دلائی اور تم اپنے معاملات کے خود مالک بن گئے اور تمہارے لیے اپنے دین پر قائم رہنا ممکن ہو گیا۔(تفسیر سعدی:673/1)

سوال4: وَاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ " اور اس نے تمہیں وہ کچھ دیا جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اور تمہیں دینی اور دنیاوی نعمتیں عطا کیں۔﴿2﴾ اور اس نے تمہیں وہ کچھ دیا جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا اس سے اشارہ کیا گیا ہے ان معجزات کی طرف جو بنی اسرائیل کو عطا کئے گئے تھے جیسے من وسلویٰ کا نازل کرنا، بادلوں کا سایہ اور فرعون سے نجات کے لئے دریا سے راستہ بنانا۔ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی وجہ سے یہ قوم اپنے دور میں بڑی فضیلت کے مقام پر تھی۔﴿3﴾ اب یہ فضیلت اُمت مسلمہ کو حاصل ہے۔ رب العزت نے فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو ضرور ان کے لیے بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ مومن ہیں اور ان کے اکثر نافرمان ہیں۔(آل عمران:110) تم بہترین اُمت ہو جسے نسل انسانی کے لئے بنایا گیا ہے اور اُس کا مقصد وجود بھی واضح کر دیا گیا کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ اسی کام کے ساتھ خیر اُمت یعنی بہترین امت ہونے کا اعزاز برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

سوال5: بنی اسرائیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمت سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ان میں انبیاء بھیجے۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے آباء واجداد میں سیدنا اسحاق علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اولادیں، سیدنا ہود علیہ السلام، سیدنا شعیب علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک جلیل القدر انبیاء آئے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے ان میں بادشاہ بھیجے مثلاً سیدنا یوسف علیہ السلام اس دور کی تہذیب یافتہ دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ تھے۔ مصر میں ان کو بڑا اقتدار نصیب ہوا پھر سیدنا داؤد علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کا تعلق بھی بنی اسرائیل سے تھا۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے ان میں کتابیں بھیجیں۔ تورات، زبور، انجیل (تینوں کتابیں) اور متعدد صحیفے ان ہی میں آئے۔

سوال6: نبوت اور بادشاہت (فرمانروائی) اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟

جواب:《1》نبوت خصوصی مرتبہ ہے اس میں دوسرے شریک نہیں ہو سکتے اسی لئے فرمایا اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ تم میں نبی پیدا کئے۔《2》بادشاہت اجتماعی عہدہ ہے جس میں بادشاہ کے ساتھ اس کی قوم بھی شامل ہوتی ہے۔اسی لئے فرمایا: وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا تمہیں بادشاہ بنایا۔

سوال7: وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ''اور اس نے تمہیں وہ کچھ دیا جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد بنی اسرائیل کا منصب امامت پر فائز ہونا تھا۔امت مسلمہ سے پہلے بنی اسرائیل اس ذمہ داری پر مامور تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو ساری دنیا تک پہنچائیں گے۔شہادت حق کا فریضہ فقط بنی اسرائیل کی ذمہ داری تھی اس آیت میں اسی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ (21)

اے میری قوم! اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور اپنی پیٹھوں پر نہ پھر جاؤ ورنہ تم خسارہ اٹھانے والے ہو کر پلٹو گے۔(21)

سوال1: يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ ''اے میری قوم! اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد کنعان اور فلسطین کا علاقہ ہے۔

سوال2: اس علاقے کو مقدس کہنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: یہ وہ علاقہ ہے جہاں سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام، سیدنا اسحاق عَلَیْہِ السَّلَام اور سیدنا یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام نے اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت کا آغاز کیا تھا، چونکہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی، اللہ تعالیٰ کی توحید کی پہلی پکار اس سرزمین سے اٹھی تھی اسی لئے اسے مقدس سرزمین کہا گیا۔

سوال3: الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ''جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سرزمین فلسطین لکھ دی ہے کہ اسے جا کر فتح کر لیں اور دشمنوں پر فتح حاصل کر لیں۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس بنی اسرائیل کے نام لکھنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》ارض مقدس لکھنے سے مراد اللہ تعالیٰ کا فتح اور اپنی طرف سے نصرت یعنی مدد کا وعدہ ہے۔《2》یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جہاد کرنے کی صورت میں کر رکھا تھا۔

سوال5: ارض مقدس کو فتح کرنے کا حکم کس دور کا ہے؟

جواب: یہ حکم اس دور کا ہے جب بنی اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد ساری منزلیں طے کرتے ہوئے دشتِ فاران میں پہنچے۔یہ

بیابان جزیرہ نمائے سینا میں عرب کی شمالی اور فلسطین کی جنوبی سرحد سے متصل ہے۔

سوال6: وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ ''اور اپنی پیٹھوں پر نہ پھر جاؤ'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ جہاد سے منہ مت پھیرو۔

سوال7: فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ''ورنہ تم خسارہ اٹھانے والے ہو کر پلٹو گے'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کیا سمجھایا وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی اپنے دشمن پر فتح نہ پانے کی وجہ سے تم خسارے میں رہو گے اور آخرت میں نافرمانی کی وجہ سے ثواب سے محروم ہو کر خسارے میں رہو گے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے ایک پستیوں میں گری ہوئی شکست خوردہ ذہنیت رکھنے والی قوم کو ابھارا ہے۔ بزدلی اور کم حوصلگی کے برے انجام سے آگاہ کیا ہے کہ اگر پیچھے قدم ہٹایا تو نامراد ہو کر رہ جاؤ گے۔ پیچھے مصر کی غلامی ہے اور آگے قدم نہ بڑھایا تو صحرا میں مر کر فنا ہو جاؤ گے۔

سوال8: بنی اسرائیل نے جہاد کرنے سے انکار کیوں کیا؟

جواب: ﴿1﴾ بنی اسرائیل عمالقہ کی بہادری سے مرعوب ہو کر ہمت ہار بیٹھے تھے۔ ﴿2﴾ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی مدد کے وعدے پر یقین نہ کیا۔ اس لئے جہاد کرنے سے انکار کر دیا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ (22)

انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! بلاشبہ اس میں ایک جابر قوم ہے اور بلاشبہ ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ اس سے نکل جائیں چنانچہ اگر وہ خود وہاں سے نکل جائیں تو یقیناً ہم داخل ہونے والے ہیں۔ (22)

سوال1: قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ''انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! بلاشبہ اس میں ایک جابر قوم ہے'' جبار قوم سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد عمالقہ ہیں۔ جبار کے معنی قد آور، زور آور، تگڑے اور طاقت ور کے ہیں عربی میں جبار کھجور کے ان درختوں کو بھی کہتے ہیں جو بہت اونچے ہوں (تدبر)

سوال2: اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ''بلاشبہ اس میں ایک جابر قوم ہے'' یہودیوں نے ''جبار قوم'' کی موجودگی پر واویلا کیوں کیا؟

جواب: ﴿1﴾ موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام نے بارہ سرداران بنی اسرائیل کو فلسطین کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا انہوں نے ملک کے باشندوں کے بارے میں جب یہ بتایا کہ وہ زور آور ہیں تو زرخیز اور شاداب علاقے کے بارے میں ان کے حوصلے ٹوٹ

گئے اور وہ واپس مصر جانے کی سوچنے لگے۔ ﴿2﴾ بنی اسرائیل اس بات کو بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک فلسطین کی میراث دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ﴿3﴾ یہودی ایسی سستی اور آرام دہ فتح چاہتے تھے جس کے لئے انہیں کوئی کوشش نہ کرنی پڑے۔

سوال3: وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ''اور بلاشبہ ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ اس سے نکل جائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ان کا یہ قول ان کی بزدلی اور قلت یقین پر دلالت کرتا ہے ورنہ اگر وہ عقل مند ہوتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ وہ بھی سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور طاقتور وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی اعانت سے نواز دے، کیونکہ اللہ کی اعانت وتوفیق کے بغیر کسی کے پاس کوئی قوت واختیار نہیں، نیز انہیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ ان کو ضرور فتح ونصرت سے نوازا جائے گا، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے ساتھ فتح ونصرت کا خاص وعدہ کر رکھا ہے۔ (تفسیر سعدی:674/1) ﴿2﴾ ان کی اس ذہنی شکست کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دس نقیبوں نے عمالقہ کے بارے میں اپنے قبائل کو ڈرایا تھا۔ (تیسیر الرحمٰن:338/1)

سوال4: فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ''چنانچہ اگر وہ خود وہاں سے نکل جائیں تو یقیناً ہم داخل ہونے والے ہیں'' جبار قوم سے متاثر ہو کر یہود کا جواب کیا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ ہم اس شہر میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نہ نکل جائیں۔ ﴿2﴾ پھر اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم وہاں داخل ہوں گے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (23)

ان لوگوں میں سے دو آدمیوں نے کہا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا تھا ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ پھر جب تم اس سے داخل ہو جاؤ گے تو یقیناً تم ہی غالب ہونے والے ہو اور اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرو، اگر تم مومن ہو۔ (23)

سوال1: قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ ''ان لوگوں میں سے دو آدمیوں نے کہا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''ان لوگوں میں سے دو آدمیوں نے کہا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے'' یعنی جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے انہوں نے اپنی قوم کا دل بڑھاتے ہوئے ان کو دشمن کے خلاف جنگ کرنے اور ان کے علاقوں میں اترنے پر آمادہ کرنے کے لیے کہا۔ (تفسیر سعدی:674/1)

سوال2: وہ دولوگ کون تھے جنہوں نے بنی اسرائیل کی ہمت بندھانے کی کوشش کی؟

جواب: تورات کے مطابق تفتیشی مہم کے دوارکان یوشع اور کالب تھے۔(جامع البیان:190/6)

سوال3: اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمَا ''جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا تھا'' یہاں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》اسلام یا یقین اور اصلاح۔(تفسیر قرطبی:69/3)《2》اللہ تعالیٰ نے انہیں سچا ایمان عطا کیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خوف عطا کیا تھا۔انہیں صبر اور یقین کی نعمت عطا کی تھی اور کلمہ حق کہنے کی جرأت عطا کی تھی۔

سوال4: اللہ تعالیٰ پر بھروسے اور خدا خوفی کی قدر و قیمت کیا ہے؟

جواب:1۔اللہ تعالیٰ پر بھروسے اور خدا خوفی کی وجہ سے جرأت پیدا ہوتی ہے۔انسانی دنیا کے جباروں کی جباری متاثر نہیں کرتی۔خطروں کے مقابلے میں شجاعت پیدا ہوتی ہے۔

سوال5: بنی اسرائیل کے دومومنوں نے اپنے ساتھیوں کی ہمت بندھائی۔اُن کے اندر یہ ہمت کہاں سے آئی تھی؟

جواب: دونوں مومنوں کو ایمان اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کے وعدے پر یقین کی وجہ سے خود ہمت ملی تھی۔اسی وجہ سے انہوں نے دوسروں کی ہمت بندھائی۔

سوال6: سیدنا یوشع اور کالب کے مثالی کردار سے کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والوں کے لئے ان دو مثالی کرداروں سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب سب سو جائیں تو جاگنے والے کیسے جاگتے ہیں اور جب سب مرجاتے ہیں تو زندہ رہنے والے کیسے زندہ رہتے ہیں؟

سوال7: اُدۡخُلُوۡا عَلَیۡہِمُ الۡبَابَ فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡہُ فَاِنَّکُمۡ غٰلِبُوۡنَ ''ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ پھر جب تم اس سے داخل ہو جاؤ گے تو یقیناً تم ہی غالب ہونے والے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں نے کہا کہ جب تم پختہ ارادہ کرلوگے اور شہر کے دروازے میں داخل ہو جاؤ گے تو وہ شکست کھا جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں غلبہ اور فتح نصیب کرے گا۔

سوال8: دلوں کی دنیا اور جنگ کے میدان کا اصول کیا ہے؟

جواب:《1》اقدام کرو۔《2》گھس جاؤ جب کسی قوم کے گھر کے اندر دشمن پہنچ جائے تو اس کے حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں اور حملہ آور کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔《3》اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جو کہ سب سے بڑا اصول اور سب سے بڑی تیاری ہے۔

سوال9: دین کی نمائندہ قوم سے اللہ تعالیٰ کا کیا مطالبہ ہے؟

جواب: دین کے نمائندوں سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ دنیا میں باعزت ہوں، دنیا میں برتری حاصل کریں تاکہ اس بات کا

عملی مظاہرہ ہو سکے کہ آخرت میں بھی سرفرازی صرف اہل حق کو ہوگی اور باقی لوگ جیسے دنیا میں مغلوب ہوں گے اہل حق سے آخرت میں بھی مغلوب ہو جائیں گے۔

سوال10: کیا دنیا میں کامیابی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ دنیا کے امتحان میں کامیاب ہونے کے لئے انسان کو امتحان دینا پڑتا ہے۔ ﴿2﴾ انسان کو عملی طور پر ثابت کرنا پڑتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے والا، صبر کرنے والا اور اس کی مرضی پر قائم رہنے والا ہے۔

سوال11: وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ''اور اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرو اگر تم مومن ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرو اگر تم مومن ہو'' ﴿1﴾ تمہارے ایمان کا تقاضا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔ ﴿2﴾ یہ آیت توکل کے وجوب پر دلیل ہے۔ ﴿3﴾ توکل کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہوجاتا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہی اُس کو کافی ہے۔ (الطلاق 3:) ﴿4﴾ توکل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے معاملے میں آسانی ہوتی ہے اور ایسے موقع پر فتح نصیب ہوتی ہے۔

سوال12: توکل سے کیا مراد ہے؟

جواب: توکل وکالت سے ماخوذ ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں کو اپنا وکیل بنایا یعنی اپنا کام اس کے سپرد کیا، اس پر اعتماد کیا۔ توکل کے معنی بھروسے کے ہیں۔ توکل نام ہے کسی کام کو پورے ارادے، عزم، تدبیر اور کوشش کے ساتھ انجام دینے کا اور یہ یقین رکھنے کا کہ اگر اس کام میں بھلائی ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں ضرور کامیاب کردے گا۔ توکل خدا اعتمادی کا نام ہے۔

سوال13: ایمان اور توکل کے درمیان کیا تعلق ہے؟

جواب: ﴿1﴾ رب پر ایمان کا لازمی تقاضا رب پر اعتماد اور توکل ہے۔ اسی وجہ سے دونوں مومنوں نے یہ کہا تھا کہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہئے۔ ﴿2﴾ توکل بندۂ مومن کے ایمان کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی 674/1:)

سوال14: توکل کیسے پیدا ہوتا ہے؟

جواب: توکل کے کئی درجات ہیں۔ پہلے درجے کا توکل، یعنی اس کے لئے کوشش کرنی پڑتی ہے۔ ﴿1﴾ یقین۔ i۔ اس پر یقین کہ جس ذات پر بھروسہ کر رہا ہوں اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ ii۔ اس پر یقین کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے اعتبار سے کامل ہے۔ اس کے علم سے بڑھ کر کسی کا علم نہیں۔ iii۔ اس پر یقین کہ وہ قدرت رکھنے والا ہے۔ اس کی قدرت سے زیادہ کسی کی قدرت نہیں۔ iv۔ اس پر یقین کہ وہ رحمت کرنے والا ہے۔ اس سے زیادہ کوئی رحمت کرنے والا نہیں۔ اس یقین سے دل اللہ تعالیٰ پر توکل کرے گا اور کسی دوسری ہستی کی طرف توجہ نہ کرے۔ ﴿2﴾ دوسرے درجے کا توکل یہ ہے کہ انسان اس ہستی

کوتوجہ کا مرکز بنالے جس پر اعتماد ہے جیسے بچہ اپنی ماں کے سوا کسی کو نہیں جانتا اسی کے پاس شکایت لے کر جاتا ہے وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔اس کے دل میں کسی کے لئے گنجائش نہیں ہوتی۔اس درجے میں انسان سب سے منہ موڑ کر صرف اسی کی طرف رجوع کرتا ہے۔《3》اپنی رائے،اپنی ہستی کو مٹا کر اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد جیسے میت نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ انسان زندہ ہوتے ہوئے خود کو،اپنے مسائل کو جانتا ہے وہ روتا ہے اللہ تعالیٰ کا دامن تھام لیتا ہے اور میت خود کو نہیں جانتی۔یہ مقام انتہائی مشکل سے نصیب ہوتا ہے اور اگر ہو بھی جائے تو انسان اس حالت پر قائم نہیں رہتا۔

سوال15:توکل انسان کو کیا دیتا ہے؟

جواب:اعتماد،یقین،تسکین،اطمینان،بے خوفی اور اُمید۔

سوال16:اللہ تعالیٰ پر توکل نہ کر کے انسان کیا کھو دیتا ہے؟

جواب:اپنا چین،اطمینان،سکون،امید اور صحت۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ(24)

انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! بے شک ہم اس وقت تک ہرگز اس میں کبھی بھی داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ اس میں رہیں گے سوتم اور تمہارا رب دونوں جا کر لڑو،یقیناً ہم تو یہاں بیٹھنے والے ہیں۔(24)

سوال1:قَالُوْا یٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ''انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! بے شک ہم اس وقت تک ہرگز اس میں کبھی بھی داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ اس میں رہیں گے سوتم اور تمہارا رب دونوں جا کر لڑو،یقیناً ہم تو یہاں بیٹھنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم تو اس شہر میں کبھی بھی داخل نہیں ہوں گے۔اس کٹھن صورت حال میں ان کا قول کتنا تکلیف دہ تھا اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ اپنے نبی کی مدد کرتے ان کے اس قول سے ان کے اور امت محمدیہ کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے۔《2》سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جنگ بدر کے موقع پر مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے کہا تھا یارسول اللہ! ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ'' آپ خود اور آپ کے خدا چلے جائیں اور آپ دونوں لڑ بھڑ لیں۔ہم تو یہاں سے ٹلنے کے نہیں۔'' آپ چلئے،ہم آپ کے ساتھ جان دینے کو حاضر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی اس بات سے خوشی ہوئی۔(صحیح بخاری:4609)《3》بدر کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا تو انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ ہمیں سمندر میں بھی کود جانے کا مشورہ دیں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں اگر آپ ہمیں لے کر زمین کے آخری سرے تک بھی پہنچ جائیں تو ہم میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا اور ہم وہ

بات نہیں کہیں گے جوقوم موسیٰ نے ان سے کہی تھی فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ”سوتم اورتمہارارب دونوں جا کرلڑو، یقیناً ہم تو یہاں بیٹھنے والے ہیں“ ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر دشمنوں کے خلاف جنگ کریں گے ہم آپ کے آگے سے ،آپ کے پیچھے سے ،آپ کے دائے اور بائیں سے آپ ﷺ کے دفاع میں جنگ کریں گے۔(سیرت ابن ہشام:2/227)

سوال2: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے پر بنی اسرائیل کی صورتِ حال کیا تھی؟

جواب:《1》بنی اسرائیل پرزوال آچکا تھا۔《2》ان کی اکثریت اللہ تعالیٰ پراعتمادنہیں کرتی تھی۔《3》وہ صبر کا ثبوت دینے کے لئے تیارنہیں ہے۔《4》ان کا ایک طبقہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کے سامنے گستاخی کرنے لگا۔《5》ان کے دل میں اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ دنیا کی طاقت ورقوموں کا خوف سمایا ہوا تھا۔

سوال3: جب اللہ تعالیٰ کا نمائندہ گروہ قربانیاں نہ دے تو وہ درحقیقت کیا چاہتا ہے؟

جواب: جب اللہ تعالیٰ کا نمائندہ گروہ اللہ تعالیٰ کے کام کے لئے قربانیاں نہ دے تواس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خودزمین پرتشریف لے آئیں اپنے دین کا کام خودانجام دیں جیسے بنی اسرائیل نے زبان سے کہا تھا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ زبان سے نہ کہیں لیکن عملی رویہ یعنی اللہ تعالیٰ کے کاموں سے پیچھے ہٹنے کا رویہ یہی ظاہر کرتا ہے۔

سوال4: بزدل اپنے فرائض کی طرف کیسے بڑھتا ہے؟

جواب:《1》بزدل فرائض ادا کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے لیکن بزدلی دکھا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔《2》وہ فرض چھوڑ دیتا ہے۔《3》وہ مقصد کو ہی برا کہنا شروع کر دیتا ہے۔《4》وہ اس دعوت کو برا بھلا کہتا ہے جواس سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہے جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔(فی ظلال القرآن)

سوال5: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طویل جدوجہد کا کیا انجام ہوا؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے طویل سفر کیا۔ان کی قوم نے قدم قدم پرنافرمانی کی،احکامات سے منہ موڑا، بزدلی، من مانی اورہٹ دھرمی دکھائی۔ارض مقدس کی فتح سے الٹے پھرے۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہدوپیمان کوتوڑ ڈالا۔

سوال6: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے جہاد کرنے سے انکار کیا۔محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے آپ ﷺ کا کیسے ساتھ دیا۔کوئی مثال دیں؟

جواب: سیدنا قتادہ نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم آپ ﷺ کواس طرح نہیں کہیں گے جس

طرح قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ہم تو آپ ﷺ کے آگے سے، آپ ﷺ کے پیچھے سے، آپ ﷺ کے دائیں سے اور آپ ﷺ کے بائیں سے لڑیں گے۔ (بخاری، کتاب المغازی)

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ(25)

اُس نے کہا: ''اے میرے رب! یقیناً میں اپنی ذات اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتا، سو تُو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان علیحدگی کر دے۔(25)

سوال1: قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ ''اُس نے کہا: ''اے میرے رب! یقیناً میں اپنی ذات اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں سیدنا ہارون علیہ السلام کو اپنے ساتھ کیوں ملایا؟

جواب: سیدنا ہارون علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وزیر تھے۔ انہوں نے ہر موڑ پر اپنی وفاداری کا ثبوت دیا اس وجہ سے ان پر اعتماد تھا اور اپنے ساتھ سیدنا ہارون علیہ السلام کے لئے بھی سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جذبات کا اظہار کیا کہ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ۔

سوال2: ''فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ'' ''سو تُو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان علیحدگی کر دے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھ لیا کہ ان کے بھائی کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں تو ان کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبہ کریں کہ مجھے اجازت دیجئے اس قوم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاؤں یعنی قیادت اور اصلاح کے کام سے مجھے الگ کر دیا جائے۔ ﴿2﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان رابطہ دعوت حق کی بنیاد پر تھا کہ انہوں نے ایک جگہ مل کر کوشش کی تھی۔ لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان کوئی تعلق نہ رہا اس لئے انہوں نے مکمل علیحدگی کی درخواست دے دی اتنے انعامات، طویل کوششوں کے باوجود جن کے اندر بے یقینی ہے ان پتھروں کو میں کیا جونک لگاؤں گا۔ آپ فیصلہ فرما دیں۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کے راستے میں قوم، نسب، نسل اور مشترکہ تاریخ کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے راستے میں زمینی تعلقات کا کوئی کام نہیں اصل چیز مقصد ہے جس کے حصول کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔

سوال4: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مطالبے میں ہمارے لئے کیا سبق ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سبق یہ ہے کہ جب نظریات کا تعلق ٹوٹ جائے تو تمام تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں۔ ﴿2﴾ جب عقیدے جدا

ہوجائیں تو راستے جدا ہوجاتے ہیں۔سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے جوش ایمان کا یہ منظر قابل دید ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب ان کے باپ (ابوسفیان) کفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آئے اور ان کے گھر گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچھونے پر بیٹھنا چاہتے تھے، سیدنا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھ کر بچھونا الٹ دیا، ابوسفیان سخت برہم ہوئے کہ بچھونا اس قدر عزیز ہے۔ بولیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش ہے اور آپ مشرک ہیں اور اس بنا پر ناپاک ہیں، ابوسفیان نے کہا تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی۔(سیر الصحابہ)

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے، وہ غزوہ بدر واحد میں کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے۔ اس نے جب مبارزت کیلئے پکارا تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے مقابل کھڑے ہوئے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: (مَتِّعْنَا بِنَفْسِکَ) ''ہمیں اپنے ذریعے فائدہ پہنچاؤ'' (مستدرک حاکم: 539/3) غزوۂ بدر میں سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شجاعت و جان بازی کے ساتھ اس جنگ میں سرگرم پیکار ہوئے، ان کے والد عبداللہ بھی اس وقت تک زندہ تھے اور کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے، انہوں نے تاک تاک کر خود اپنے لختِ جگر کو نشانہ بنانا چاہا۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر تک طرح دیتے رہے لیکن جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آتے تو بالآخر جوشِ توحید نسبی تعلق پر غالب آ گیا اور ایک ہی ہاتھ میں ان کا کام تمام کر دیا۔

درحقیقت یہ والہانہ جوش اور مذہبی وارفتگی کی نہایت سچی مثال تھی جس میں ماں، باپ، بھائی، بہن غرض تمام رشتہ دار بالکل ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں، چنانچہ قرآن پاک نے اس انقطاع الی اللہ کی ان الفاظ میں داد دی: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ آپ ان لوگوں کو نہیں پائیں گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اُن لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی، اگرچہ وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کا خاندان ہو یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اُن کو اپنی جناب سے ایک رُوح کے ساتھ قوت دی ہے۔(المجادلہ: 22)

سوال 5: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے کس چیز کا اظہار ہو رہا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے اُن کی بے بسی کا اظہار ہو رہا ہے۔ ﴿2﴾ اس دُعا سے اپنی قوم سے برأت کا اظہار بھی ہو رہا ہے۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (26)

اللہ تعالیٰ نے کہا: پھر وہ زمین ان پر چالیس سال تک حرام کی گئی ہے، یہ لوگ زمین میں بھٹکتے رہیں گے، چنانچہ آپ

نافرمان قوم پر غم نہ کریں۔(26)

سوال1: قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ”اللہ تعالیٰ نے کہا: پھر وہ زمین ان پر چالیس سال تک حرام کی گئی یہ لوگ زمین میں بھٹکتے رہیں گے“ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم سے کیسے الگ کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان بدبختوں کو چالیس سال (1400۔1440ق م) تک فاران اور شرق اردن کے درمیان صحراؤں کے حوالے کر دیا جب کہ وہ مقدس سرزمین کی دہلیز پر ہے اللہ تعالیٰ نے وہ سرزمین چالیس سال تک ان کے لئے حرام کر دی۔ وہ زمین میں مارے مارے پھرتے رہے لیکن کسی طرف جانے کی کوئی راہ نہیں پاتے تھے۔

سوال2: کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قوم سے کیے گئے انعام کے وعدے کو بھی ٹال دیا جاتا ہے؟

جواب: اس آیت سے یہ دلیل ملتی ہے کہ گناہوں کی سزا میں بڑی نعمت کو بھی ٹال دیا جاتا ہے۔

سوال3: بنی اسرائیل کے بیت المقدس میں داخلے کے لیے چالیس سال تک کی پابندی عائد کر دی تھی اس مدت کے مقرر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس مدت کے مقرر کرنے میں شائد یہ حکمت ہو کہ 40 سالوں کے دوران صبر وثبات سے کام نہ لینے والے اکثر افراد مر چکے جو بلند ارادوں سے، عالی ہمتی سے محروم تھے۔ ﴿2﴾ شائد اس میں یہ بھی حکمت ہو کہ نئی نسل کی عقل اور شعور کی تربیت ہو جو دشمنوں پر غالب ہونے، آزادی حاصل کرنے اور ذلت سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

سوال4: بنی اسرائیل کے بچوں میں حکمرانی کی صفات کیسے پیدا ہوئیں؟

جواب: ﴿1﴾ لمبی مدت تک صحرائی زندگی کی مشقتوں کو برداشت کیا۔ ﴿2﴾ بچوں کے باپ جن پُر خطر حالات کو بچوں کے حق میں موت سمجھتے تھے ان پُر خطر حالات میں داخل ہونے میں ان کی زندگی کا راز چھپا ہوا تھا۔ بنی اسرائیل کے بچوں کی عقل وشعور کی تربیت ہوئی تو ان کے ارادے بلند ہوئے، ان میں عالی ہمتی پیدا ہوئی۔ وہ غلامی سے آزاد ہونے اور سعادت کے لیے کوشش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

سوال5: انسان کے اندر بہترین صفات کب پیدا ہوتی ہیں؟

جواب: جب اس کو حالات کا مقابلہ کر کے زندہ رہنا پڑے جب چیلنجز قبول کرنے پڑتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو بلندی تک پہنچانا چاہے۔

سوال6: عافیت کی زندگی کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ قوم مردہ قوم بن جاتی ہے۔ ﴿2﴾ اپنی عافیت کے لیے ذلت گوارا کر لیتی ہے۔ ﴿3﴾ اپنی عافیت کے لیے

مغلوب ہونا گوارا کر لیتی ہے۔﴿4﴾اپنی عافیت کے لیے غلام ہونا گوارا کر لیتی ہے۔﴿5﴾عافیت پر اطمینان کے نتیجے میں نہ ارادے بلند ہوتے ہیں، نہ عالی ہمتی رہتی ہے، نہ جہاد ہوتا ہے، نہ دنیا میں سعادت نصیب ہوتی ہے، نہ آخرت میں جنت۔

سوال7: کون سے اوصاف ہیں جو کسی قوم کو زندہ قوم بناتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾مقصد کے لیے جینا۔﴿2﴾مقصد کے لیے جان دینے کی تمنا رکھنا۔﴿3﴾ارادوں کی بلندی﴿4﴾عالی ہمتی۔ ﴿5﴾جفاکشی۔﴿6﴾سادگی۔﴿7﴾یک سوئی۔﴿8﴾حقیقت پسندی

سوال8: کسی قوم کو غیر معمولی حالات میں کیوں ڈالا جاتا ہے؟

جواب: کسی قوم کو غیر معمولی حالات میں اس لیے ڈالا جاتا ہے تاکہ وہ دوبارہ زندہ قوم بن جائے۔

سوال9: یہودی اپنے آپ کو عمل اور اطاعت کی ذمہ داریوں سے کیوں بری خیال کرتے تھے؟

جواب: یہودی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محبوب اور چہیتا سمجھتے تھے۔ جنت کو اپنی میراث سمجھتے تھے۔ یہ واضح کیا گیا کہ اگر گمان کی کچھ حقیقت ہے تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے فلسطین کی سرزمین کو فتح کرنے کے باوجود حرام کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فلسطین نہیں پہنچایا۔

سوال10: بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آنے والے اس واقعے میں ہمارے لئے کیا سبق ہے؟

جواب: دنیا کی جنت (آسائشیں) اگر محنت سے ملتی ہیں تو آخرت کی جنت مفت نہیں ملے گی۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ یا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر اُن لوگوں جیسے حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے۔ (البقرہ:214)

سوال11: بنی اسرائیل ارض مقدس کی دہلیز پر پہنچ گئے لیکن فتح اور حکمرانی نصیب نہ ہوئی، وجوہات بتائیں؟

جواب:﴿1﴾بنی اسرائیل ارض مقدس کی دہلیز پر پہنچ کر بھی فتح و کامرانی حاصل نہ کر سکے کیونکہ ان کو اپنا مقصد بھول گیا تھا۔ ﴿2﴾وہ دنیا کی حرص میں مبتلا ہوئے۔﴿3﴾ان کا عزم کمزور ہو گیا۔﴿4﴾ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔﴿5﴾ان کی فطرت خراب ہو گئی۔ ذلت، ظلم اور غلامی نے ان کی فطرت بدل ڈالی تھی۔ ان کے ضمیر خراب کر دیئے تھے جو حکمرانی کے لئے نامناسب ہے۔

سوال12: حکمرانی کے لئے کن صفات کا ہونا ضروری ہے؟

جواب:﴿1﴾مقصد پر جمے رہنا۔﴿2﴾اولوالعزمی۔﴿3﴾عالی ہمتی۔﴿4﴾دور اندیشی۔﴿5﴾فیصلے کرنے اور ان پر جمنے کی صلاحیت۔

سوال13: فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ’’ چنانچہ آپ نافرمان قوم پر غم نہ کریں‘ سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو فاسق قوم پر غم کھانے سے کیوں روکا گیا؟

جواب:《1》سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اپنی قوم کے لیے بے حد نرم دل تھے۔اسی وجہ سے جب بنی اسرائیل کو سزا ملتی تو وہ بے حد غم زدہ ہوجاتے تھے اس شفقت کی وجہ سے وہ اپنی قوم کے حق میں دعائیں کرتے تھے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے نافرمان لوگوں کے حال پر ترس کھانے سے روکا ہے۔《2》فاسق قوم بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھی اور سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرض ادا کر دیا تھا۔ غم فطری امر تھا مگر اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ آپ نے اپنا کام کر دیا ہے۔《3》ان کی نافرمانی سزا کا تقاضا کرتی تھی اس لیے سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو فاسقوں پر ترس کھانے سے روکا ہے۔

سوال14: نافرمانوں کی حالت پر ترس کیوں آتا ہے؟

جواب: انسانی تعلق کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو ان کی جگہ پر رکھ کر دیکھتا ہے پھر ترس کھاتا ہے۔

سوال15: نافرمانوں پر ترس کھانے سے انسان کے معاملات پر کیا فرق پڑتا ہے۔

جواب:《1》نافرمانوں پر ترس کھانے کی وجہ سے انسان نافرمانیاں برداشت کر لیتا ہے۔《2》کچھ حالات میں نافرمانیاں کرنے کی اجازت دے دیتا ہے۔《3》آہستہ آہستہ نافرمانیوں کو برا محسوس نہیں کرتا۔

سوال16: نافرمانوں پر ترس نہ کھانے سے مومن پر کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب:《1》نافرمانوں پر ترس نہ کھانے کی وجہ سے مومن نافرمانیاں ہوتی نہیں دیکھ سکتا وہ نافرمانیوں سے روکتا ہے۔ 《2》مومن نافرمانیاں کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔《3》مومن نافرمانیوں سے نفرت کرتا ہے۔

سوال17: آج کی امت مسلمہ کے لئے اس میں کیا سبق ہے؟

جواب: امت مسلمہ کے لئے بنی اسرائیل کے حالات میں سبق ہے کہ اگر اپنی حالت نہ بدلی تو مستقل غلامی کی وجہ سے فطرت بھی خراب ہوجائے گی اور ضمیر بھی بدل جائے گا۔پھر ذلت میں چین ملے گا اور کبھی عروج نصیب نہیں ہوگا۔در در کی ٹھوکریں مقدر بن جائیں گی۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان واقعات سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

رکوع نمبر 9

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (27)

اور انہیں آدم کے دو بیٹوں کا برحق واقعہ پڑھ کر سناؤ، جب اُن دونوں نے قربانی پیش کی تو اُن دونوں میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔ اُس (دوسرے) نے کہا: ''میں ضرور بہ ضرور تجھے قتل کر دوں گا'' اُس نے جواب دیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تو صرف متقیوں ہی سے قبول کرتا ہے۔ (27)

سوال1: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ''اور انہیں آدم کے دو بیٹوں کا برحق واقعہ پڑھ کر سناؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ ''اور انہیں پڑھ کر سناؤ'' ان کے سامنے قصہ بیان کرو۔ ﴿2﴾ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ''آدم کے دو بیٹوں کا برحق واقعہ'' آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے درمیان ہونے والے جھگڑے کے بارے میں حق بات بتا دیں۔ ﴿3﴾ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں سے مراد ہابیل اور قابیل ان کے صلبی بیٹے ہیں جن میں سے ایک کی قربانی کے قبول ہونے کی وجہ سے دوسرے نے اسے قتل کر ڈالا۔ ﴿4﴾ بِالْحَقِّ: ٹھیک ٹھیک، صحیح واقعات سنا دیجئے۔ اس میں تاریخی واقعات کے بیان میں اہم اصول کی تلقین کی گئی کہ احتیاط لازم ہے۔ (معارف القرآن) ﴿5﴾ واقعات کو بیان کرنے کا حق اس طرح سے ادا ہو سکتا ہے کہ اس سے نصیحت حاصل ہو۔

سوال2: اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا ''جب اُن دونوں نے قربانی پیش کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ان دونوں میں سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے قربانی پیش کی۔

سوال3: یہ نذر یا قربانی کس لئے پیش کی گئی تھی؟

جواب: حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: سیدنا آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا قصہ بے کم وکاست سنا دو، ان دونوں کا نام ہابیل اور قابیل تھا۔ مروی ہے کہ چونکہ اس وقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی اس لئے یوں ہوتا تھا کہ سیدنا آدم علیہ السلام کے ہاں ایک حمل سے لڑکی لڑکا دو ہوتے تھے۔ پھر دوسرے حمل میں بھی اس طرح ہوتا اس طرح اس حمل کا لڑکا اور دوسرے حمل کی لڑکی ان دونوں کا نکاح کرا دیا جاتا تھا، ہابیل کی بہن تو خوبصورت نہ تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کرے۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے اس سے منع کیا آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں اللہ تعالیٰ کے نام پر کچھ نکالو جس کی خیرات قبول ہو جائے اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی خیرات قبول ہو گئی پھر حسد کی وجہ سے دونوں میں یہ واقعات پیش آئے۔ (مختصر ابن کثیر: 429/1)

سوال4: اللہ تعالیٰ کے لئے قربانی کیوں کی جاتی ہے؟

جواب: قربان عربی لغت کے اعتبار سے اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو کسی کے قرب کا ذریعہ بنایا جائے۔ اصطلاح شرع میں اس ذبیحہ کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔

سوال5: فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ''تو اُن دونوں میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: آسمان سے نازل ہونے والی آگ نے جب ایک کی قربانی کو کھالیا تو پتہ چلا کہ اس بھائی کی قربانی قبول ہوگئی اور جس کی قربانی کو آگ نے نہیں کھایا اس کی قربانی قبول نہیں ہوئی۔

سوال6: قربانی کا قبول کیا جانا یا نہ کیا جانا کیسا معاملہ ہے؟

جواب: یہ ایسا معاملہ ہے جس کا تعلق غیبی قوت سے ہے اور اس کی کیفیت بھی غیبی ہے۔

سوال7: قربانی قبول نہ ہونے کا سبب کیا ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ دل میں خدا کا خوف نہ ہونا۔ ﴿2﴾ نیت کا خالص نہ ہونا۔ ﴿3﴾ قربانی کا اللہ تعالیٰ کی خاطر نہ ہونا۔

سوال8: قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ''اس (دوسرے) نے کہا: ''میں ضرور بہ ضرور تجھے قتل کردوں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ قَالَ: اس بیٹے نے کہا جس کی قربانی قبول نہیں ہوئی تھی۔ ﴿2﴾ لَاَقْتُلَنَّكَ قابیل نے ہابیل کو دھمکی دی کہ میں تجھے قتل کردوں گا۔ ﴿3﴾ ''میں ضرور بہ ضرور تجھے قتل کردوں گا'' قابیل کی قربانی قبول نہ ہوئی تو اس نے قصور اپنے بھائی میں تلاش کیا جس کی قربانی قبول ہوئی۔ ﴿4﴾ قابیل نے کہا کہ تیرے لیے والد نے دعا کی اور تیری قربانی کی قبولیت کے لیے نماز پڑھ کر خاص طور سے دعا فرمائی جس کی برکت سے تیری قربانی قبول ہوگئی۔ اس سوچ کی وجہ سے اسے اپنے بھائی سے حسد ہوگیا۔ حسد اور بغض کی وجہ سے بس اسے یہی سجھائی دیا کہ بھائی کو قتل کرڈالے یہ اسی کا اظہار ہے۔

سوال9: انسان کے اندر حسد کب پیدا ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جب انسان کو اپنی غلطیاں نظر نہیں آتیں۔ ﴿2﴾ جب وہ اپنی ناکامیوں کے اسباب دوسروں میں تلاش کرتا ہے۔ ﴿3﴾ پھر انسان غصے میں انتقام لینا چاہتا ہے اور انسان کے دل کو حسد کی آگ لگ جاتی ہے۔

سوال10: حسد کا جذبہ ٹھنڈا کیوں نہیں ہوتا؟

جواب: ﴿1﴾ انسان اپنے ذہن میں عذر گھڑ لیتا ہے جو اس کے جرم کو جائز ثابت کرسکیں۔ ﴿2﴾ انسان خود ساختہ وجوہات میں تسکین تلاش کر لیتا ہے۔ ﴿3﴾ انسان اپنے ضمیر کی آواز کو دبا لیتا ہے۔

سوال11: قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ''اُس نے جواب دیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تو صرف متقیوں ہی سے قبول کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ہابیل نے کہا اللہ تعالیٰ متقیوں کی نذریں ہی قبول کرتا ہے۔ ﴿2﴾ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی خاطر، اس کو راضی کرنے

کے لیے عمل کرے اللہ تعالیٰ تو اسی سے قبول کرتے ہیں۔《3》اس نے نرمی سے کہا کہ میرا کون سا جرم ہے جو تجھ پر میرے قتل کو واجب کرتا ہے سوائے اس کے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ (تفسیر سعدی:677/1)《4》سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر مجھے یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ایک وقت کی نماز قبول کر لی ہے تو مجھے اس سے اتنی خوشی حاصل ہو جو دنیا و مافیہا کے ملنے سے بھی نہ ہو۔ یہ فرما کر انہوں نے یہی آیت پڑھی۔ (ابن ابی حاتم)

سوال12: کس کی قربانی قبول کی جاتی ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ متقی اور پرہیزگار کا عمل قبول فرماتے ہیں جس میں تقویٰ نہیں اس کا عمل قبول نہیں ہوگا۔

سوال13: اللہ تعالیٰ متقیوں کے اعمال ہی قبول کرتا ہے اس سلسلے میں متقین کے اقوال تحریر کریں؟

جواب:《1》سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میرا کوئی عمل اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا تو یہ وہ نعمت ہے کہ ساری زمین سونا بن کر اپنے قبضے میں آجائے تو بھی اسکے مقابلے میں کچھ نہیں۔《2》سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو خط میں یہ نصائح لکھیں کہ "میں تجھے تقویٰ کی تاکید کرتا ہوں جس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اور اہل تقویٰ کے سوا کسی پر رحم نہیں کیا جاتا اور اس کے بغیر کسی چیز پر ثواب نہیں ملتا، اس بات کا وعظ کہنے والے تو بہت ہیں مگر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔" (معارف القرآن)《3》سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تقویٰ کے ساتھ کوئی چھوٹا سا عمل بھی چھوٹا نہیں ہے اور جو عمل مقبول ہو جائے اسے چھوٹا کیسے کہا جا سکتا ہے۔ (ابن کثیر)《4》رب العزت کا ارشاد ہے: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ اللہ تعالیٰ کو نہ کبھی اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ہی ان کا خون، بلکہ اللہ تعالیٰ کو صرف تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ (الحج:37)

لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (28)

یقیناً اگر تو نے میری جانب اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ تو مجھے قتل کر دے تو میں اپنا ہاتھ تیری جانب بڑھانے والا نہیں کہ میں تجھے قتل کر دوں، یقیناً میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ (28)

سوال1: لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ "یقیناً اگر تو نے میری جانب اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ تو مجھے قتل کر دے تو میں اپنا ہاتھ تیری جانب بڑھانے والا نہیں کہ میں تجھے قتل کر دوں" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یہ آیت امن، تقویٰ اور صلح کے نمونے کو پیش کرتی ہے۔《2》یہ نمونہ ایسے وقت میں پیش کیا جا رہا ہے جب کہ انسان اور اس کا ضمیر تک غصے میں آجاتا ہے اگرچہ وہ بہت ٹھنڈے مزاج کا ہو۔《3》"یقیناً اگر تو نے میری جانب اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ تو مجھے قتل کر دے تو میں اپنا ہاتھ تیری جانب بڑھانے والا نہیں" کے الفاظ دشمنی کو دوستی میں بدلنے کے لئے کافی

تھے۔﴿4﴾ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ قتل کے جواب میں جوابی قتل کی تیاری سے اللہ تعالیٰ کا خوف ہی انسان کو روک سکتا ہے۔﴿5﴾ نبی ﷺ نے فرمایا جب دو مسلمان تلواریں لے کر (لڑنے کے لئے) ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں (پھر جنگ کرتے ہیں) تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہوتے ہیں۔صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ یہ تو قاتل ہے مقتول کا کیا معاملہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی بھی شدید خواہش تھی کہ اپنے ساتھی کو قتل کر دے۔(بخاری 7083)

سوال 2: ایک مومن کے لیے ہابیل قابیل کے واقعے میں کیا سبق ہے؟

جواب: اپنے بھائی کے دل میں پائے جانے والے شر پسندی کے جوش کو ٹھنڈا کرے، دشمنی کو دوستی میں بدلے، حسد کو ٹھنڈا کرے، شر کا جوش کم کرے، ہیجان زدہ اعصاب کو ٹھنڈا کر کے دوسرے شخص کو بھائی چارے کی محبت میں لے آئے، آخرت کے برے انجام سے ڈرائے اور اس کے دل میں تقویٰ کا احساس پیدا کرے۔(فی ظلال القرآن)

سوال 3: اپنی جان کا تحفظ انسان کا بنیادی حق ہے پھر ہابیل نے اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

جواب:﴿1﴾ ہابیل اور قابیل کا معاملہ کھلے ہوئے دینی دشمن کا میدانِ جنگ میں معاملہ نہیں ہے، بھائی اور بھائی کا معاملہ ہے ایسی صورت میں پہل نہیں کرنی چاہیے۔﴿2﴾ ہابیل نے پہل کرنے کی نفی کی ہے، بچاؤ کی نفی نہیں کی۔

سوال 4: کیا اپنی جان یا مال کی مدافعت کرنا اللہ تعالیٰ کے خوف سے منافی بات ہے؟

جواب: اپنی جان یا مال کا تحفظ کرنا اللہ تعالیٰ کے خوف سے منافی بات نہیں ہے نبی ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر ایک شخص مجھ سے میرا مال چھیننا چاہتا ہے تو میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کروں آپ ﷺ نے فرمایا اس کو خدا کا خوف دلاؤ سوال کرنے والے نے کہا اگر وہ اللہ تعالیٰ کا خوف نہ مانے، آپ ﷺ نے فرمایا اپنے گردوپیش کے مسلمانوں سے اس کے مقابلے کے لئے مدد چاہو، سوال کرنے والے نے کہا اگر میرے گردوپیش ایسے لوگ نہ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا پھر حکومت سے مدد چاہو، سوال کرنے والے نے نے کہا اگر وہ بھی دور ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا اپنے مال کی حفاظت کے لئے لڑ و حتیٰ کہ اپنے مال کو بچالو یا شہید ہو جاؤ۔

سوال 5: اِنِّیٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ''یقیناً میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ہابیل نے قابیل سے کہا کہ میرا یہ رویہ میری بزدلی یا میرے عجز کی وجہ سے نہیں یہ تو صرف اس وجہ سے ہے کہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور اللہ رب العالمین سے ڈرنے والا گناہ کا اقدام نہیں کر سکتا، خاص طور پر کبیرہ گناہ کا۔﴿2﴾ اس آیت میں اس شخص کے لیے سخت تخویف ہے جو قتل کا رادہ کرتا ہے اور تیرے لیے مناسب یہی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے اور اس سے ڈرے۔(تفسیر سعدی: 677/1)

اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِكَ فَتَكُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیۡنَ (29)

یقیناً میں ارادہ رکھتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ لے کر تم لوٹو، پھر تم آگ والوں میں سے ہو جاؤ اور ظالموں کی یہی جزا ہے۔(29)

سوال1: اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِكَ ''یقیناً میں ارادہ رکھتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ لے کر تم لوٹو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ہابیل نے یہ واضح کیا کہ میں آپ سے جنگ نہیں کرنا چاہتا باوجود یہ کہ آپ نے ایک غلط کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ ﴿2﴾ مجاہد، سدی، ابن جریر سے روایت ہے کہ ہابیل نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تو نے پہلے جو گناہ کیے ہیں ان کے ساتھ میرے قتل کا گناہ بھی تیرے سر ہو۔ ﴿3﴾ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مقتول کے سارے گناہ قاتل کے نامہء اعمال میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ ﴿4﴾ قیامت کے دن ایسا ہو سکتا ہے کہ قاتل کی ساری نیکیاں دے کر بھی مقتول کا حق ادا نہ ہو۔(ابن کثیر)

سوال2: میرے اور اپنے گناہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: میرے گناہ کا مطلب وہ قتل ہے جو اس وقت ہوتا اگر ہابیل آگے بڑھ کر قتل کر دیتا۔ اور اپنے گناہ سے مراد وہ قتل ہے جو قابیل نے بعد میں کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔(بخاری، مسلم، کتاب الفتن)

سوال3: قتل کے جواب میں قتل نہ کرنے کی اور قاتل کو قتل سے روکنے کے لئے ہابیل نے کیسے دلائل دیئے؟

جواب: ﴿1﴾ ہابیل نے کہا میرا ذہن قتل کی طرف نہیں جاتا، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ ﴿2﴾ جب معاملے کا دارومدار دو امور پر ہے ایک یہ کہ میں قاتل بنوں دوسرا یہ کہ تو مجھے قتل کرے تو میں اس بات کو ترجیح دوں گا کہ تو مجھے قتل کرے تاکہ تو دونوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھا کر واپس لوٹے۔(تفسیر سعدی:677/1) ﴿3﴾ جرم سے روکنے کے لئے ہابیل نے قتل کے بھیانک نتائج پیش کئے تاکہ بھائی گناہ سے متنفر ہو جائے اور گناہ سے نکلنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا خوف دل کے اندر رکھے۔ ہابیل نے خوف کی بھیانک تصویر پیش کی تاکہ ظالم بھائی ظلم سے باز آجائے۔

سوال4: قابیل کا نقصان کیا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ اپنے بھائی کا قتل کر کے کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا۔ ﴿2﴾ ہر خون ناحق کا بوجھ قابیل پر پڑتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو قتل بھی ظلم کے ساتھ ہوتا ہے اس کے خون ناحق کا بوجھ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر ہوتا ہے کیونکہ یہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا کام کیا۔(مسلم)

سوال5: فَتَكُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیۡنَ ''پھر تم آگ والوں میں سے ہو جاؤ اور ظالموں کی یہی جزا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》ہابیل نے قابیل کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف دلایا اور یہ بھی بڑے ظلم کی وجہ سے ہے جو عین عدل پر مبنی سزا ہے۔《2》یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ قتل کا ارتکاب کبیرہ گناہ ہے اور یہ جہنم میں داخل ہونے کا موجب ہے۔ (تفسیر سعدی:678/1)

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (30)

چنانچہ اُس کے نفس نے اُس کے لیے اس کے بھائی کے قتل کو پسندیدہ بنادیا تو اُس نے اسے قتل کر ڈالا، چنانچہ وہ خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہوگیا۔(30)

سوال1: فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ ''چنانچہ اُس کے نفس نے اُس کے لیے اس کے بھائی کے قتل کو پسندیدہ بنادیا'' کیا نصیحت کی تمام کوششوں کے باوجود انسان جرم پر آمادہ ہوجاتا ہے؟

جواب:《1》فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ ''چنانچہ اُس کے نفس نے اُس کے لیے اس کے بھائی کے قتل کو پسندیدہ بنادیا'' اس کے نفس نے اس کے لیے قتل کے معاملے کو مزین کردیا۔《2》یہ حال ہر بدی و معصیت کا ہے، ابتداء میں ہر فطرت سلیم اس سے رکتی ہے، ہچکچاتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ نفس اس کی جانب مائل اور اس پر گرویدہ ہوتا جاتا ہے، اور اس کی طرف سے جھجک مٹتی جاتی ہے، یہاں تک کہ انسان اسے بے دھڑک کر گزرتا ہے۔(تفسیر ماجدی:895/1)《3》نفس کے اندر کے حسد نے قابیل کو ہولناک جرم پر آمادہ کرلیا۔

سوال2: فَقَتَلَهٗ ''تو اُس نے اسے قتل کر ڈالا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ہابیل کی قربانی قبول ہونے پر قابیل کو سخت ملال تھا اس نے کہا میرے والد نے تیرے لیے دعا کی اور تیری قربانی قبول ہوگئی اب میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا ایک دن ہابیل کو بکریوں میں گھرے ہوئے گھر آنے سے دیر ہوگئی تو باپ نے کہا: بھائی کو ڈھونڈ کر لاؤ اس پر قابیل نے سوچا اچھا موقع ہے چنانچہ قابیل بھائی کو ڈھونڈنے نکل کھڑا ہوا۔ راستے میں ہابیل سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ قابیل نے کہا تیری قربانی قبول ہوگئی اور میری نہیں ہوئی میں تجھے قتل کیے بغیر نہیں رہوں گا۔ ہابیل نے کہا: میں نے اپنا پاکیزہ اور محبوب ترین مال پیش کیا تھا اور تو نے ردی مال۔ حق تعالیٰ پاکیزہ مال کو قبول کرتا ہے اور پرہیزگاروں سے ہی قبول کرتا ہے۔ ہابیل کے اس جواب سے قابیل چراغ پا ہوگیا اور لوہا اٹھا کر ہابیل کے دے مارا۔ ہابیل نے کہا: بدنصیب قابیل! تو اللہ تعالیٰ کو بھول گیا کہ وہ تیرے کرتوتوں کی سزا دے گا آخر کار اس نے ہابیل کو مار کر میدان میں لا کر ڈال دیا۔(مختصر ابن کثیر:430/1)

سوال3: فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ''چنانچہ وہ خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہوگیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:1۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اور وہ دنیا اور آخرت میں خسارہ پانے والوں میں شامل ہوگیا۔اس نے اپنے نفس کا نقصان کیا اور اسے ہلاکت میں ڈال دیا۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی نگاہ میں وہ مبغوض ہوگیا۔﴿3﴾ اپنے بھائی کا قتل کر کے قابیل کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا اور اس نے ہر قاتل کے لیے یہ سنت جاری کردی۔﴿4﴾ قیامت تک ہونے والے قتل کے گناہوں کا سزاوار رہوا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی بری سنت رائج کی تو اس پر اس برائی کے گناہ کا بوجھ اور ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی پڑے گا جو قیامت تک اس بری سنت پر عمل کریں گے۔(مسلم:1017)﴿4﴾ دنیا میں جو بھی قتل کرتا ہے تو اس کے خون کے گناہ کا کچھ حصہ آدم کے پہلے بیٹے کے حصے میں بھی جاتا ہے کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کے جرم کی ابتدا کی تھی۔(ترمذی:2673)﴿5﴾ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے تو آدم کے سب سے پہلے بیٹے قابیل کے نامہ اعمال میں بھی اس قتل کا گناہ لکھا جاتا ہے کیوں کہ قتل ناحق کی بناء سب سے پہلے اس نے قائم کی تھی۔(صحیح بخاری:3335)

سوال4:اس مقام پر اس قصہ کو لانے کا مقصد کیا ہے؟

جواب: یہ قصہ انسان کے دل ودماغ کو ان احکامات کو قبول کرنے کے لئے آمادہ کردیتا ہے جو سخت سزاؤں سے متعلق ہیں۔

سوال5: ہابیل اور قابیل کا قصہ ظلم اور نیک نفسی کے نمونے پیش کرتا ہے، واضح کریں؟

جواب:﴿1﴾ اس قصے میں ایک بھائی دوسرے بھائی کو قتل کر کے صریح ظلم کرتا ہے اور اس قتل کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔﴿2﴾ اس قصے میں مقتول کی پاک نیتی اور صلح جوئی کا پتہ چلتا ہے جس نے اپنے بھائی کے قتل کے ارادوں کے باوجود اس کے قتل کی تدابیر نہ کیں بلکہ اپنے بھائی کے حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوششیں کیں۔﴿3﴾ اس قصے کی وجہ سے انسان کا ضمیر جوش میں آتا ہے اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ ایسے صریح ظلم کے خلاف قانونِ قصاص ضروری ہے۔(فی ظلال القرآن)

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ (31)

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدتا تھا تاکہ وہ اُسے دکھائے کہ کیسے وہ اپنے بھائی کی لاش چھپائے؟ اُس نے کہا: ”ہائے میری بربادی ! کیا میں اس سے عاجز ہوگیا کہ اس کوے کی مانند ہو جاؤں تو میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپادوں؟“ چنانچہ وہ شرمندہ ہونے والوں میں سے ہوگیا۔(31)

سوال1: فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ” پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدتا

تھا تاکہ وہ اسے دکھائے کہ کیسے وہ اپنے بھائی کی لاش چھپائے‘‘ اللہ تعالیٰ نے لاش چھپانے کے لئے کوے کو کیوں بھیجا؟

جواب:《1》قابیل نے اپنے بھائی کی لاش یوں ہی چھوڑ دی تھی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔《2》یَبۡحَثُ فِی الۡاَرۡضِ کوے کی یہ عادت ہے کہ جب کھانے کی کسی چیز کو کھانا نہیں چاہتا تو زمین کھود کر چھپا دیتا ہے۔《3》کَیۡفَ یُوَارِیۡ سَوۡءَۃَ اَخِیۡہِ ’’ کیسے وہ اپنے بھائی کی لاش چھپائے‘‘ کوے کی وجہ سے بھائی کی لاش کو چھپانے کا طریقہ سمجھ آ گیا۔《4》میت کا بدن بھی ستر ہوتا ہے۔《5》کوے کو دیکھ کر قابیل کو ندامت ہوئی۔

سوال2: کوے کے واقعے سے کیا سبق ملتا ہے؟

جواب:《1》جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور ضمیر کی آواز کی پرواہ نہیں کرتے وہ کوے سے الہام حاصل کرتے ہیں۔ضمیر کی آواز اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہنا چاہیے۔《2》جرم کرنے کے بعد اعتراف اور ندامت کی ضرورت ہوتی ہے۔جرم چھپانے کی تدبیر کرنا شیطانی کام ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کی طرف سے میت کو دفن کرنے کا طریقہ بتایا گیا اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب:《1》لاش کو ختم کرنے کے اور بھی طریقے تھے مثلاً آگ میں جلا دیا جائے یا سمندر میں پھینک دیا جائے لیکن اللہ تعالی کی طرف سے زمین میں دفن کرنے کا طریقہ بتایا گیا۔انسان کا اکرام اسی میں ہے کہ موت کے بعد اسے دفن کر دیا جائے اور انبیاء کرام کا یہی طریقہ ہے۔(تفسیر انوار البیان:106/2)《2》اسلام چونکہ دین فطرت اور خالص حق ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کی ہر بات عدل کے ترازو میں تل کر نکلے۔اصول سے لے کر فروع تک ہر چیز میں ایک قدرتی نکھار ہو اور کوئی حصہ مذہب ایسا نہ ہو جسے انسانی دماغ کا کرشمہ واختراع کہا جا سکے۔مُردوں کے متعلق قدیم (زمانے) سے مختلف زاویہ ہائے نگاہ رہے ہیں۔قدیم مصری لاشوں کو مخفی کر کے خواب گاہوں میں بحفاظت تام رکھتے تھے۔ہندوؤں کا خیال ہے کہ لاش کو گھی وغیرہ میں ڈال کر جلایا جائے۔اسلام اس باب میں بالکل سادہ اور فطری طریق اختیار کرتا ہے یعنی تدفین، کوے کا قصہ اس لیے بیان کیا ہے، تاکہ ابن آدم کا ذہن فوراً تدفین کی طرف منتقل ہو سکے، چنانچہ یہی ہوا۔(تفسیر سراج البیان:267/1)

سوال4: قَالَ یٰوَیۡلَتٰۤی اَعَجَزۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِثۡلَ ھٰذَا الۡغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوۡءَۃَ اَخِیۡ ’’ اُس نے کہا: ’’ ہائے میری بربادی کیا میں اس سے عاجز ہو گیا کہ اس کوے کی مانند ہو جاؤں تو میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: قابیل نے جب بھائی کو قتل کر کے لاش کھلے آسمان تلے ڈال دی تو اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے ایک نے دوسرے کو قتل کیا پھر چونچ سے گڑھا کھود کر اس میں کوے کو ڈال کر اس کے اوپر مٹی ڈال دی۔قابیل نے جب یہ منظر دیکھا تو شرمندہ ہو کر کہنے لگا: ہائے میری بدبختی میں اس کوے سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اپنے بھائی کی لاش نہ دفن کر سکا۔

سوال5: فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِیۡنَ ''چنانچہ وہ شرمندہ ہونے والوں میں سے ہوگیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اپنے بھائی کے قتل کے بعد کووں کی تدبیر کی وجہ سے قابیل نادم ہوا۔تمام گناہوں کا انجام ندامت اور خسارہ ہے۔《2》یہ پشیمانی اور ندامت عذاب پر عذاب تھا۔

مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبۡنَا عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَنَّهٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ فِى الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ (32)

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ یقیناً جس شخص نے کسی جان کو بغیر کسی جان کے (بدلے) قتل کیا یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک جان کو زندہ کیا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا اور بلاشبہ یقیناً اُن کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لائے تھے، پھر بے شک اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں یقیناً حد سے بڑھنے والے ہیں۔(32)

سوال1: مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ''اسی وجہ سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: آدم علیہ السلام کے بیٹوں کے قتل کے معاملے کی وجہ سے جس میں ایک بھائی نے دوسرے سے بھائی کو قتل کر دیا، اللہ تعالیٰ نے قتل کا انجام لکھ دیا کہ دنیا و آخرت میں سخت خسارے والا ہے۔

سوال2: مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ''یقیناً جس شخص نے کسی جان کو بغیر کسی جان کے (بدلے) قتل کیا یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا''، قتل ناحق کے بعد انسانی جان کی قدر و قیمت کو کیسے واضح کیا گیا؟

جواب: جو شخص کسی کو ناحق قتل کر دے تو اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا کیونکہ اس کے پاس کوئی داعیہ نہیں جو اسے تبیین پر آمادہ کرتا اور قتل ناحق کے اقدام سے روکتا۔پس جب اس نے اس جان کو قتل کرنے کی جسارت کی جو قتل ہونے کی مستحق نہ تھی، تب معلوم ہوا کہ اس مقتول ناحق اور دیگر مقتولین کے درمیان کوئی فرق نہیں۔یہ تو نفس امارہ کے داعیے کے مطابق ہے۔پس اس کا اس نفس کو قتل کرنے کی جسارت کرنا تمام نفوس انسانی کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔اس طرح جس نے کسی نفس انسانی کو زندگی بخشی یعنی نفس امارہ کے داعیے کے باوجود کسی نفس کو باقی رکھا اور اسے قتل نہ کیا، اللہ تعالیٰ کے خوف نے اسے قتل ناحق سے روک دیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔کیونکہ اس کے ہمراہ جو خوف الٰہی ہے، وہ اسے ایسے نفس

کے قتل سے روکتا ہے جو قتل کا مستحق نہیں۔(تفسیر سعدی:679/1)﴿2﴾ کسی کو ناحق قتل کرنا اللہ کی نگاہ میں جرم عظیم ہے، اور اس کی وجہ سے شر وفساد کا جو خطرناک دروازہ کھل جاتا ہے، اس کا بند کرنا مشکل ترین کام ہوتا ہے۔ اور جو عفوو درگزر یا کسی اور طریقہ سے کسی کی زندگی کی بقا کا سبب بنے گا، تو وہ گویا تمام لوگوں کی زندگی کا سبب بنے گا۔(تیسیر الرحمٰن:341/1)

سوال3: اللہ تعالیٰ نے کس وجہ سے بنی اسرائیل کے لئے ناحق قتل کو سارے انسانوں کے قتل کی طرح لکھ دیا؟

جواب: قتل ناحق سارے انسانوں کے برابر اس لئے ہے کہ ہر نفس دوسرے نفس کے برابر ہے زندگی کا حق ہر انسان کو حاصل ہے ایک انسان سے زندگی کا حق چھیننا تمام انسانوں سے زندگی کا حق چھیننا ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے قتل کو گناہ کبیرہ اور جرم عظیم کیوں قرار دیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے قتل نفس کو گناہِ کبیرہ اور جرم عظیم قرار دیا ہے اس کی چار وجوہات ہیں۔﴿1﴾ انسانیت کے اندر مجرموں کی موجودگی کی وجہ سے ناحق قتل کو سارے انسانوں کے قتل کی طرح لکھ دیا۔﴿2﴾ شر اور ظلم سے بھاگنے والوں کے خلاف قاتلوں کے ارتکاب جرم کی وجہ سے۔﴿3﴾ بعض لوگ جو فطری طور پر شر پسند ہوتے ہیں ان پر نصیحت اثر نہیں کرتی۔﴿4﴾ جن پر نصیحت اثر نہیں کرتی ان کے لئے امن کی بات چیت مفید نہیں ہوتی۔

سوال5: كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ''ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا'' کیا یہ اصول صرف بنی اسرائیل کے لئے تھا؟

جواب: یہ اصول صرف بنی اسرائیل کے لئے نہیں تھا، ہمیشہ کے لئے ہے۔ سلیمان بن ربعی کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا یہ آیت ہمارے لئے بھی ہے جس طرح بنی اسرائیل کے لئے تھی۔ انہوں نے فرمایا: ہاں قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بنی اسرائیل کے خون ہمارے خونوں سے زیادہ قابل احترام نہیں۔(ابن کثیر)

سوال6: اس آیت کریمہ کے مطابق قتل کن امور کی بناء پر جائز ہے؟

جواب: یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ دو امور کی بنا پر قتل جائز ہے:﴿1﴾ اگر کسی نے جان بوجھ کر ناحق قتل کیا ہو، اگر قاتل مکلّف اور بدلہ لئے جانے کے قابل ہو، وہ مقتول کا باپ نہ ہو، تو اسے (قصاص میں) قتل کرنا جائز ہے۔﴿2﴾ وہ لوگ جو لوگوں کے دین، جان اور اموال کو ہلاک کر کے زمین میں فساد برپا کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں، مثلاً مرتدین، اہل کفر، محاربین اور بدعات کی طرف دعوت دینے والے وہ لوگ جن کو قتل کیے بغیر ان کے شر وفساد کا سد باب نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح وہ راہزن وغیرہ ہیں جو لوگوں کا مال لوٹنے یا ان کو قتل کرنے کے لیے شاہراہوں میں لوگوں پر حملہ کر دیتے ہیں۔(تفسیر سعدی:679/1)

سوال7: وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ''اور جس نے کسی ایک جان کو زندہ کیا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جوعفوودرگزریاکسی اورطریقہ سے کسی کی زندگی کی بقا کا سبب بنے گا،تووہ گویا تمام لوگوں کی زندگی کا سبب بنے گا۔ (تیسیر الرحمٰن:341/1)

سوال8: قانونِ قصاص تمام زندہ لوگوں کو زندگی دینے کا مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے واضح کریں؟

جواب: قانونِ قصاص سے زندہ رہنے کا حق فراہم ہوتا ہے جس میں تمام لوگ شریک ہیں۔

سوال9: قانونِ قصاص کی ذمہ داریاں جو ہر فردِ ملت پر عائد ہوتی ہیں ان کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ قتل کا ہر حادثہ پوری قوم میں ایک ہلچل پیدا کردے جب تک اس کا قصاص نہ لے لیا جائے ہر شخص یہ محسوس کرے کہ وہ اس تحفظ سے محروم ہوگیا ہے جو اس کو اب تک حاصل تھا۔قانون ہی سب کا محافظ ہوتا ہے۔ اگر قانون منہدم ہوگیا تو صرف مقتول ہی قتل نہیں ہوا بلکہ ہر شخص قتل کی زد میں ہے۔﴿2﴾ دوسری یہ کہ قاتل کا کھوج لگانا صرف مقتول کے وارثوں ہی کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ پوری جماعت کی ذمہ داری ہے اس لئے کہ قاتل نے صرف مقتول ہی کو قتل نہیں کیا بلکہ سب کو قتل کیا ہے۔﴿3﴾ تیسری یہ کہ کوئی شخص اگر کسی کو خطرے میں دیکھے تو اس کو پرایا جھگڑا سمجھ کر نظرانداز کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے بلکہ اسکی حفاظت وحمایت تا بہ حد مقدور اس کے لئے ضروری ہے اگرچہ اس کے لئے اسے خود جوکھم برداشت کرنی پڑے۔اس لیے کہ جو شخص کسی مظلوم کی حمایت و مدافعت میں سینہ سپر ہوتا ہے وہ صرف مظلوم ہی کی حمایت میں سینہ سپر نہیں ہوتا بلکہ تمام خلق کی حمایت میں سینہ سپر ہوتا ہے جس میں وہ خود بھی شامل ہے۔﴿4﴾ چوتھی یہ کہ اگر کوئی شخص کسی قتل کو چھپاتا ہے یا قتل کے حق میں جھوٹی گواہی دیتا ہے یا قتل کا ضامن بنتا ہے، یا قاتل کو پناہ دیتا ہے۔یا قاتل کی دانستہ وکالت کرتا ہے یا دانستہ اس کو جرم سے بری کرتا ہے وہ گویا خود اپنے اور اپنے باپ، بھائی، بیٹے کے قاتل کے لئے یہ سب کچھ کرتا ہے کیونکہ ایک کا قاتل سب کا قاتل ہے۔﴿5﴾ پانچویں یہ کہ کسی مقتول کے قصاص کے معاملے میں مقتول کے وارثوں یا حکام کی مدد کرنا بھی درحقیقت مقتول کو زندگی بخشنا ہے۔اس لئے کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ قصاص میں زندگی ہے۔(تدبرالقرآن)

سوال10: وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ''اور بلاشبہ یقیناً اُن کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لائے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے انسانی دنیا میں امن وامان قائم رکھنے کو صرف فرض ہی نہیں بتایا بلکہ مسلسل رسول بھیجے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات یاددلاتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سکھاتے رہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کے احترام کے قانون کے ساتھ ہدایت کے مکمل قانون کی یاددہانی کروائی ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی راہ نمائی کا

انتظام جاری رہا ہے۔《3》ہدایات کے باوجود اکثر لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔《4》ان دلائل نے کسی کے پاس کوئی حجت نہیں رہنے دی۔

سوال 11: ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ''پھر بے شک اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں یقیناً حد سے بڑھنے والے ہیں'' انسانوں کی جانب سے سب سے بڑا اسراف اور زیادتی کیا ہے؟

جواب: انسانوں کی جانب سے اسراف اور زیادتی یہ ہے کہ《1》وہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کریں۔《2》اللہ تعالیٰ کی شریعت کو چھوڑ دیں۔《3》اللہ تعالیٰ کی شریعت میں تبدیلی پیدا کریں۔《4》 گناہوں کے اعمال اور انبیاء و رسل کی مخالفت میں جو کہ واضح دلائل اور براہین کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں، حد سے بڑھ جائیں۔

سوال 12: لَمُسْرِفُوْنَ ''یقیناً حد سے بڑھنے والے ہیں'' میں کس صورت حال کی طرف اشارہ ہے؟

جواب:《1》وہ صورت حال جو مسلمانوں کو مدینہ میں پیش آ رہی تھی۔《2》یہود نے مسلمانوں کے ساتھ صلح اور امن کے کئی معاہدے کر رکھے تھے لیکن انہوں نے ان معاہدوں کا احترام نہیں کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہمیشہ نقصان پہنچانے کی سازشیں کیں۔ (ا) قریش نے مسلمانوں پر جتنے حملے کئے ان سب میں یہود شریک رہے۔ (ب) انصار اور مہاجرین کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی انہوں نے بارہا کوششیں کیں۔ (ج) عورتوں اور بچوں کے اغواء میں یہ نہایت سنگ دل واقع ہوئے تھے۔ (د) نبی ﷺ کے قتل کی انہوں نے بارہا سازشیں کیں۔ (و) مسلمانوں کو ہمیشہ ان سے عزت اور جان کا دھڑ کا لگا رہتا تھا۔ (ھ) مسلمان جب انہیں کسی معاملے پر گفتگو کے لئے بلاتے تو ان کو ہلاک کرنے کے لئے پہلے ہی سازششیں تیار رکھتے تھے۔ (تدبر القرآن)《3》اس آیت کے ذریعے واضح کیا گیا ان میں سے بکثرت لوگ زیادتیاں کرنے والے ہیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (33)

یقیناً ان لوگوں کی جزا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھائے جائیں یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے بری طرح کاٹ دیئے جائیں یا اُنہیں اس زمین سے باہر نکال دیا جائے، یہ اُن کے لیے دنیا میں رُسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ (33)

سوال1: یہ آیت کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ؟

جواب: ابن جریر نے یزید بن ابی حبیب سے روایت کیا ہے کہ عبد الملک بن مروان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس اس آیت کریمہ (اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ) (الخ) کے بارے میں دریافت کرنے کے متعلق لکھا، انھوں نے جواب میں لکھا کہ آیت اصحاب عرینہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، وہ مرتد ہو گئے تھے اور رسول اکرم ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا تھا اور آپ کے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے تھے۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی)

سوال2: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ''یقیناً ان لوگوں کی جزا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ سے کفر کرنا مراد ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ سے مراد ان کی اطاعت سے نکل جانا اور مومن پر ہتھیار اٹھانا اور انہیں قتل کرنا اور ان کے اموال سلب کرنا اور ان کی حرمتوں پر زیادتی کرنا ہے۔ (ایسر التفاسیر:340)

سوال3: اللہ تعالیٰ اور رسول کے ساتھ جنگ (محاربت) سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ کسی مسلمان حکومت کے خلاف بغاوت کرنا جو حکومت شریعت کے مطابق چلائی جا رہی ہو۔ ﴿2﴾ اس بغاوت میں باغی اجتماعی طور پر لوگوں کے اندر خوف وہراس پھیلا رہے ہوں۔ ﴿3﴾ اس گروہ کی جانب سے دار الاسلام کے باشندوں کو مالی، جانی اور عزت کے نقصان کے خطرات لاحق ہوں۔ ﴿4﴾ یہ بغاوت صرف سربراہ مملکت کے خلاف نہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی شریعت کے خلاف ہو۔ ﴿5﴾ بغاوت اس سربراہِ مملکت کے خلاف ہو جو شریعت کے مطابق سربراہ بنا ہو اور شریعت کو نافذ کرنے والا ہو۔ (فی ظلال القرآن)

سوال4: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ محاربت کے مرتکب کون لوگ ہوتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ محاربت کے مرتکب وہ لوگ ہیں جو اس کے ساتھ عداوت ظاہر کرتے ہیں اور قتل وغارت، کفر، لوٹ مار اور شاہراہوں کو غیر محفوظ بنانے کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:680/1)

سوال5: محاربت کی شرعی سزائیں کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ قتل۔ ﴿2﴾ سولی چڑھانا۔ ﴿3﴾ ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ ڈالنا۔ ﴿4﴾ جلاوطن کر دیا جانا۔

سوال6: وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا ''اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جو اللہ تعالیٰ کی زمین میں نافرمانیوں کے کام کرتے ہیں۔ مومنوں کا مال لوٹتے ہیں، قتل کرتے ہیں، دہشت پھیلاتے

ہیں، شاہراؤں پر سفر کرنا بند کردیتے ہیں جس کی وجہ سے راستے منقطع ہو جاتے ہیں۔

سوال7: اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ اَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ''یہی ہے کہ وہ قتل کردیئے جائیں یا سولی چڑھائے جائیں یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے بری طرح کاٹ دیئے جائیں یا اُنہیں اس زمین سے باہر نکال دیا جائے'' کیا امام کو اختیار ہے کہ باغیوں کو وہ ان سزاؤں میں سے جو چاہے سزا دے یا کہ ان جرائم میں سے ہر جرم کی الگ سزا ہے؟

جواب: اصحاب تفسیر میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ان سزاؤں میں اختیار ہے اور امام یا اس کا نائب، ہر راہزن کو اپنی صوابدید اور مصلحت کے مطابق ان سزاؤں میں سے کوئی سزا دے سکتا ہے۔﴿2﴾ آیت کریمہ کے الفاظ سے یہی ظاہر ہوتا ہے یا ان کی سزا ان کے جرم کے مطابق دی جائے گی اور ہر جرم کے مقابلے میں ایک سزا ہے جیسا کہ آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے اور اس آیت کریمہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہے یعنی اگر وہ قتل اور لوٹ مار کا ارتکاب کریں تو ان کو قتل کرنے اور سولی دینے کی سزا حتمی ہے۔ یہاں تک کہ ان کا سولی دیا جانا مشہور ہو جائے اور دوسرے لوگ لوٹ مار اور راہزنی سے باز آجائیں۔ اگر وہ لوگوں کو قتل کریں اور مال نہ لوٹیں تو ان کو صرف قتل کیا جائے۔ اگر وہ صرف مال لوٹیں اور لوگوں کو قتل کرنے سے باز رہیں تو مخالف سمت ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ اگر صرف لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور دہشت پھیلانے کے مرتکب ہوئے ہوں اور انہوں نے کسی کا مال لوٹا ہو نہ کسی کو قتل کیا ہو تو ان کو جلاوطن کیا جائے گا اور ان کو کسی شہر میں پناہ نہیں لینے دی جائے گی یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں۔ یہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ (تفسیر سعدی:680,681/1)

سوال8: قانون محاربہ کے استعمال کی مثالیں دیں؟

جواب:﴿1﴾ عکل اور عرینہ کو نبی ﷺ نے جو سزا دی امام بخاری نے ان کی سزا کو اس آیت کے تحت لیا ہے۔﴿2﴾ بنو نضیر، بنو قریضہ، بنو قینقاع کے ساتھ جو معاملہ نبی ﷺ نے کیا۔﴿3﴾ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوۃ کی سرکوبی بھی اسی قانون کے تحت کی۔﴿4﴾ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں یہود کو عرب سے نکال باہر کیا۔ اسی قانون کے تحت کیا گیا۔

سوال9: ذٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡیٌ فِی الدُّنۡیَا ''یہ اُن کے لیے دنیا میں رُسوائی ہے'' کیا دنیا کی سزا کے بعد آخرت کی سزا ساقط ہو جائے گی؟

جواب: دنیا کی سزا کی وجہ سے آخرت میں گناہ اور گندگی سے پاک نہ ہوں گے۔ اسی لئے دنیا کی رسوائی کے ساتھ آخرت میں عذاب عظیم کی وعید سنائی گئی ہے۔

سوال10: وَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ''اور آخرت میں اُن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》راہزنوں کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔《2》یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ راہزنی بڑے گناہوں میں شمار ہوتی ہے۔《3》راہزنی کا مرتکب اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرتا ہے اس لیے دنیا کی رسوائی اور آخرت میں عظیم عذاب ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ(34)

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس سے پہلے توبہ کی کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔(34)

سوال1: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ''سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس سے پہلے توبہ کی کہ تم ان پر قابو پاؤ'' کیا حکومت کے ایکشن سے پہلے اگر کوئی توبہ کر لے اپنے رویے کی اصلاح کر لے تو ان باغیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟

جواب:《1》محاربین میں سے جو لوگ حکومت کے ایکشن سے پہلے توبہ کر لیں ان کے خلاف پچھلے رویے کی وجہ سے اقدام نہیں کیا جائے گا۔《2》اب ان کے ساتھ عام قانون کے تحت معاملہ ہوگا۔ان سے جرم اور گناہ ساقط ہو جائیں گے۔《3》ان کے ہاتھوں جن کے حقوق تلف ہوئے ہوں تو ان کی تلافی کرا دی جائے گی۔اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ محارب قابو میں آ جائے تو اس کی توبہ معتبر نہیں، نہ ہی سزا ساقط ہوگی۔

سوال2: فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ''تو جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' توبہ کرنے والوں کی سزا اور جرم معاف کرنے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟

جواب:《1》توبہ کی حوصلہ افزائی کی جائے جب کہ وہ قوت ہونے کے باوجود، بغاوت جاری رکھ سکنے کے باوجود ہدایت پر آ گئے۔《2》ایسے لوگوں کو دیکھ کر دوسرے افراد بھی توبہ اور اصلاح کے لئے آمادہ ہو جائیں گے۔《3》جنگ اور مقابلے سے مغلوب کرنے کے مقابلے میں اصلاح کا آسان طریقہ ہے۔

سوال3: اس رکوع سے کون سے اصول ملتے ہیں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کے عہد پر قائم رہنے کے لئے اصل چیز یہ ہے کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کا ایسا خوف ہو جو سخت سے سخت آزمائش کے موقع پر بھی اس کے قدم راہِ حق پر استوار رکھے۔اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنا ہے۔《2》عہد توڑنے کا سبب وہ فاسد جذبات ہیں جو شیطان کے اکسانے سے پیدا ہوتے ہیں۔وہ انسان کو آخرکار ایسے جرائم پر آمادہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عہد کے خلاف ہوتے ہیں۔لہٰذا فاسد جذبات سے بچنے کے لئے شیطان کی اکساہٹوں سے پناہ مانگنی ہے اور شعوری

طور پران اکساہٹوں کومحسوس کر کے اپنے آپ کواس کی دشمنی سے بچانا ہے۔《3》حق پر مرجانا باطل پر زندہ رہنے سے ہزار درجے بہتر ہے۔ہابیل نے اپنی شہادت سے آنے والی نسلوں کے لئے مثال قائم کی لہذا جینا ہے تو حق پر، باطل پر زندگی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی ہے۔انشاءاللہ《4》اللہ تعالیٰ پر ایمان، اللہ تعالیٰ کی عبادت، عبادت کے لئے اخلاص اورتقوی کی شرط، عدل کا تصور،قتل نفس کا جرم ہونا جنت اور دوزخ کا عقیدہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکامات ہیں ان کا عہد اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اوراس کی امت سے لیا ہے۔ اس سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہورہی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ابتدائی انسان حق اورعدل کے ان تصورات سے بالکل خالی تھے جواب اس کے اندر پائے جاتے ہیں۔《5》آزادی اور حکمرانی کی ذمہ داریوں کے لئے خود اعتمادی اوراولوالعزمی ضروری ہے،مصر کی غلامی نے بنی اسرائیل سے جب یہ صفات ختم کردیں تو اللہ تعالیٰ نے صحرا کی بھٹی میں تپا کران کے اندر یہ جوہر پیدا کیا۔《6》اللہ تعالیٰ نے اجتماعی ترقی کے لئے جو زینے بنادیئے ہیں ان کو طے کیے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی۔《7》عمل اوراطاعت کی ذمہ داریوں سے کوئی بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔

رکوع نمبر10

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (35)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤ اوراس کی طرف قرب تلاش کرو اوراس کی راہ میں جہاد کروتا کہ تم کامیاب ہوجاؤ۔(35)

سوال1: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کوتقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جوکہ ایمان کا تقاضا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جوحکم دیا ہے اس سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس کی اطاعت کریں اورجس سے روکا ہے اس کے عذابوں کے خوف سے ان کاموں سے رک جائیں۔

سوال2: آخرت کی ابدی کامیابی کے لیے اسلام کیا لائحہ عمل دیتا ہے؟

جواب:《1》ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔《2》اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کریں۔《3》اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں۔

سوال3: وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ”اوراس کی طرف قرب تلاش کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》وسیلہ کے معنی قربت کے ہیں۔اور وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرو۔یعنی ایسا کام

کروجس سے اللہ تعالیٰ سے جڑ جاؤ۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کا قرب، اس کے پاس مرتبہ اوراس کی محبت طلب کرو۔ یہ چیز فرائض قلبی مثلاً محبت الٰہی، اس کے خوف، اس پر امید، اس کی طرف انابت اوراس پر توکل، فرائض بدنی مثلاً زکوٰۃ اورحج وغیرہ اورقلب وبدن سے مرکب فرائض مثلاً نماز، ذکر، تلاوت اورلوگوں سے اپنے اخلاق، مال، علم، جاہ اوربدن کے ذریعے سے بھلائی سے پیش آنے اوران کی خیرخواہی کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ پس یہ تمام اعمال تقرب الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ بندہ اعمال کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کان بن جاتا ہے جن کے ذریعے سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس کے ذریعے وہ دیکھتا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہے جن کے ذریعے سے وہ چلتا ہے اوراللہ تعالیٰ اس کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی:682/1)﴿3﴾ حدیث میں مقام محمود کو وسیلہ کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جوشخص اذان سن کر یہ کہے اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ آتِ مُحَمَّدًاالْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًامَحْمُوْدًاالَّذِیْ وَعَدْتَہٗ اسے قیامت کے دن میری شفاعت ملے گی۔“ (صحیح بخاری:614)

سوال4: وسیلہ کی حقیقت واضح کریں؟

جواب:﴿1﴾ وسیلہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس سے مراد ایسا عمل ہے جس کے ذریعے رغبت کے ساتھ کسی کا قرب حاصل کیا جائے۔ جنت کے سب سے اعلیٰ مقام کو بھی وسیلہ کہتے ہیں۔﴿2﴾ شریعت کی اصطلاح میں وسیلہ عبادت اوراعمال صالح کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اس کی رضا کے تمام راستوں پر چل کر اسے خوش کرنا ہے تاکہ آخرت کی کامیابی نصیب ہو۔ وسیلہ وہ سبب ہے جس کے ذریعے وسیلہ چاہنے والا اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچتا ہے اورمقبول بارگاہ بنتا ہے۔ ﴿3﴾ قرآن وسنت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ان اعمال صالح کو وسیلہ بنائیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ عمل صالح وہ عمل ہے جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، اس کے خوف کے تحت نبی ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کیا جائے۔ رب العزت نے فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ آپ کہہ دیں اگرتم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا اورتمہارے گناہ معاف کرے گا۔ اوراللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، بے حد رحم والا ہے۔ (آل عمران:31)﴿4﴾ شرعی وسیلہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم دیا اورجس کی نبی ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ ان اعمال کو اپنا کر اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کریں۔﴿5﴾ ممنوع وسیلہ یہ ہے کہ ایسے اعمال وسیلہ سمجھ کر اختیار کئے جائیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اورمحمد رسول اللہ ﷺ کی سنت اوراس کی روح کے خلاف ہوں بلکہ شریعت میں ان کی حیثیت حرام یا مکروہ کی ہو۔﴿6﴾ دنیاوی وسیلے

ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں۔(الف) مثلاً رزق حاصل کرنے کے لیے تجارت، ملازمت یا اجرت وغیرہ۔ یہ سب جائز ذرائع ہیں لیکن رزق کے حصول کے لیے سود، چوری، ذخیرہ اندوزی اور خیانت کو ذریعہ بنایا جائے تو یہ حرام ہے۔(ب) اسی طرح صحت کے حصول کے لیے حلال دواؤں سے علاج کروانا جائز ہے لیکن حرام، زہریلی اور ناپاک دواؤں سے علاج کروانا حرام ہے اور صحت نہ ملنے پر کسی درگاہ پر حاضری دینا، قبر والے کو پکارنا، فریادیں کرنا شرک اکبر ہے۔《7》 نکاح کرنے کے لیے پیغام دینا جائز ہے۔ رشتہ منظور نہ ہونے کی صورت میں کسی جادوگر کے پاس جا کر ایسی تدبیر کرنا کہ لڑکی خود اس کی محبت میں گرفتار ہو جائے، یہ شریعت کی نظر میں حرام ہے۔《8》 کسی کا مال چوری ہو جائے اور چور نہ ملے تو کسی عامل کے جن کے ذریعے چور کا پتہ لگانا شرعاً حرام ہے اس لیے کہ کوئی غیب کی خبر نہیں جانتا۔

مشروع وسیلے:《1》 خالص ایمان کا وسیلہ۔《2》 نماز کا وسیلہ۔《3》 روزے کا وسیلہ۔《4》 حج کا وسیلہ اور بہترین وسیلہ۔《5》 عمرہ کا وسیلہ۔《6》 صدقے کا وسیلہ۔《7》 جہاد کا وسیلہ۔《8》 استغفار کا وسیلہ۔《9》 دعا کا وسیلہ۔《10》 درود کا وسیلہ۔《11》 قرآن مجید کا وسیلہ۔《12》 اسمائے حسنیٰ کا وسیلہ۔《13》 مؤمن بھائی کی دعا کا وسیلہ۔《14》 نیک اعمال کا وسیلہ۔《15》 گناہوں سے بچنے کا وسیلہ۔

حرام وسیلے:《1》 اولیاء اللہ اور نیک لوگوں سے فریادیں کرنا۔《2》 غیر اللہ کے لیے نذر ماننا۔《3》 قبروں پر جانور قربان کرنا۔《4》 کسی کے حق کا وسیلہ لینا۔《5》 کسی کے جاہ و مرتبہ کا وسیلہ لینا۔

سوال5: مومن کے لیے دنیا میں سب سے بڑی چیز کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی قربت، یہ قربت اپنی مکمل صورت میں تو آخرت میں مومن کو حاصل ہو گی لیکن اس کا عمل جب اسے اللہ تعالیٰ سے قریب کرتا ہے تو ایک احساس کی صورت میں اس کا تجربہ مومن کو دنیا میں بھی ہونے لگتا ہے۔

سوال6: اللہ تعالیٰ کی قربت تک پہنچنے کے ذرائع کیا ہے؟

جواب: تقویٰ اور جہاد۔ اللہ تعالیٰ کی قربت کے لیے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی گزارنا تقویٰ ہے اور ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کی جدوجہد کا نام جہاد ہے۔

سوال7: اللہ تعالیٰ کی قربت کے لیے تقویٰ اور جہاد کا کیا کردار ہے؟

جواب:《1》 تقوٰی: دل کا چوکیدار ہے۔ انسان لوگوں کی نظروں سے چھپا ہوا ہوتا ہے لیکن تقویٰ اس کا نگران ہوتا ہے۔ تقویٰ برائی اور بے حیائی سے روکتا ہے۔ تقویٰ دل کی زندگی کا باعث بنتا ہے۔ دل کی دنیا کی اصلاح کرتا ہے۔ ضمیر اور روح کی زندگی کا باعث بنتا ہے۔ اور یوں انسان وہ طرزِ عمل اختیار کرتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیتا ہے۔《2》 جہاد: مومن

کی زندگی میں ایساوقت آتا ہے جب وہ اپنے آپ کو خیراور شر کے درمیان ،حق اور ناحق کے درمیان کھڑا ہوا پاتا ہے۔اگر وہ حق کی طرف بڑھے تو اس کی انا ٹوٹتی ہے اور اس کی دنیا کی مصلحت بکھرتی ہوئی نظر آتی ہے۔جب وہ حق کو چھوڑتا ہے تو اس کی انا برقرار رہتی ہے۔ مصلحتیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔اس وقت جو انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور ناحق کو نظر انداز کر کے اللہ تعالیٰ کو پکڑ لے اور ہر مشکل اور مصیبت کو جھیل کر اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھے تو یہی جہاد ہے۔یہ چیز انسان کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرتی ہے۔اس قربت کا تجربہ ایک احساس کی صورت میں انسان کو اسی وقت ہو جاتا ہے۔

سوال8:وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ ''اور اس کی راہ میں جہاد کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اے مومنو!میرے راستے میں میرے اور اپنے دشمنوں سے جہاد کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی شریعت کے لیے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کی ہے وہ اسلام ہے۔(جامع البیان:244/6)《2》پھر اللہ کے قریب کرنے والی عبادت میں سے جہاد فی سبیل اللہ کا خصوصی طور پر بیان کیا اور یہ جہاد نام ہے کافروں کے ساتھ لڑائی میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے کا،مال،جان،رائے،زبان کے ذریعے سے اور اللہ کے دین کی مدد میں اپنی مقدور بھر سعی و کوشش کرنے کا۔اس لیے کہ عبادت کی یہ قسم تمام طاعات میں سب سے زیادہ جلیل القدر اور قربات میں سب سے افضل ہے،نیز یہ کہ جو اس کی ادائیگی کا اہتمام کر لیتا ہے،وہ دیگر فرائض وعبادات بہ طریق اولیٰ بجالاتا ہے۔(تفسیر سعدی:682/1)

سوال9:لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ''تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》فلاح مکروہ سے نجات پانے اور پسندیدہ چیز سے کامیابی حاصل کرنے کے لیے اسم جامع ہے۔(تفسیر رازی:220/11)
《2》فلاح اپنے ہر مطلوب ومرغوب کے حصول میں کامیابی اور مرہوب سے نجات کا نام ہے پس اس کی حقیقت ابدی سعادت اور دائمی نعمت ہے۔(تفسیر سعدی:682/1)《3》تُفْلِحُوْنَ:تم آگ سے نجات پاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔(ایسر التفاسیر:342)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ(36)

یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اگر واقعتاً ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اور بھی اس کے ساتھ ہو تا کہ وہ اس کو قیامت کے دن کے عذاب سے فدیے میں دے دیں تو ان سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے(36)

سوال1:اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ

’’یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اگر واقعتاً ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اور بھی اس کے ساتھ ہوتا کہ وہ اس کو قیامت کے دن کے عذاب سے فدیے میں دے دیں تو ان سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا‘‘ اللہ تعالیٰ کے ماسوا دوسرے وسائل پر اعتماد کرنے والوں کا انجام کیا ہے؟

جواب: ’’یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا‘‘ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی بجائے دنیا کے ڈر کو اختیار کیا، اللہ تعالیٰ کی قربت کی بجائے بے بنیاد سہاروں کے اعتماد پر زندگی گزاری، اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرگرم عمل ہونے کی بجائے خیالی سفارشوں کے سہارے زندگی گزار دی اور یہ سوچا کہ آخرت کی کامیابیاں ان کا مقدر بننے والی ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کی۔ ﴿1﴾ ساری زمین کے خزانوں کے مالک بن جائیں اتنے ہی اور مل جائیں اور فدیے میں دے کر اپنا آپ چھڑانا چاہیں تب بھی آخرت کے عذاب سے نجات نہیں ملے گی۔ ﴿2﴾ ’’اگر واقعتاً ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اور بھی اس کے ساتھ ہوتا کہ وہ اس کو قیامت کے دن کے عذاب سے فدیے میں دے دیں تو ان سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا‘‘ کے لیے ابدی اور دائمی عذاب ہوگا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دوزخ کے سب سے کم عذاب پانے والے یعنی ابوطالب سے پوچھے گا اگر تمہیں روئے زمین کی ساری چیزیں میسر ہوں تو کیا تم ان کو فدیہ میں اس عذاب سے نجات پانے کے لیے دے دو گے؟ وہ کہے گا ہاں! اللہ فرمائے گا میں نے تم سے اس سے بھی سہل چیز کا اس وقت مطالبہ کیا تھا جب تم آدم کی پیٹھ میں تھے کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا لیکن تم نے توحید کا انکار کیا آخر شرک ہی کیا! (صحیح بخاری: 6557) رب العزت نے فرمایا: وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ اور اگر واقعی اُن کے پاس جنہوں نے ظلم کیا، وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اُس کے ساتھ اُس کی مانند اور بھی ہو تو وہ قیامت کے دن کے بُرے عذاب سے بچنے کے لیے ضرور اُسے فدیے میں دے دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی جناب سے اُن پر وہ ظاہر ہو جائے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں رکھتے تھے۔ (الزمر: 47)

سوال 2: وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ’’اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پانے کی کوئی صورت نہیں ہوگی اس لیے فرمایا ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 435/1)

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (37)

وہ ارادہ کریں گے کہ آگ سے نکل جائیں حالانکہ وہ اس سے ہرگز نکلنے والے نہیں ہوں گے اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔ (37)

سوال1: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ''وہ ارادہ کریں گے کہ آگ سے نکل جائیں حالانکہ وہ اس سے ہرگز نکلنے والے نہیں ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہ آخرت کے عذاب کا منظر ہے جہاں کفر کرنے والے آگ سے نکلنے کا ارادہ کر رہے ہیں مگر بھاگ نہیں سکتے۔ ﴿2﴾ ان کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ وہاں ہمیشہ رہیں۔ ﴿3﴾ اس منظر سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا احساس دلایا جا رہا ہے کہ اُس کا حکم فیصلہ کن ہے کل جاری ہو جائے گا تو بچ نہیں پاؤ گے پھر آج کیوں نہیں مان لیتے؟ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ جب کبھی وہ ارادہ کریں گے کہ اُس سے نکلیں تو اُس میں لوٹا دیے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ اب آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ (السجدہ:20)

سوال2: وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ''اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: کفر وہ بدنصیبی ہے جس کی تلافی ساری کائنات دے کر بھی نہیں ہو سکتی۔ وہ لوگ جو اس دنیا میں حقائق سے منہ پھیرتے ہیں۔ حشر میں شفقت و رحمت کے چشموں کو سوکھا ہوا پائیں گے اور کوئی کوشش انہیں جہنم کے عذاب مقیم سے باہر نہ نکال سکے گی۔ (سراج البیان:1/269)

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (38)

اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، سو تم دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، (یہ) اس کا بدلہ ہے جو ان دونوں نے کمایا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ہے، اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (38)

سوال1: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا ''اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، سو تم دونوں کے ہاتھ کاٹ دو'' اسلام میں چوری کی سزا کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ چور اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسرے کا قابل احترام مال، اس کی رضامندی کے بغیر خفیہ طور پر ہتھیاتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1/683) ﴿2﴾ چوری کا شمار کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے جو بدترین سزا کا موجب ہے یعنی دایاں ہاتھ کاٹنا، جیسا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی قراءت میں آتا ہے۔ ہاتھ کا اطلاق کلائی کے جوڑ تک ہتھیلی پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی چوری کرتا ہے تو ہاتھ کلائی سے کاٹ دیا جائے اور اس کے بعد تیل میں داغ دیا جائے تاکہ رگیں مسدود ہو جائیں اور خون رک جائے۔ (تفسیر سعدی:1/684) ﴿3﴾ (پہلی بار) چوری کرے تو دایاں ہاتھ کاٹ دو پھر (دوسری بار) چوری کرے تو اس کا (بایاں) پاؤں کاٹ دو پھر (تیسری بار) چوری کرے تو اس کا (بایاں) ہاتھ کاٹ دو۔ پھر (چوتھی بار) چوری کرے تو اس کا (دایاں) پاؤں کاٹ دو۔ (شرح السنہ بحوالہ مشکوۃ کتاب الحدود)

سوال2: فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا ''سو تم دونوں کے ہاتھ کاٹ دو'' قطع ید کی سزا کے لیے شرائط کیا ہیں؟

جواب:《1》 کسی قدر و قیمت رکھنے والی چیز کی چوری ہو۔《2》 محفوظ کئے ہوئے مال کی چوری کیگئی ہو۔《3》 مجنون اور نابالغ کی چوری پر اس کا اطلاق نہیں ہوگا۔《4》 اضطرار کے شبے پر حد نافذ نہیں کی جائے گی۔《5》 کسی کے بیوی بچے یا گھریلو ملازم اگر مال میں سے کچھ چوری کرلیں تو یہ قانون کے دائرے سے الگ ہے۔《6》 جس مال میں چوری کرنے والے کا حصہ ہو یا وہ مال اس کی حفاظت یا امانت میں ہو اس کی چوری پر بھی حد نہیں لگے گی۔ حد سرقہ کے نفاذ کے لیے دارالاسلام کا ہونا شرط ہے۔

سوال3: چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا کا اطلاق کتنے نصاب پر ہوگا؟

جواب:《1》 نصاب: چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے مال مسروقہ کا نصاب ضروری ہے۔ یہ نصاب کم از کم ایک چوتھائی دینار یا تین درہم یا ان میں سے کسی ایک کے برابر ہو۔ مال مسروقہ اگر اس نصاب سے کم ہو تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ شاید یہ لفظ سرقہ اور اس کے معنی سے ماخوذ ہے کیونکہ لفظ ''سرقہ'' سے مراد ہے کوئی چیز اس طریقے سے لینا جس سے احتراز ممکن نہ ہو اور یہ اسی وقت ہی ہوگا کہ مال کو حفاظت کے ساتھ رکھا گیا ہو۔ اگر مال کو حفاظت کے ساتھ نہ رکھا گیا تو اس مال کا لینا شرعی سرقہ کے زمرے میں نہیں آئے گا۔ (تفسیر سعدی:683/1)《2》 چوری کے اطلاق کے لیے ضروری ہے کہ مال محفوظ جگہ سے اٹھایا گیا ہو، یہاں مال کی حفاظت سے مراد وہ حفاظت ہے جو عادتاً کی جاتی ہے۔ چور نے اگر کسی ایسے مال کی چوری کی ہو جو حفاظت میں نہ ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (تفسیر سعدی:683/1)

سوال4: اسلام میں چوری کی سزا اتنی سخت کیوں ہے؟

جواب:《1》 اسلامی ریاست ایسا ماحول فراہم کرتی ہے جس میں کوئی معتدل شخص چوری کے بارے میں سوچ ہی نہ سکے۔
《2》 اسلامی ریاست اپنے باشندوں کو معاشی کفالت، اخلاقی تربیت اور درست طرز عمل اختیار کرنے کی ضمانت دیتی ہے۔
《3》 اسلام ہر فرد کو زندہ رہنے اور زندگی کی بقاء کے لیے تمام وسائل استعمال کرنے کا اختیار دیتا ہے اگر ایک فرد اپنی ضروریات کی کفالت نہیں کرسکتا تو اس کا یہ حق اسلامی معاشرے پر عائد کیا گیا کہ وہ اس کی بنیادی ضروریات فراہم کرے۔
《4》 اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ان تمام لوگوں کو روزگار فراہم کرے جو کام کے قابل ہوں۔《5》 اسلامی حکومت لوگوں کو کام کرنے کی تربیت بھی دے گی، مواقع اور کام کے اوزار بھی فراہم کرے گی۔《6》 اسلام دولت کے ارتکاز پر پابندیاں عائد کرتا ہے صرف حلال ذرائع سے دولت جمع کی جاسکتی ہے۔《7》 اسلامی معاشرے میں جو شخص دولت کماتا ہے، سود نہیں کھاتا، دھوکہ دہی نہیں کرتا، ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا، مزدوروں کی مزدوری نہیں مارتا، زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور اسلامی معاشرے کو ٹیکس بھی ادا کرتا ہے۔ ایسے شخص کا حق ہے کہ اس کے مال کو چوری اور ڈاکے سے تحفظ ہو اور اسلامی ریاست اس

تحفظ دینے کی پابند ہے۔﴿8﴾اگر ایسے حالات میں جبکہ ہر ایک کی ضروریات پوری ہورہی ہوں اور مالداروں نے مال حرام راستے سے جمع نہیں کیا تو پھر چوروں کو کھلی چھوٹ دے دینا یا ایسی سزائیں دینا جو نہ دوسروں کے لیے باعث عبرت ہوں، نہ چور کو چوری سے باز رکھ سکیں اسلامی نقطۂ نظر سے درست نہیں۔اس لیے اسلام نے قطع ید کی سزا رکھی تا کہ جسم پر جرم کے آثار موجود رہیں تا کہ ان کی وجہ سے سب عبرت پکڑیں اور چور بھی اپنے ذہن میں اس حادثے کو حاضر رکھتے ہوئے آئندہ چوری سے بچ سکے۔

سوال5: جَزَآءً بِمَا كَسَبَا ''(یہ) اس کا بدلہ ہے جو ان دونوں نے کمایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾یعنی یہ چور کے لیے اس کی چوری کا بدلہ ہے۔اس کی یہ سزا ہے کیونکہ اس نے لوگوں کا مال چرایا ہے۔﴿2﴾ سیدنا صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مسجد میں اپنی چادر کا تکیہ بنا کر اپنے سر کے نیچے رکھ کر سوئے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور آہستہ سے اس نے وہ چادر آپ کے نیچے سے کھینچ لی اتنے میں صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کو بھی جاگ آ گئی تو وہ اسے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا (اس پر صفوان کو اس آدمی پر ترس آ گیا) اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس کا قصور معاف کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو وہب! (یہ صفوان بن امیہ کی کنیت ہے) تم نے اسے ہمارے ہاں لانے سے پہلے کیوں نہ معاف کر دیا۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔(نسائی)﴿3﴾ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم آپس میں ہی ایک دوسرے کو حدود معاف کر دیا کرو پھر جب مقدمہ مجھ تک پہنچ گیا تو حد واجب ہو جائے گی۔(ابوداود، نسائی)

سوال6: نَكَالًا مِّنَ اللهِ ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دیگر لوگوں کے لیے تنبیہ اور ڈراوا ہے اس تنبیہ سے دیگر لوگ جو چوری کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں وہ چوری سے باز آ جائیں گے۔﴿2﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے چور پر لعنت کی ہے کہ ایک انڈا چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ایک رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔(صحیح بخاری:6799)﴿3﴾ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک مخزومی عورت کا معاملہ جس نے چوری کی تھی قریش کے لوگوں کے لیے اہمیت اختیار کر گیا اور انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسامہ رضی اللہ عنہ کے سوا اس معاملہ میں کون بات کر سکتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارے ہیں اور کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے سوا سفارش کی ہمت نہیں کر سکتا۔چنانچہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں سفارش کرنے آئے ہو؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگ اس لیے گمراہ ہو گئے کہ جب ان میں کوئی بڑا

آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے لیکن اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ نے بھی چوری کی ہوتی تو محمد ﷺ اس کا ہاتھ ضرور کاٹ ڈالتے۔ (صحیح بخاری:6788)

سوال7: معاشرتی جرائم کی سزا کے لیے اسلام نے کن خاص پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے سزائیں مقرر کیں؟

جواب: ﴿1﴾ انسان کے جرم کی سزا۔ ﴿2﴾ سزا عبرت ناک ہو جسے دیکھ کر دوسرے مجرموں کی حوصلہ شکنی ہو۔

سوال8: قطع ید کی سزا کے اثرات کیا مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ جرائم میں کمی آجاتی ہے۔ ﴿2﴾ معاشرے میں امن قائم ہو جاتا ہے۔ ﴿3﴾ یہ سزا انسان کی نفسیات کے عین مطابق ہے۔ ہاتھ کٹنے کے بعد انسان مستقل پچھتاوؤں کی وجہ سے آئندہ جرائم سے باز آجاتا ہے۔

سوال9: وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ "اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس نے چوری کی سزا قطع ید مقرر کی ہے۔ ہاتھ کاٹنے میں حکمت یہ ہے کہ اس سے مال محفوظ ہو جاتے ہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ عزیز ہے وہ اپنے احکامات کو نافذ کرنے پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انتقام میں قوی ہے اور اپنی شریعت کو حکمت سے نافذ کرواتا ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (39)

پھر جس نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کی اور اصلاح کر لی تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (39)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک عورت نے چوری کی تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میری توبہ کی گنجائش ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی پھر جو شخص توبہ کرے اپنی زیادتی کے بعد الخ۔ پھر جو چوری اور قطع ید (ہاتھ کاٹے جانے) کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کرے تو توبہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے ہیں۔ (تفسیر ابن عباس:343/1)

سوال2: فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ "پھر جس نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کی اور اصلاح کر لی تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ فَمَنْ تَابَ: جس نے چوروں میں سے توبہ کی یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نافرمانی میں سے ناپسند کیا اس سے

رجوع کرلیا۔اوراپنے ظلم کے بعد اللہ کی رضا اور اطاعت کی طرف لوٹ آیا۔(جامع البیان:247/6)﴿2﴾مِنۢ بَعۡدِ ظُلۡمِهٖ اپنے ظلم کے بعد یعنی چوری کے بعد۔ظلم سے مراد اس کی زیادتی ہے اور اس کا وہ عمل ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے لوگوں کے مال کو چرانے سے۔(جامع البیان:247/6)﴿3﴾وَ اَصۡلَحَ ''اور اصلاح کرلی''یعنی اپنے نفس کو توبہ اور عمل صالح کے ذریعے پاک کرکے توبہ کرلی اور اس میں چوری شدہ مال کا واپس کرنا ہے۔(ایسر التفاسیر:343)

سوال3:توبہ کے ساتھ اصلاح کی شرط کی کیا حکمت ہے واضح کریں؟

جواب:انسان جب جرم کرتا ہے تو وہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور دوسری طرف اپنے نفس کی یا دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے۔اس سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔اس لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ ایک شخص ظلم سے باز آجائے اور بیٹھ جائے بلکہ اس بات کی ضرورت ہے کہ اس ظلم کے بدلے میں وہ نیکیاں کرے۔اگر ایک انسان شر اور فساد سے باز آجائے اور بھلائیوں کا آغاز نہ کرے،بھلائی کے لیے کوشش نہ کرے تو نفس خلا کا شکار ہوجاتا ہے اور اس بات کا امکان رہتا ہے کہ انسان دوبارہ شر کی طرف مڑ جائے،لیکن جب نفس خیر اور بھلائی کی طرف حرکت شروع کرتا ہے تو وہ شر اور فساد سے دور ہوجاتا ہے اور اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔توبہ کے ساتھ اصلاح کے کام سے نفس کے خلاء کو پُر کرتے ہیں اور اس طرح انسان کے لیے شر سے باز آنے کے مواقع پیدا ہوجاتے ہیں۔

سوال4:ظلم کے بعد توبہ اور اصلاح کی ضرورت پر روشنی ڈالیں؟

جواب:﴿1﴾ظلم سے زمین پر فساد پھیلتا ہے اس لیے صرف ظلم سے باز آنا کافی نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ ظلم کے بعد وہ نیکیاں بھی کرے۔انسان اگر برائی سے باز آجائے اور بھلائیاں شروع نہ کرے تو انسان دوبارہ برائی کے راستے پر جاسکتا ہے۔جب انسان توبہ کرکے نیکی کے کام شروع کردیتا ہے تو برائی کے امکانات ختم ہوتے چلے جاتے ہیں اس لیے ظلم کے منفی عمل کو نیکیوں کے مثبت عمل کے ذریعے ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔﴿2﴾ایک عورت نے عہد نبوی میں چوری کی اسے وہ لوگ پکڑ لائے جن کی چوری کی تھی اور رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے:اس عورت نے ہماری چوری کی ہے۔چور عورت کی قوم نے کہا ہم فدیہ دیں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا:اس کا ہاتھ کاٹ دو۔قوم نے کہا:ہم فدیے میں پانچ سو دینار دیں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا:ہاتھ کاٹ دو۔چنانچہ اس کا سیدھا ہاتھ کاٹا گیا۔عورت نے کہا:یارسول اللہ ﷺ کیا میری توبہ قبول ہوجائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:آج تو گناہوں سے بالکل پاک صاف ہوگئی جیسے آج ہی پیدا ہوئی۔پھر سورۃ المائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔(مسند احمد)

سوال5:فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوۡبُ عَلَيۡهِ ''تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:" تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا"《1》اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے۔《2》اس کی مغفرت فرمائیں گے۔《3》اوران شاء اللہ اس پر رحم فرمائیں گے۔(ایسرالتفاسیر:343)

سوال6: اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ " بے شک اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا،نہایت رحم والا ہے" کی ضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کے لیے غفور بے حد بخشنے والا ہے۔《2》اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے رحیم نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (40)

کیا آپ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے لیے آسمانوں اورزمین کی بادشاہت ہے،وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہےاورجس کو چاہتا ہے معاف کردیتا ہےاوراللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔(40)

سوال1: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ " کیا آپ نہیں جانتے کہیقینا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے آسمانوں اورزمین کی بادشاہت ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب:" کیا آپ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے لیے آسمانوں اورزمین کی بادشاہت ہے"《1》اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے اقتدار کا مالک ہے۔وہ جیسے چاہتا ہے زمین اور آسمان میں تکوینی اورشریعی تصرف کرتا ہےاوراپنی حکمت،بے پایاں رحمت اورمغفرت کے تقاضے کے مطابق وہ بخشا ہے یا سزا دیتا ہے۔(تفسیرسعدی:684/1)《2》لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ کے لیے زمین وآسمان کی بادشاہت ہے،اس نے تخلیق کیا،وہ مالک ہےاوراس کی تدبیر ہے۔(ایسرالتفاسیر:343)

سوال2: يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ " وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہےاورجس کو چاہتا ہے معاف کردیتا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ " وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے"جوکافرنافرمانیاں کرکے مرجاتا ہے وہ اس کو عذاب دیتا ہے۔《2》وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ " اورجس کو چاہتا ہے معاف کردیتا ہے"جواپنے گناہوں سے توبہ کرکے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رجوع کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے۔(ایسرالتفاسیر:343)

سوال3: وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ " اوراللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے ولا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک ہے وہی سب کا حاکم ہے۔اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔وہ جو چاہے کرے

اسے ہر قسم کا اختیار ہے۔《2》اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جسے چاہتا ہے اپنی حکمت سے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔《3》سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تم سب گناہ گار ہو مگر جسے میں عافیت دوں، لہذا مجھ سے بخشش مانگو میں تمہیں بخش دوں گا۔ اور جو جانتا ہے کہ میں بخشنے پر قدرت والا ہوں پھر اس نے مجھ سے بخشش مانگی تو میں اسے اپنی قدرت سے بخش دوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (41)

اے رسول! آپ کو وہ لوگ غمزدہ نہ کریں جو کفر میں دوڑ کر جاتے ہیں، اُن لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے مونہوں سے کہا کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے اور ان لوگوں میں سے جو یہودی بن گئے، وہ جھوٹ کو بہت سننے والے ہیں اور دوسرے لوگوں کے لیے بہت سننے والے ہیں جو ابھی آپ کے پاس نہیں آئے، وہ کلام کو اس کے مقام کے بعد بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ (حکم) دیا جائے تو اسے لے لو اور اگر تمہیں یہ نہ دیا جائے تو بچ جاؤ، اور وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ جس کو فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کرلیں تو آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے ہرگز کسی چیز کے مالک نہیں ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔(41)

سوال1: يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ''اے رسول! آپ کو وہ لوگ غمزدہ نہ کریں جو کفر میں دوڑ کر جاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں اتریں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے باہر ہیں اور اللہ کی شریعت پر اپنی خواہش، رائے اور قیاس کو مقدم رکھتے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 439/1)

سوال2: کفر کے راستے میں تیز گامی دکھانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: 《1》اسلام کے خلاف مہم چلانا۔《2》نیکی کی مجلسوں میں جانا اپنی شان کے خلاف سمجھنا۔《3》کچھ لوگوں کو نیکی کی مجلسوں کے لیے مقرر کرنا کہ وہ باتیں سنیں بڑوں تک پہنچائیں پھر اس کو اُلٹے معانی پہنا کر تحریک اسلامی کو بدنام کریں۔

《4》غیر اسلامی طور طریقوں اور رسوم و رواج کو فروغ دینا۔《5》غیر اسلامی طور طریقوں کو رواج دینے کے لیے ذہنی اور عملی کوششیں کرنا۔《6》اسلام مخالف قوتوں کے ساتھ تعاون کرنا۔

سوال3:اسلام کے راستے میں تیز گامی کیسے دکھائی جا سکتی ہے؟

جواب:《1》اسلام کو پھیلانے کے لیے مہم چلا کر۔《2》اسلامی تعلیمات کو سچی روح کے ساتھ لوگوں کو سکھانے سے۔《3》اسلامی طور طریقوں کو رواج دینے سے۔《4》اسلامی طریقۂ زندگی کو فروغ دینے کے لیے ذہنی اور عملی کوششیں کرنے سے۔《5》اسلامی قوتوں کا ساتھ دینے سے۔

سوال4:مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ''اُن لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے مونہوں سے کہا کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے'' وہ لوگ کیسے ہوتے ہیں جو منہ سے ایمان لاتے ہیں اور اُن کے دل ایمان نہیں لاتے؟

جواب:《1》ان میں سے جو ایمان کے دعوے دار ہیں ان کے دل ایمان نہیں لائے یعنی زبانوں سے تو ایمان کا اقرار کرتے ہیں اور دل اجڑے ہوئے ہیں۔(مختصر ابن کثیر:437/1)《2》جن کے دلوں میں ایمان کی بشاشت جاگزیں نہیں ہوئی کیونکہ ایمان دل کے اندر اتر جائے تو مومن کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔《3》جو دین کے خلاف فتوے طلب کرتے ہیں۔《4》جو دین کی تبلیغ کرنے والوں کا اس لیے ساتھ دیتے ہیں تا کہ وہ ان کی خواہشات کو پورا کریں۔《5》جن کو دین دار افراد حق کہہ دیں اور سچائی کے ساتھ فیصلہ سُنا دیں تو انہیں دین کی ضرورت نہیں ہوتی۔

سوال5:وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ''اور ان لوگوں میں سے جو یہودی بن گئے، وہ جھوٹ کو بہت سننے والے ہیں اور دوسرے لوگوں کے لیے بہت سننے والے ہیں جو ابھی آپ کے پاس نہیں آئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ ان میں سے جو یہودی ہیں جھوٹ کو خوب قبول کرتے ہیں اس سے متاثر ہوتے ہیں۔اور آپ ﷺ کی مجلس میں آ کر نہیں بیٹھتے۔《2》سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ تمہارے پاس جاسوس بن کر آتے ہیں اور مسلمانوں کی مجلسوں میں آ کر ادھر اُدھر کی لگاتے ہیں بات کو بدل ڈالتے ہیں۔کوئی راز کی بات کان میں پڑے تو اسے آپ ﷺ کے دشمنوں تک پہنچاتے ہیں۔صحیح سمجھنے کے باوجود الٹا مطلب لے اڑتے ہیں۔

سوال6:يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ''وہ کلام کو اس کے مقام کے بعد بدل دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ (حکم) دیا جائے تو اسے لے لو اور اگر تمہیں یہ نہ دیا جائے تو بچ جاؤ'' کی

وضاحت کریں؟

جواب:《1》یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ''وہ کلام کو اس کے مقام کے بعد بدل دیتے ہیں''یعنی کلام کو اپنی خواہشات کے مطابق بدل دیتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:344)《2》اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو گمراہ کرنے اور حق سے روکنے کے لیے الفاظ کو ایسے معنی پہناتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں۔《3》یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ''وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ (حکم) دیا جائے تو اسے لے لو اور اگر تمہیں یہ نہ دیا جائے تو بچ جاؤ'' یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے زنا کیا اور رجم کی آیت بدل ڈالی تھی اور اپنی طرف سے یہ سزا مقرر کی تھی کہ بدکار کو سو کوڑے مارے جائیں اور اس کا منہ کالا کر کے گدھے پر الٹا سوار کر کے سر بازار پھرایا جائے پھر جب ہجرت کے بعد ان میں زنا کا واقعہ پیش آیا تو کہنے لگے آؤ محمد ﷺ کے پاس مقدمہ لے کر چلیں دیکھیں کیا فیصلہ کرتے ہیں؟ اگر سو کوڑے اور منہ کالا کر کے رسوا کرنے کا حکم دے تو مان لو اور اسے اپنے اور اللہ کے کے درمیان حجت بنا لو کہ اللہ کے نبی میں سے ایک نبی نے حکم دیا اور سنگسار کرنے کا حکم دیں تو مت مانو۔(مختصر ابن کثیر:440/1)

سوال7:وَ مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ''اور وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ جس کو فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لیں تو آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے ہرگز کسی چیز کے مالک نہیں ہوں گے'' اللہ تعالیٰ کسی کو کیسے فتنے میں ڈالتا ہے؟

جواب:《1》وَ مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ ''اور وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ جس کو فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لیں''یعنی جس کو اللہ تعالیٰ حق کے راستے سے ہٹا دینا چاہے کیونکہ اس نے کبیرہ گناہ کیے ہیں۔《2》فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ''تو آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے ہرگز کسی چیز کے مالک نہیں ہوں گے'' آپ اللہ تعالیٰ کے گمراہی کے ارادے میں رکاوٹ ڈالنے کا اختیار نہیں رکھتے اس لیے ان کی کفر کے لیے تیز گامی آپ کو غمزدہ نہ کرے۔《3》عام طور پر انسانوں کا ذہن یہ ہوتا ہے کہ جو بات پسند اور ذوق کے مطابق ہو اسے لے لو اور جو ذوق کے مطابق نہ ہو اسے چھوڑ دو یہ مزاج انسان کے لیے اس طرح سے فتنہ بن جاتا ہے کہ حق کے مقابلے میں ایسا انسان مفاد اور مصلحت کو ترجیح دیتا ہے۔ ہر موقع پر اپنے عمل کو درست ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے کلام کے معانی بدلتا ہے اور بالآخر حق قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ساتھ چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

سوال8:اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان قبول کرنے کے باوجود ان کو کفر اور نفاق سے پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔《2》

طہارت قلب پر بھلائی کا سبب ہے اور طہارت قلب پر رشد وہدایت اور عمل سدید کا سب سے بڑا داعی ہے۔(تفسیر سعدی 687/1:)《3》جوشخص اپنا فیصلہ شریعت کی طرف لے جاتا ہے خواہ وہ اس کے حق میں ہو یا اس کے خلاف ہو تو یہ طہارت قلب میں سے ہے۔《4》جوشخص اپنا فیصلہ خواہش نفس کی پیروی میں کرواتا ہے جب اس کے حق میں فیصلہ ہو تو راضی ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کے خلاف ہو تو ناراض ہو جاتا ہے تو یہ اس کے قلب کی عدم طہارت ہے۔(تفسیر سعدی:687/1)

سوال9: دلوں کی تطہیر کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ضابطہ کیا ہے؟

جواب: جولوگ نیکی اور تقویٰ کے راستے پر چلتے ہیں اگر انہیں کوئی ٹھوکر لگے تو وہ گر پڑتے ہیں لیکن گرنے کے بعد توبہ واصلاح کے ذریعے پھر چل پڑتے ہیں ایسے لوگوں کے دلوں پر میل جمنے نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ واصلاح کو ان کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتے ہیں لیکن جولوگ برائی کو اپنا پیشہ بنالیں، گناہوں میں لت پت رہیں آہستہ آہستہ ان کے دل سیاہ ہو جاتے ہیں پھر ان پر کوئی پاکیزہ عمل اثر انداز نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں جھونک دیتے ہیں۔(تدبر القرآن)

سوال10: اللہ تعالیٰ کسی کے دل کو کیوں پاک نہیں کرنا چاہتے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کفر کے لیے سرگرم عمل رہنے والوں کو، اسلام کے خلاف مہم چلانے والوں کو، نیکی کی مجلسوں میں بیٹھنے کو شان کے خلاف سمجھنے والوں کے دلوں کو پاک نہیں کرنا چاہتے کیونکہ وہ پاکیزگی کی زندگی کو پسند نہیں کرتے۔《2》جولوگ اپنی پسند اور ذوق کو ترجیح دیتے ہیں تو یہ مزاج ان کے لیے فتنہ بن جاتا ہے۔ ہر موقع پر اپنے عمل کو درست ثابت کرنے کے لیے اللہ کے کلام کے معنی بدلتے ہیں اور حق قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ پاک نہیں کرنا چاہتے۔

سوال11: لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ''ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور عار ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیتے ہیں اور چھوٹے بن کر رہتے ہیں۔ (الدرالمنثور:501/2)

سوال12: وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ''اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》عذاب عظیم سے مراد جہنم اور اللہ جبار کی ناراضی ہے۔(تفسیر سعدی:687)《2》ان کے کفر اور ان کی سرکشی کی سزا ہے۔(ایسر التفاسیر:345)

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (42)

جھوٹ کو بہت سننے والے ہیں،حرام کو بہت کھانے والے ہیں،چنانچہ اگروہ آپ کے پاس آئیں تو آپ اُن کے درمیان فیصلہ کردیں یاان سے اعراض کرلیں اوراگرآپ اُن سے اعراض کریں تو وہ آپ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچاسکیں گے اوراگرآپ فیصلہ کریں توان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں،یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتاہے۔(42)

سوال1:اس آیت کا شان نزول کیاہے؟

جواب:حمیدی نے اپنی سند میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ فدک والوں میں سے ایک شخص نے زنا کیا تو فدک والوں نے مدینہ منورہ کے کچھ یہودیوں کے پاس لکھا کہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو،اگرآپ کوڑے لگانے کاحکم دیں تو یہ آپ سے لے لواوراگرسنگسارکرنے کے بارے میں فرمائیں تواس سے بچو،چنانچہ یہودیوں نے آپ سے دریافت کیا آپ نے سنگسارکرنے کاحکم دیا،اس پرآیت کا یہ حصہ نازل ہوا،(فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ (الخ)اور بیہقی نے دلائل میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔(لباب النقول)

سوال2:سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ ’’جھوٹ کو بہت سننے والے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:جھوٹ کے عادی،جھوٹ سنتے ہیں۔جھوٹ قبول کرتے ہیں۔جھوٹ کے گاہک،جھوٹی گواہی،جھوٹا فیصلہ چاہتے ہیں۔جھوٹ اور باطل سننے کے لیے ان کے کان کھڑے ہوجاتے ہیں۔انسان کے دل اور دماغ جب بگاڑ کا شکار ہوجاتے ہیں توانسان کی روح بجھ جاتی ہے وہ ہمیشہ برائی کی تلاش میں رہتی ہے۔ایسے لوگ باطل کورواج دیتے ہیں۔《2》یہاں سننے سے مراداطاعت کے لیےسنناہےیعنی وہ قلت دین اورقلت عقل کی بناپرہراس شخص کی دعوت پرلبیک کہتے ہیں جوانہیں جھوٹ کی طرف دعوت دیتاہے۔(تفسیر سعدی:687/1)

سوال3:اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ’’حرام کو بہت کھانے والے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》سحت سے مرادرشوت ہے۔رشوت کھانااوررشوت لے کرغلط مسائل بتانایہودیوں کاشیوہ تھالیکن رشوت کی ایک صورت آج بھی مقبول ہے۔دین کوعوام کی پسند کے مطابق بناکرپیش کرناتاکہ عوام میں مقبولیت بھی ملے،عزت بھی حاصل ہواورنذرانے وصول ہوتے رہیں۔《2》’’سحت‘‘ کےلفظی معنی مٹانے اور ہلاک کرنے کے ہیں گویامال حرام وہ چیز ہے جوانسان کی تمام نیکیوں کواکارت کرکے رکھ دیتی ہےاورہراس خسیس مال پرسحت کالفظ بولاجاتاہےجس کے لینے میں عار ہواورخفیہ طورپرلیاجائےاس میں رشوت بھی شامل ہےاوراحادیث میں زانیہ کی اجرت،کتے،شراب اورمردار بیچنے کوحرام کہا گیاہےسود،چوری کامال اورچوری سے کمایاہوامال بھی سحت میں داخل ہے۔(کبیر،قرطبی،اشرف الحواشی:138/1)

سوال4: حق سے فرار کے چور دروازے کون سے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ جھوٹ۔ ﴿2﴾ رشوت۔

سوال5: جھوٹ اور رشوت جب کسی قوم میں عام ہو جائیں تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

جواب: جھوٹ اور رشوت کے پھیلاؤ سے حق اور عدل کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

سوال6: عوامی پسند کا دین کون سا ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ وہ دین جس میں اپنی دنیا پرستانہ زندگی کو بدلے بغیر کچھ سستے اعمال کے ذریعے جنت مل جائے۔ ﴿2﴾ وہ دین جو قومی میلوں اور دیگر ہنگامہ آرائیوں کو دینی جواز عطا کرے۔ ﴿3﴾ وہ دین جس میں انسان کو اپنی ذاتی عزت کے لیے سرگرم ہونے کا موقع ملے اور وہ جو کچھ بھی کرے دین کے خانے میں لکھا جائے۔

سوال7: عوامی پسند کے مطابق دین کیوں پیش کیا جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ عوام سے مالی تعاون حاصل کرنے کے لیے۔ ﴿2﴾ عوام میں عزت و مقبولیت پانے کے لیے۔

سوال8: سچے دین کی آواز بلند کرنا مفاد پرستوں کو کیوں برا لگتا ہے؟

جواب: سچا دین مفادات کے ڈھانچے کو توڑتا ہے۔ جب مفادات ٹوٹتے ہیں، مصلحتیں قربان ہوتی ہیں تو جن لوگوں کو مفادات عزیز ہوتے ہیں انہیں کوئی دینی پکار بھلی نہیں لگتی پھر رب کے فیصلوں کا انکار ہوتا ہے۔ پھر لوگ بھول جاتے ہیں کہ ایسا کرنا محض ایک فیصلہ کو نہ ماننا نہیں ہے ایمان اور اسلام کا انکار کرنا ہے۔

سوال9: حامل شریعت امت کا اصل فریضہ کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ شہادت حق۔ ﴿2﴾ حق پر قائم رہنا اور حق کے مطابق بے لاگ فیصلے کرنا۔

سوال10: کسی قوم کے اندر سے حق اور انصاف کیسے اٹھ جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جب قوم کو جھوٹ کی عادت ہو جائے۔ ﴿2﴾ جب جھوٹی گواہی دینا عام ہو جائے۔ ﴿3﴾ جب جھوٹی گواہی کی تعلیم دی جائے۔ ﴿4﴾ جب جھوٹ کو فن کا درجہ مل جائے۔ ﴿5﴾ جب جھوٹوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ ﴿6﴾ جب رشوت خوری عام ہو جائے۔ ﴿7﴾ جب زبان اور قلم بک جائے۔ ﴿8﴾ جب جھوٹ کی وکالت کرنے والے ہر طبقے میں پیدا ہو جائیں۔ ﴿9﴾ جب اختیار رکھنے والے اپنے اختیارات اور انصاف کو قابلِ فروخت بنا دیں۔ ﴿10﴾ جب علماء کی رائے اور فتوے بکنے لگیں تو اس قوم کے اندر سے حق اور انصاف کا جنازہ اُٹھ جاتا ہے۔

سوال11: فَإِنْ جَآءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ’’چنانچہ اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ اُن کے درمیان فیصلہ

کر دیں یا ان سے اعراض کر لیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کو اس بارے میں اختیار رہے کہ جب آپ ﷺ کے پاس آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کریں یا اعراض کریں۔ آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے کیونکہ اگر معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے خلاف فیصلے پر راضی نہ ہو تو اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا واجب ہے نہ فتویٰ دینا۔ تاہم اگر وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا واجب ہے۔

سوال 12: وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ''اگر آپ ان سے اعراض کریں تو وہ آپ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ اگر آپ ﷺ ان سے منہ پھیر لیں تو یہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو انصاف کریں۔ لوگ ظالم ہوں یا دشمن ان کے درمیان انصاف کرنے سے آپ ﷺ کو کوئی چیز نہ روکے۔ ﴿2﴾ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو رخصت دی ہے۔ (جامع البیان: 263/6)

سوال: ایک مسلمان حاکم انصاف کس وجہ سے کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے خوف سے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

سوال 13: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ''یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہ آیت لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔ (تفسیر سعدی: 688/1) ﴿2﴾ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انصاف کرنے والے رحمٰن کے دائیں جانب اللہ کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ کے دونوں دائیں ہاتھ ہیں یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنی رعایا اور اہل وعیال میں عدل وانصاف کرتے ہوں گے۔ (صحیح مسلم: 4721)

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ (43)

اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے؟ حالانکہ اُن کے پاس تورات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے پھر اس کے بعد بھی وہ منہ موڑ رہے ہیں اور وہ لوگ مومن ہی نہیں۔ (43)

سوال 1: وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ''اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ اُن کے پاس تورات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہودیوں کی بدنیتی کو اس آیت میں بے نقاب کیا گیا ہے کہ یہ ''لوگ'' خود اپنی کتاب کو چھوڑ کر اگر آپ کو ''حکم''

بنا رہے ہیں تو درحقیقت اپنی خواہشات کے مطابق فیصلے کروانا چاہتے ہیں۔انہیں دلچسپی اللہ تعالیٰ کی کتاب سے نہیں اپنی خواہشات سے ہے۔اگر مومن ہوتے تو ایمان کے تقاضے اور اس کے واجبات پر عمل کرتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے منہ نہ موڑتے۔《2》'' حالانکہ اُن کے پاس تورات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے''ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم تورات میں موجود ہے۔اگر وہ ایمان رکھتے تو اس سے اعراض نہ کرتے۔

سوال2:اللہ تعالیٰ کی شریعت قبول کرنے اور ان کے مطابق فیصلے کروانے کا ایمان سے کیا تعلق ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ کی شریعت کو قبول کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا ہے یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی نگہبانی اور نگرانی کے اقرار کا معاملہ ہے،اس اعتبار سے یہ ایمان کا معاملہ ہے۔

سوال3:ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ '' پھر اس کے بعد بھی وہ منہ موڑ رہے ہیں'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد یہ ہے کہ ایک طرف رسول اللہ ﷺ کو حکم بناتے ہیں اور دوسری طرف آپ ﷺ کے حکم سے منہ موڑتے ہیں۔آپ ﷺ کی اطاعت نہیں کرتے یا پھر اطاعت پر راضی نہیں ہوتے۔

سوال4:وَمَآ أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ '' اور وہ لوگ مومن ہی نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یعنی تورات اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے نہیں۔(تفسیر ثعالبی:385/2)《2》وہ نہ آپ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں،نہ آپ ﷺ کے حکم پر اور نہ تورات کے حکم پر ایمان رکھتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:346)《3》اگر کوئی ایمان لاتا ہے تو اسے اپنی پوری زندگی میں شریعت کو نافذ کرنا ہوگا ورنہ وہ ایمان والا نہیں۔《4》محکوم لوگ بھی اگر شریعت کے نفاذ پر راضی نہیں تو وہ اسلام کے دائرے سے نکل جائیں گے۔اگرچہ وہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کریں۔

رکوع نمبر11

إِنَّآ أَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (44)

یقیناً ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی،اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار انبیاء،اللہ والے اور علماء ان لوگوں کے لیے فیصلہ کرتے تھے جو یہودی بنے۔اس لیے کہ انہیں کتاب اللہ کا محافظ بنایا گیا تھا۔اور وہ اس پر گواہ بھی تھے۔چنانچہ تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو،اور جو اُس کے

مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔(44)

سوال1: اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ ’’یقیناً ہم نے تورات نازل کی‘‘ وضاحت کریں؟

جواب: یعنی ہم نے موسیٰ بن عمران پر تورات نازل کی۔(تفسیر سعدی)

سوال2: تورات کا مقام اور مرتبہ کیا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ تورات اللہ تعالیٰ کی کتاب تھی۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کی طرف سے دی گئی راہ نمائی تھی۔﴿3﴾ انسانوں کی خواہشات اور بدعات سے نکالنے والی روشنی تھی۔﴿4﴾ سارے انبیاء اس کتاب کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے تھے۔﴿5﴾ علماء اور فقہا بھی اسی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔﴿6﴾ علماء اور فقہا کو اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا۔

سوال3: اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ’’یقیناً ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ فِيۡهَا هُدًى یعنی تورات میں ہدایت ہے۔﴿2﴾ مقاتل نے کہا: ہر گمراہی سے ہدایت ہے۔﴿3﴾ تورات ایمان اور حق کی طرف ہدایت دینے والی ہے۔﴿4﴾ وَّنُوۡرٌ مقاتل نے کہا: یعنی اندھیرے سے روشنی کی طرف لانے والی ہے۔﴿5﴾ ظلم، جہالت، شک، حیرت، شبہات اور شہوات کی تاریکیوں میں اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔(تفسیر سعدی:688/1)

سوال4: اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب کیوں بھیجی جاتی ہے؟

جواب: کتاب اس لئے آتی ہے کہ وہ انسانوں کو سیدھا راستہ دکھائے اور غلط اعمال سے بچائے۔

سوال5: يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ ’’اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار انبیاء، اللہ والے اور علماء ان لوگوں کے لیے فیصلہ کرتے تھے جو یہودی بنے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا ’’اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار انبیاء فیصلہ کرتے تھے‘‘ یہودیوں کے جھگڑوں میں اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے یعنی پیغمبر فیصلہ کرتے تھے۔﴿2﴾ (ربانی) اللہ والے اور علماء یعنی باعمل عالم جو لوگوں کی بہترین تربیت کرتے تھے، جو لوگوں سے مشفقانہ برتاؤ رکھتے تھے، جن کے قول کی پیروی کی جاتی تھی، جو قوم میں اچھی شہرت رکھتے تھے اور ان لوگوں کے لیے فیصلہ کرتے تھے جو یہودی بنے۔﴿3﴾ پیغمبروں کا اسلام سب سے عظیم تھا۔ پھر اللہ والے اور علماء سر تسلیم خم کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت کرتے تھے۔ جب پیغمبر، اللہ والے اور علماء تورات کو اپنا امام بناتے ہیں، اس کی پیروی کرتے ہیں تو یہودیوں کو تورات کی پیروی سے کس نے روکا ہے؟ خاص طور پر محمد ﷺ پر ایمان لانے کے حکم کو وہ کیوں نہیں قبول کرتے۔ جب کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں۔

سوال6: بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ'' اس لیے کہ انہیں کتاب اللہ کا محافظ بنایا گیا تھا۔ اور وہ اس پر گواہ بھی تھے'' کتاب اللہ کی حفاظت کی ذمہ داری سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جسے تمام انسانوں تک اسی روح کے ساتھ پہنچانا کتاب والوں کی ذمہ داری ہے۔ جس نے اس کو صحیح روح کے ساتھ پہنچایا اس نے امانت کی حفاظت کی۔ ﴿2﴾ کتاب اللہ کی شہادت دینا، جو کچھ رب نے بتایا اس کی گواہی دینا، اس کے احکامات کو واضح کرنا، اس کی تعلیم کا اہتمام کرنا، اس کے مطالبات کو پورا کروانے کی کوشش کرنا، اس کے نظام کو نافذ کرنے کی کوشش کرنا ہی دراصل شہادت ہے۔ یہ شہادت حفاظت ہے جان پر کھیل کر بھی اس حفاظت کا حق ادا کرنا ہے اور یہ فرض ادا نہ کرنا کتمان حق ہے۔ کتمان (چھپانے) کا مطلب یہ ہے کہ کتاب کے احکامات کی حفاظت نہیں کی۔ ﴿3﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس کی خبر گیری پر مقرر تھے یعنی اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری ڈالی تھی، ان کو اپنی کتاب کا امین بنایا تھا اور یہ کتاب ان کے پاس امانت تھی اور اس میں کمی بیشی اور کتمان سے اس کی حفاظت کو اور بے علم لوگوں کو اس کی تعلیم دینے کو ان پر واجب قرار دیا تھا۔ وہ اس کتاب پر گواہ ہیں کیونکہ وہی اس کتاب میں مندرج احکام کے بارے میں اور اس کی بابت لوگوں کے درمیان مشتبہ امور میں ان کے لیے مرجع ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل علم پر وہ ذمہ داری ڈالی ہے جو جہلاء پر نہیں ڈالی اس لیے جس ذمہ داری کا بوجھ ان پر ڈالا گیا ہے، احسن طریقے سے اس کو نبھانا ان پر واجب ہے اور یہ کہ بے کاری اور کسل مندی کو عادت بناتے ہوئے جہال کی پیروی نہ کریں، نیز وہ مختلف انواع کے اذکار، نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ وغیرہ مجرد عبادات ہی پر اکتفا نہ کریں جن کو قائم کر کے غیر اہل علم نجات پاتے ہیں اہل علم سے تو مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو تعلیم دیں اور انہیں ان دینی امور سے آگاہ کریں جن کے وہ محتاج ہیں۔ خاص طور پر اصولی امور اور ایسے معاملات جو کثرت سے واقع ہوتے ہیں نیز یہ کہ وہ لوگوں سے نہ ڈریں بلکہ صرف اپنے رب سے ڈریں۔ (تفسیر سعدی:689/1)

سوال7: فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا'' چنانچہ تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: دنیا کی متاع قلیل کی خاطر حق کو چھپا کر باطل کا اظہار نہ کرو۔ اگر صاحب علم ان آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے، اس کی سعادت اس امر میں ہے کہ علم و تعلیم میں جدوجہد اس کا مقصد رہے۔ یہ چیز ہمیشہ اس کے علم میں رہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کی امانت اس کے سپرد کر کے اس کی حفاظت اس کے ذمہ عائد کی ہے اور اس کو اس علم پر گواہ بنایا ہے۔ وہ صرف اپنے رب سے ڈرے، لوگوں کا ڈر اور خوف اسے لوازم علم کو قائم کرنے سے مانع نہ ہو۔ دین پر دنیا کو ترجیح نہ دے۔

(تفسیر سعدی:689,690/1)

سوال8: لوگوں کے ڈر کا تذکرہ کیوں کیا گیا؟

جواب: انسانوں کا خوف انسان کو اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت اور شریعت کے نفاذ کے لئے عملی تدابیر اختیار کرنے سے روکتا ہے۔ انسان تعلیم دیتے ہوئے احکامات چھپاتا ہے۔ اس کے مطالبات چھپاتا ہے، اس کے احکامات کے نفاذ کے مطالبات پڑھتا ہے، سنتا ہے لیکن عمل سے چھپالیتا ہے اور بچالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ اسلامی شریعت کے نفاذ میں یہ رکاوٹ آئے گی کہ جانی و مالی نقصانات برداشت کرنے ہوں گے اس لئے فرمایا لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔
(تفسیر سعدی:689,690/1)

سوال9: موروثی حکمران اور با اثر افراد اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے حق حاکمیت کو جو لوگ غصب کرتے ہیں انہیں یہ نظر آرہا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ ہونے کے بعد ہم سے حاکمیت کا حق چھن جائے گا۔ ﴿2﴾ اسلامی قانون کے نافذ ہونے سے ظلم کا راستہ بند ہو جانے کی وجہ سے انہیں اپنی ذات اور اپنے مفادات پر زد پڑتی محسوس ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ افراد مخالفت کرتے ہیں۔

سوال10: اسلامی نظام کے نفاذ میں کون کون سے طبقات رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ موروثی حکمران جو لوگوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ ﴿2﴾ مفاد پرست جو اپنے مفادات کی خاطر انسانوں پر ظلم کرنا چاہتے ہیں۔ ﴿3﴾ نفس پرست، خواہش پرست جنہیں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ سے پاکیزہ زندگی بسر کرنے پڑے گی اور اگر پاکیزگی اختیار نہ کی تو سزا بھگتنی پڑے گی تو وہ اپنی ناپاک زندگی کے لئے اسلامی نظام کی مخالفت کرتے ہیں۔

سوال11: اللہ تعالیٰ کی آیات کو بیچنا کن کن صورتوں میں ہوا کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سچائی کے مقام پر خاموش ہو جانے کو حکمت قرار دینا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں تحریف، تبدیلی کرنے کو مصلحت قرار دینا۔ ﴿3﴾ ایسے فتوے جاری کرنا جس میں حق اور باطل ملے ہوئے ہوں۔

سوال12: ثَمَنًا قَلِيلًا ''تھوڑی قیمت'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: دنیا کے تھوڑے سے مفادات، تھوڑی سی عزت جس کے عوض دین کو بیچا جاتا ہے اور جہنم جانے کا سامان کیا جاتا ہے۔

سوال13: وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ''اور جو اُس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ سے مراد صرف قرآن نہیں بلکہ اسوہ رسول بھی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قرآن حکیم کی رو سے لازم وواجب ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا۔(سراج البیان:273/1)
《2》شعبی فرماتے ہیں''مسلمانوں میں جس نے کتاب کے خلاف فتویٰ دیا وہ کافر ہے،یہودیوں میں دیا ہو تو وہ ظالم ہے اور نصرانیوں میں دیا ہو تو فاسق ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں''اس کا کفر اس آیت کے ساتھ ہے۔طاؤس فرماتے ہیں''اس کا کفر اس کے کفر جیسا نہیں جو سرے سے اللہ کے رسول قرآن اور فرشتوں کا منکر ہو۔عطا فرماتے ہیں۔''کتم (چھپانا) کفر سے کم ہے اسی طرح ظلم وفسق کے بھی ادنیٰ واعلیٰ درجے ہیں۔اس کفر سے وہ ملت اسلام سے پھر جانے والا ہو جاتا ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں''اس سے مراد وہ کفر نہیں جس کی طرف تم جارہے ہو۔(تفسیر ابن کثیر:770/1)《3》ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:جس نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کا انکار کیا اس نے کفر کیا اور جس نے اس کا اقرار کیا اور اس کے ساتھ فیصلہ نہ کیا وہ ظالم اور فاسق ہے۔وہ کہتے تھے جس نے حدود اللہ میں سے کسی چیز کا انکار کیا تو یقیناً اس نے کفر کیا۔(ابن ابی حاتم:1142/4)
《4》وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ یعنی قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا بلکہ جان بوجھ کر باطل فیصلے کرتا ہے تو ایسے لوگ کافر ہیں۔《5》فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ تو ایسے لوگ کافر ہیں اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف فیصلے کرنا کافروں کا طرز عمل ہے۔جب کوئی کتاب اللہ کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے مطابق فیصلے کرنے کو جائز سمجھتا ہے تو ایسا کرنے والا ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے

سوال14:جو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر کیوں قرار پاتا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حق حاکمیت کا انکار کرتا ہے۔《2》اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت قانون کا ماخذ ہو۔فیصلے اس کے مطابق کئے جائیں جو اس قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے اس کے اسلام اور ایمان کے کیا معنی رہ جاتے ہیں عملی کفر کے بعد اسلام کا زبانی اظہار اللہ تعالیٰ کے ہاں بے معنی ہے۔

وَكَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡهَآ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ ۙ وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ وَالۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ وَالۡاُذُنَ بِالۡاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنۡ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ(45)

اور ہم نے اس کتاب میں ان پر لکھ دیا تھا کہ بلاشبہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت ہے اور زخموں کا بھی برابر کا بدلہ ہے،پھر جس نے اس (قصاص) کو صدقہ کر دیا تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو

وہی لوگ ظالم ہیں۔(45)

سوال1: وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ’’اور ہم نے اس کتاب میں ان پر لکھ دیا تھا کہ بلاشبہ جان کے بدلے جان ‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》وَكَتَبْنَا ہم نے ان پر فرض کردیا تھا یعنی واجب کردیا تھا۔(ایسرالتفاسیر:346)《2》یہ احکامات ان میں شمار ہوتے تھے جس کے مطابق انبیاء، احبار اور ربانی فیصلے کرتے تھے۔《3》أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ’’بلاشبہ جان کے بدلے جان‘‘ اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض قرار دیا تھا کہ کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کے قصاص میں اسی کو قتل کیا جائے گا۔《4》سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا۔اس سے پوچھا گیا کہ یہ کس نے کیا؟ فلاں نے کیا، فلاں نے کیا، یہاں تک کہ اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں پس وہ یہودی پکڑ لیا گیا اور اس نے اقرار جرم کیا۔لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اس یہودی کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا۔(بخاری کتاب الدیات)《5》تورات میں جو قصاص کے احکام تھے عملی طور پر یہود نے ان کو بھی بدل رکھا تھا مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے موجود تھے ایک قبیلہ بنی نضیر اور دوسرا بنی قریظہ تھا ان میں آپس میں لڑائی جھگڑے اور مار کٹائی کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔بنی نضیر اپنے آپ کو اشرف اور اعلیٰ سمجھتے رہتے تھے جب کوئی شخص بنی نضیر میں سے بنی قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو اسے قصاص میں قتل نہیں ہونے دیتے تھے اور اس کی دیت میں ستر وسق کھجوریں دے دیتے تھے اور جب کوئی شخص بنی قریظہ میں سے بنی نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو قاتل کو قصاص میں قتل بھی کرتے تھے اور دیت میں ایک سو چالیس وسق کھجوریں بھی لیتے تھے اور اگر بنی نضیر کی کوئی عورت بنی قریظہ کے ہاتھ سے قتل ہوجاتی تو اس کے عوض بنی قریظہ کے مرد کو قتل کرتے تھے اور اگر کوئی غلام قتل ہوجاتا تھا تو اس کے بدلہ بنی قریظہ کے آزاد مرد کو قتل کرتے تھے اسی طرح کے قانون انہوں نے جراحات کے عوض کے بارے میں بنا رکھے تھے بنو قریظہ کو مال کم دیتے تھے اور خود اس سے دوگنا لیتے تھے۔(معالم التنزیل:83)《6》آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جان کی دیت سو اونٹ ہیں۔(نسائی کتاب القسامہ)

سوال2: وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ’’اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے تورات کے قانون کی خبر دی ہے کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت لیا جائے گا۔《2》سیوطی نے الاکلیل میں کہا: یہ جان، اعضاء اور زخموں میں ہماری شریعت کے مطابق ہے۔《3》سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ربیع نے جو

انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں انصار کی ایک لڑکی کے آگے کے دانت توڑ دیئے۔لڑکی والوں نے قصاص چاہا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی ﷺ نے بھی قصاص کا حکم دیا۔سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں اللہ کی قسم !ان کا دانت نہ توڑا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا،انس !لیکن کتاب اللہ کا حکم قصاص ہی کا ہے۔پھر لڑکی والے معافی پر راضی ہو گئے اور دیت لینا منظور کر لیا۔اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے بہت سے بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کا نام لے کر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم سچی کر دیتا ہے۔(صحیح بخاری:4611)《4》سیدنا یعلیٰ کہتے ہیں کہ میں ایک جنگ میں گیا وہاں ایک شخص نے دوسرے کو دانت سے کاٹا اس نے زور سے اپنا ہاتھ کھینچا تو کاٹنے والا کا دانت ٹوٹ گیا پھر وہ قصاص کے لیے آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اس کا قصاص باطل قرار دیا اور فرمایا: کیا وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ میں رہنے دیتا کہ تو اسے یوں چبا جائے جیسے اونٹ چبا ڈالتا ہے۔(بخاری)

سوال3: وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ’’اور زخموں کا بھی برابر کا بدلہ ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یعنی زخموں میں قصاص ہے۔(صحیح بخاری کتاب التفسیر)《2》جو جان بوجھ کر کسی کو زخمی کرتا ہے تو جارح سے زخموں کا قصاص لیا جائے گا اور اسے حد،مقام،زخم کی لمبائی،چوڑائی اور گہرائی کے مطابق اتنا ہی زخم لگایا جائے گا۔یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہم سے پہلے کی شریعت کی پیروی ہمارے لیے بھی اس وقت تک لازم ہے جب تک کہ ہماری شریعت میں کوئی ایسی چیز وارد نہ ہو جو اس شریعت کے خلاف ہو۔(تفسیر سعدی:691/1)《3》مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں چوٹ ماری،وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا مجھے بدلہ دلوایئے،آپ نے دلوا دیا،اس کے بعد وہ پھر آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ میں تو لنگڑا ہو گیا،آپ نے فرمایا میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نہ مانا،اب تیرے اس لنگڑے پن کا بدلہ کچھ نہیں۔پھر حضور ﷺ نے زخموں کے بھر جانے سے پہلے بدلہ لینے کو منع فرما دیا۔(تفسیر ابن کثیر:772/1)

سوال4: فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ’’پھر جس نے اس (قصاص) کو صدقہ کر دیا تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:’’پھر جو قصاص کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے‘‘《1》یعنی مجرم کے لیے کفارہ ہے کیونکہ آدمی نے اس کو اپنا حق معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ تو اپنے حق کو زیادہ معاف کرنے والا ہے۔تورات میں یہ دفعہ نہیں تھی اس لئے کہ تورات میں یہ جرائم قابل معافی نامہ ہیں نہ صلح ممکن تھی یہی وجہ ہے کہ ان کا کفارہ نہیں تھا لیکن اسلامی شریعت نے ترغیب دلائی ہے کہ اگر وہ مجرم کو معاف کر دے بدلہ نہ لے تو اس کی یہ نیکی گناہوں کے لئے کفارہ بنے گی۔《2》یہ معاف کر دینے والے کے حق میں کفارہ ہے کیونکہ جس طرح اس نے اپنے حق میں جرم کا ارتکاب کرنے والے کو یا اس کو معاف کر دیا جو اس سے متعلق ہے

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی لغزشوں اور گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:691/1)﴿3﴾ حدیث میں بھی ہے کہ جس مسلمان کو دوسرے مسلمان سے اذیت (زخم) پہنچے اور وہ اسے معاف کر دے تو اللہ اس کے بدولت ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک گناہ کم کرتا ہے۔(ترمذی،ابن ماجہ)

سوال 5: اسلامی شریعت نے قصاص کے بارے میں کیا اصول دیا ہے؟

جواب: اسلامی شریعت نے قصاص کے بارے میں پہلا اصول مساوات کا دیا ہے خون سب کا برابر تو سزا بھی سب کی برابر۔ اسلام میں جان کے بدلے جان اور عضو کے بدلے میں عضو ہے۔اس حوالے سے کسی علاقے، طبقے،نسب،خون اور قوم میں کوئی فرق نہیں تمام لوگ قانون کی نظروں میں برابر ہوں گے۔ایک پلیٹ فارم سے انصاف حاصل کریں گے۔

سوال 6: قصاص کا فائدہ کیا ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ انسان کی فطرت قصاص کے جاری ہونے پر مطمئن ہو جاتی ہے۔﴿2﴾ انسان کے نفس سے بغض اور کینہ دور ہو جاتا ہے۔﴿3﴾ انسان کے دل کے زخم بھر جاتے ہیں۔﴿4﴾ انسان کے انتقام کی آگ بجھ جاتی ہے۔

سوال 7: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ'' اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ ظالم ہیں'' جو اللہ تعالیٰ کے قانون کے علاوہ کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ ظالم کیوں ہے؟

جواب:﴿1﴾ ظالم اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی بجائے انسانوں کو اپنی شریعت پر چلاتا ہے۔﴿2﴾ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے،کفر کی سزا کا مستحق بناتا ہے۔﴿3﴾ اپنی ذات اور تمام لوگوں کی زندگیوں کو عذاب میں ڈالتا ہے۔﴿4﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر اس فعل کو حلال سمجھتے ہوئے کیا جائے تو یہ سب سے بڑا ظلم ہے اور اگر اس کو حلال نہ سمجھتے ہوئے کیا جائے تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔(تفسیر سعدی:691/1)

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ(46)

اور ہم نے ان کے پیچھے اُن کے قدموں کے نشانوں پر عیسیٰ ابنِ مریم کو بھیجا جو اس سے پہلے تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اُس کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور جو اپنے سے پہلے تورات کی تصدیق کرنے والی تھی اور متقی لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔(46)

سوال 1: وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ'' اور ہم نے ان کے پیچھے اُن کے قدموں کے نشانوں پر عیسیٰ ابنِ مریم

کو بھیجا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بھیجا یعنی اسرائیلی نبیوں کے پیچھے عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام کو بھیجا۔

سوال2: مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ '' جو اس سے پہلے تورات کی تصدیق کرنے والا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: عیسیٰ علیہ السلام تورات کی حق کے ساتھ گواہی دینے والے تھے اور اس شریعت کے مطابق فیصلے کرنے والے تھے۔

سوال3: وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ '' اور ہم نے اُس کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی'' انجیل کا مقام کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ہم نے اس کو انجیل وحی کی جو کتاب مقدس ہے تورات کی تکمیل کرتی ہے۔ ﴿2﴾ انجیل گمراہی سے بچنے کے لیے ہدایت ہے اور اس میں حلال و حرام کے احکامات کی روشنی ہے اور مشکلات کا حل ہے۔ ﴿3﴾ جو کچھ تورات میں ہے وہی کچھ انجیل میں ہے۔

سوال4: وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ '' اور جو اپنے سے پہلے تورات کی تصدیق کرنے والی تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: انجیل تورات کی صداقت کی شہادت دیتی ہے اور اس کی موافقت کر کے اس کی تصدیق کرتی ہے۔

سوال5: وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ '' اور متقی لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ انجیل حرام کاموں اور گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے زاجر ہے۔ (تفسیر قاسمی: 230/6) ﴿2﴾ وَهُدًى انجیل سے اہل تقویٰ ہدایت پاتے ہیں وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلاتی ہے۔ ﴿3﴾ وَّمَوْعِظَةً انجیل زندگی کے لیے کامل نصیحت ہے۔ (ایسر التفاسیر: 347) ﴿4﴾ لِّلْمُتَّقِيْنَ اہل تقویٰ ہی مواعظ سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (47)

اور لازم ہے کہ اہلِ انجیل اسی کے مطابق فیصلے کریں جو اللہ تعالیٰ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو اس کے مطابق فیصلے نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (47)

سوال1: وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ اور لازم ہے کہ اہلِ انجیل اسی کے مطابق فیصلے کریں جو اللہ تعالیٰ نے اس میں نازل کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اہل انجیل پر لازم ہے کہ اپنی کتاب کے مطابق فیصلے کریں۔ ﴿2﴾ اہل انجیل کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلے کریں۔ (ایسر التفاسیر: 347) ﴿3﴾ نصاریٰ پر لازم اور واجب قرار دیا گیا ہے کہ وہ انجیل

کے مطابق اور جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے اس کے مطابق فیصلے کریں۔(واضح المیسر:263)

سوال2: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ''اور جو اس کے مطابق فیصلے نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے وہی لوگ فاسق ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اس آیت میں اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کو فاسق کہا گیا ہے، یعنی ایسے لوگ اپنے رب کی اطاعت وحق کی راہ چھوڑ کر باطل کی طرف مائل ہونے والے ہیں۔(تیسیر الرحمٰن:349/1)《2》جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جاتے ہیں تو فسق، ظلم اور کفر ہو جاتا ہے۔(ایسر التفاسیر:347)《3》فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اپنے رب کی اطاعت سے نکلنے والے، باطل کی طرف مائل ہو جانے والے، حق کو چھوڑنے والے ہیں۔(تفسیر قاسمی:230/6)

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ(48)

اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے جو تصدیق کرنے والی ہے اس کے لیے جو کتاب میں سے اس سے پہلے ہے۔ اور ان پر نگہبان ہے، چنانچہ آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کا پیچھا نہ کرو۔ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک راستہ اور ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور وہ تمہیں ایک ہی اُمت بنا دیتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ اس میں تمہاری آزمائش کرے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے، چنانچہ تم بھلائیوں میں سبقت لے جاؤ، تم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں اس چیز کے متعلق بتائے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔(48)

سوال1: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ''اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》الْكِتٰبَ سے مراد قرآن حکیم ہے۔《2》بالحق سے مراد صدق ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔(تفسیر قاسمی:230/6)《3》یہ کتاب اپنی خبروں اور احکامات میں حق پر مشتمل ہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کیوں اتاری؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت اس لیے اتاری تا کہ اس کے مطابق اعتقادات درست ہوں۔《2》اس کے مطابق

مراسم عبودیت درست ہوں۔ ﴿3﴾ اس کے مطابق لوگوں کی معاشرت بدلے۔ ﴿4﴾ اس کے مطابق نظامِ تعلیم استوار ہو۔ ﴿5﴾ عدالتوں اور دفتروں میں رائج ہو۔ ﴿6﴾ عدالتوں میں اس کا دور دورہ ہو۔ ﴿7﴾ اس شریعت کے نفاذ میں سستی اور غفلت نہیں برتی جاسکتی۔

سوال3: مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ ''جو تصدیق کرنے والی ہے اس کے لیے جو کتاب میں سے اس سے پہلے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ قرآن مجید پہلی کتابوں کی صداقت کی گواہی دیتا ہے اور ان کی موافقت کرتا ہے ﴿2﴾ قرآن مجید میں دیئے گئے قوانین پچھلی کتابوں کے مطابق اور اس کی خبریں ان کی خبروں کے مطابق ہیں۔

سوال4: وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ''اور ان پر نگہبان ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مُهَيْمِن کا معنی امانت دار (نگہبان) قرآن گویا اگلی آسمانی کتابوں کا محافظ ہے۔ (بخاری، کتاب التفسیر) ﴿2﴾ مُهَيْمِن کے معنی محافظ، نگہبان کے آتے ہیں قرآن پاک کتب سابقہ کا محافظ ہے یعنی جو کچھ ان کتب میں امانت ودیعت کی گئی ہے اس کو نہایت صحت کے ساتھ بیان کرتا ہے اور یہود کے غلط تاویلات وتحریفات کو واضح کرتا ہے آپ ﷺ کو ہم نے اس کا امین مقرر کیا ہے۔ (کبیر، قرطبی) ﴿3﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا قرآن امین ہے تمام سابقہ کتابوں پر۔ ﴿4﴾ قرآن مجید پچھلی کتابوں کے مضامین پر نگہبان ہے۔ یہ ہر اس حق کی پیروی کرنے کی ترغیب دیتا ہے جو پچھلی کتابوں میں پیش کیا گیا۔ یہ حق کے راستوں کو واضح کرتا ہے۔ لہذا جس کی قرآن مجید گواہی دے وہ قابل قبول ہے۔

سوال5: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ ''چنانچہ آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے جو احکامات نازل کیے ہیں اس کے مطابق فیصلے کرو۔ ﴿2﴾ خاص معاملہ قاتل کے قتل اور زانی کے رجم کا تھا۔ (ایسر التفاسیر: 348)

سوال6: وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ''اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کا پیچھا نہ کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہود کی اتباع سے روکا ہے۔ (جامع البیان: 293/6) ﴿2﴾ یہود کی خواہشات باطل ہیں اور آپ ﷺ کے پاس حق آچکا ہے آپ ﷺ ان کی خواہشات کو حق کا بدل نہ بنائیں۔

سوال7: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک راستہ اور ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے''

شریعت اور منہاج کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ ''تم میں سے ہر ایک کو ہم نے دیا''یعنی تمام قوموں کو دیا۔《2》شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ''ایک راستہ اور ایک طریقہ''شرعۃ و منھاجا سے راستہ اور طریقہ مراد ہے۔(بخاری، کتاب التفسیر)《3》ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا سبیل اور سنت مراد ہے۔(طبری:611/4)《4》شرعۃ اور شریعۃ اصل میں واضح راستہ ہے جو پانی تک پہنچادے پھر یہ اس شریعت کے لیے استعمال ہونے لگا جو دین میں اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہے۔اور منہاج واضح اور روشن راستہ ہے۔《5》شِرْعَةً یعنی شریعت جو اللہ تعالیٰ سے ملائے اور مِنْهَاجًا: دین میں واضح راستہ جس پر تم چلتے ہو۔(تفسیر قاسمی:232/6)《6》شریعتیں امتوں کے اختلاف کے ساتھ بدلتی رہی ہیں مختلف ادوار میں ان میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ہر شریعت اپنے نفاذ کے وقت عدل پر رہی ہے۔تمام شریعتوں میں بڑے بڑے اصول کبھی نہیں بدلتے۔

سوال8:اگر لوگ شریعت سے منہ پھیرلیں تو پھر اہل قرآن کی ذمہ داری کیا رہ جاتی ہے؟

جواب:《1》اپنی جگہ شریعت کو پوری قوت سے تھامے رہیں۔《2》لوگوں کے منہ پھیرنے کی وجہ سے مقصد پر گرفت ڈھیلی نہ پڑے۔《3》اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نافذ کرنے کی کوششیں کریں۔

سوال9:وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ''اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور وہ تمہیں ایک ہی اُمت بنا دیتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:اُمَّةً وَّاحِدَةً ایک امت یعنی تمہارے درمیان عقیدے،عبادت اور فیصلوں میں کوئی اختلاف نہیں۔(ایسر التفاسیر:348)

سوال10:وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ''لیکن وہ چاہتا ہے کہ اس میں تمہاری آزمائش کرے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے مختلف شریعتیں دے کر آزمایا ہے کہ کون اللہ کے حکم پر عمل پیرا ہونا چاہتا ہے۔《2》پس وہ تمہیں آزمائے اور دیکھے کہ تم کیسے کام کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہر قوم کو آزماتا ہے اور ہر قوم کو اس کے احوال اور شان کے لائق عطا کرتا ہے،تاکہ قوموں کے درمیان مقابلہ رہے۔پس ہر قوم دوسری قوم سے آگے بڑھنے کی خواہش مند ہوتی ہے(تفسیر سعدی:694)

سوال11:فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ''چنانچہ تم بھلائیوں میں سبقت لے جاؤ'' سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب:《1》یعنی بھلائیوں کے حصول کے لیے جلدی سے آگے بڑھو اور ان کو مکمل کرو۔بھلائی میں آگے بڑھنے کے لیے دو امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔(الف) جب بھلائی کا وقت آجائے اور اس کا سبب واضح ہو جائے تو جلدی سے اس کی طرف بڑھنا۔(ب) حکم کے مطابق مکمل طور پر ادا کرنے کی کوشش کرنا۔《2》اللہ کی شریعت کی اتباع میں ایک دوسرے سے آگے

نکل جاؤ۔《3》اللہ کے احکامات کی اطاعت میں آگے نکل جاؤ۔

سوال12: اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ”تم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ کر جانا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”تم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ کر جانا ہے“ اللہ تعالیٰ نے ایک دن سب کو اکٹھا کرنا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔

سوال13: فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ”پھر وہ تمہیں اس چیز کے متعلق بتائے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی جن شریعتوں میں تم اختلاف کرتے رہے اللہ تعالیٰ سب کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ حق پر ثابت قدم رہنے والوں کو جزا دے گا۔ باطل پر چلنے والوں کو عذاب دے گا۔

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ (49)

اور یہ کہ آپ اُن کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ اور ان کی خواہشات کا پیچھا نہ کریں اور آپ ان سے بچ کر رہیں، کہیں آپ کو اس میں سے بعض کے متعلق فتنے میں نہ ڈال دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل کیا ہے، پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے اُنہیں مصیبت میں مبتلا کر دے اور بلاشبہ انسانوں میں سے اکثر یقیناً نافرمان ہیں۔(49)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کعب بن اسید اور عبداللہ بن صوریا اور شاش بن قیس نے کہا ہے کہ محمد ﷺ کے پاس چلو ممکن ہے کہ ہم ان کے دین میں کوئی فتنہ پیدا کر سکیں، چنانچہ یہ آئے اور کہا کہ محمد ﷺ آپ جانتے ہیں کہ ہم یہودیوں کے عالم اور ان کے سردار ہیں، اگر ہم آپ کی اتباع کر لیں گے تو تمام یہود آپ کی اتباع کر لیں گے اور کوئی بھی ہماری مخالفت نہیں کرے گا، البتہ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان کچھ اختلافات ہیں، ہم ان میں آپ کو فیصل بناتے ہیں، آپ ہماری حمایت میں ان کے خلاف فیصلہ کر دیں، ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے (جب کہ ان کا ایمان لانے کا ارادہ نہیں تھا) تب اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق آیت نازل فرمائی کہ ”اور یہ کہ آپ اُن کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے“ الخ۔ (لباب النقول)

سوال2: وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ”اور یہ کہ آپ اُن کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا

ہے"کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ جب آپ ﷺ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب وسنت کی ہدایت کے مطابق فیصلہ کریں۔

سوال3: وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ "اوران کی خواہشات کا پیچھا نہ کریں" کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہود کی خواہشات کی پیروی سے روکا ہے۔(ایسر التفاسیر:348,349) اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے مکمل قانون کے نفاذ میں کسی کی خواہش رکاوٹ بنتی ہےتو آپ فتنے میں پڑ جاؤ گے اس لئے کہ یہ مکمل شریعت نہ ہوگی بلکہ خواہش پرستی ہوگی جس سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے۔

سوال4: وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ "اور آپ ان سے بچ کر رہیں کہیں آپ کو اس میں سے بعض کے متعلق فتنے میں نہ ڈال دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔" کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تنبیہ کی ہے کہ یہود کی فریب کاریوں سے بچیں وہ آپ ﷺ کو فتنے میں ڈال کر ایسی چیز سے نہ روک دیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے حق کی پیروی کو فرض قرار دیا ہے،خواہشات کی پیروی اس کو ترک کرنے کا سبب بنتی ہے۔اس لیے آپ خواہشات کی پیروی سے بچ جائیں۔

سوال5: فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ "پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے اُنہیں مصیبت میں مبتلا کردے" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یعنی اگر وہ آپ کی پیروی اور حق کی اتباع سے منہ پھیرلیں تو اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی دنیا وآخرت میں جوسزائیں مقرر کی ہیں ان میں سب سے سخت یہ ہے کہ بندے کو آزمائش میں مبتلا کردیا جائے اور رسول کی پیروی کی بجائے اس آزمائش کو مزین کردیا جائے۔《2》رسول اللہ ﷺ کو یہ بتایا جارہا ہے کہ اگر لوگ منہ پھیرلیں تو آپ شریعت کو پورے طریقے سے تھامے رکھیں، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نافذ کریں۔لوگوں کی روگردانی آپ کو ڈھیلا نہ کردے۔《3》ان لوگوں کے منہ پھیرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے گناہوں کی وجہ سے انہیں مصیبت میں ڈالنے والے ہیں۔《4》اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ یہ لوگ برے نتائج کا شکار ہوں۔

سوال6: وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ "اور بلاشبہ انسانوں میں سے اکثر یقیناً نافرمان ہیں" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یعنی یہود کی فطرت میں فسق ہے وہ رسول کی نافرمانیاں کرنے کے عادی ہیں۔《2》یہود کی اکثریت فاسق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کو چھوڑنے والے ہیں اور اس کی اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکلنے والے ہیں۔(جامع

البیان:294/6)﴿3﴾رب العزت نے فرمایا:وَمَآ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ اور آپ خواہ کتنی ہی حرص رکھیں، اکثر لوگ مومن نہیں ہوتے۔(یوسف:103)﴿4﴾اللہ تعالیٰ نے وسوسوں کا سدّ باب کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا قانون سچا ہے تو اکثر لوگ مخالفت کیوں کرتے ہیں؟﴿5﴾اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ اکثر لوگ فسق وفجور میں مبتلا رہتے ہیں اور یہ لوگ اسی طرح رہیں گے آپ انہیں بدل نہیں سکتے۔

سوال7:اللہ تعالیٰ کی کتاب اللہ تعالیٰ کا ناقابلِ ترمیم قانون ہے اس کا تقاضا کیا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ کے ناقابل ترمیم قانون کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے اختلافات اس کتاب یعنی قرآن کی طرف لوٹائیں۔یہ کتاب اس بارے میں فیصلہ کرے۔اس کتاب کے مقابلے میں انسان کی ذاتی رائے کی کوئی قیمت نہیں اگر اس کی پشت پر قرآن وسنت سے دلیل نہیں ہے۔

سوال8:اہل قرآن کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

جواب:﴿1﴾اہل قرآن اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلے کریں۔﴿2﴾اسلامی شریعت میں تبدیلی کا ہر خفیہ راستہ بند کر دیا جائے۔﴿3﴾شریعت کے نفاذ میں کوئی سستی نہ برتیں۔

اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ(50)

تو کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور کون اللہ تعالیٰ سے فیصلہ کرنے میں بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں؟(50)

سوال1:اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ ''تو کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾یعنی کیا وہ کفار کی دوستی طلب کرکے اور آپ سے اعراض کرکے جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ ہر وہ فیصلہ جو اس چیز کے خلاف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے وہ جاہلیت کا فیصلہ ہے۔تب اس طرح صرف دو قسم کے فیصلے ہیں:(الف)اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ۔(ب) جاہلیت کا فیصلہ۔پس جو کوئی اللہ اور اس کے فیصلوں سے منہ موڑتا ہے تو وہ دوسری قسم کے فیصلوں میں مبتلا ہوجاتا ہے جو جہالت، ظلم اور گمراہی پر مبنی ہیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان فیصلوں کو جاہلیت کی طرف مضاف کیا ہے۔رہے اللہ تعالیٰ کے فیصلے تو وہ عدل، انصاف، نور ہدایت پر مبنی ہوتے ہیں۔(تفسیر سعدی:696/1)﴿2﴾ان لوگوں کی تردید ہے جو اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر جس میں ہر بھلائی ہے، انسانوں کے وضع کردہ افکار ونظریات اور قوانین واحکام کی پیروی کرتے ہیں۔(تیسیر الرحمٰن:350/1)﴿3﴾ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تین آدمی اللہ کے یہاں سب سے زیادہ مغضوب ہیں۔(الف) حرم شریف کی حرمت پامال کرنے والا (ب)

اسلام میں رسول اللہ ﷺ کا طریقہ چھوڑ کر جاہلیت کا طریقہ اپنانے والا (ج) کسی مسلمان کا ناحق خون طلب کرنے والا تاکہ وہ اس کا خون بہائے۔ (صحیح بخاری:6882)

سوال2: وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ''اور کون اللہ تعالیٰ سے فیصلہ کرنے میں بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے کیا خالق سے بڑھ کر انسانوں کی ضروریات اور مصالح کو کوئی جاننے والا ہوسکتا ہے کہ اُن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قانون بنائے؟ ﴿2﴾ اللہ رب ہے کیا رب سے بڑھ کر کوئی اور ہمدرد ہوسکتا ہے؟ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ علیم ہے قیامت تک آنے والے حالات سے اس سے زیادہ کوئی واقف ہوسکتا ہے؟ ﴿4﴾ حقیقت یہ ہے کہ یقین لانے والوں کے لئے اللہ سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا کوئی اور نہیں۔ ﴿5﴾ صاحب ایقان وہ ہے جو اپنے یقین کی بنیاد پر دونوں قسم کے فیصلوں کے درمیان فرق کو پہچانتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں موجود حسن اور خوبصورتی میں امتیاز کرسکتا ہو اور عقلاً اور شرعاً ان کی اتباع کو لازم قرار دیتا ہو اور یقین سے مراد وہ علم کامل وتام ہے جو عمل کا موجب ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی:696/1)

رکوع نمبر12

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (51)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو اُنہیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ انہی میں سے ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (51)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جنگ احد کے بعد ایک شخص نے کہا کہ میں اس یہودی سے دوستی کرتا ہوں تاکہ موقع پر مجھے نفع پہنچے، دوسرے نے کہا، میں فلاں نصرانی کے پاس جاتا ہوں، اس سے دوستی کر کے اس کی مدد کروں گا۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آیتیں عبداللہ بن سلول کے بارے میں اتری ہیں۔ سیدنا عبادہ بن صامت نے نبی ﷺ سے کہا کہ بہت سے یہودیوں سے میری دوستی ہے مگر میں ان سب کی دوستیاں توڑتا ہوں، مجھے اللہ اور اس کے رسول کی دوستی کافی ہے۔ اس پر اس منافق نے کہا میں دور اندیش ہوں، دور کی سوچنے کا عادی ہوں، مجھ سے یہ نہ ہوسکے گا، نہ جانے کس وقت کیا موقع پڑ جائے؟

نبی ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ! تو عبادہ کے مقابلے میں بہت ہی گھاٹے میں رہا، اس پر یہ آیتیں اتریں۔(تفسیر ابن کثیر:778/1)《2》ابن اسحاق ؒ، ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم ؒ اور بیہقی ؒ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ بنی قینقاع کی لڑائی ہوئی تو عبداللہ بن ابی بن سلول نے اس میں بڑی دلچسپی لی اور ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہوا تو سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے ان کی دوستی سے برات ظاہر کی اور سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ بنی عوف بن الخزرج سے تھے اور ان لوگوں کی قسموں کی طرف سے ان کو وہ فضیلت جو عبداللہ بن ابی بن سلول کو تھی، چنانچہ ان لوگوں نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے قسمیں کھائیں اور کفار کی قسموں اور ان کی دوستی سے برات ظاہر کی، سورہ مائدہ کی یہ آیت سیدنا عبادہ اور عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، الخ۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطیؒ)

سوال2: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: 《1》يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو'' یعنی اے لوگو جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدوں اور وعیدوں کی تصدیق کی۔(ایسر التفاسیر:349)《2》لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ''یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ'' یہود و نصاریٰ میں سے کسی ایک کو دوست نہ بنانا۔ ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور معاشرتی تعلقات نہ رکھنا۔(تفسیر قاسمی:240/6)《3》یہود و نصاریٰ تمہارے دشمن ہیں تمہیں گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ تمہارے نقصان کی انہیں کوئی پرواہ نہیں۔《4》رب العزت کا فرمان ہے: تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ آپ ان میں سے اکثر کو دیکھتے ہیں جو ان لوگوں کو دوست بناتے ہیں، جنہوں نے کفر کیا۔ یقیناً بہت ہی برا ہے جو انہوں نے اپنی جانوں کے لیے آگے بھیجا کہ ان پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوا ہے اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔(المائدہ:80)《5》ابن ابی حاتم میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آمد و خرچ کا حساب کتاب بتائیں۔ ابو موسیٰ کا کاتب ایک عیسائی تھا۔ ابو موسیٰ نے کہا عمر رضی اللہ عنہ کو حساب سمجھا دے۔ اس نے بڑے سلیقے سے حساب سمجھا دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ اس کی ہوشیاری سے خوش ہوئے اور فرمایا یہ بڑا ہوشیار اور امین ہے۔ پھر اس سے کہا مسجد میں آ کر ہمیں ایک خط کا مطلب بتا دینا جو شام سے آیا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا یہ مسجد میں نہیں جا سکتا۔ پوچھا کیا ناپاک ہے؟ فرمایا نہیں ناپاک تو نہیں ہے مگر عیسائی ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹا اور کہا اسے نکالو اور یہ آیت پڑھی۔(ابن ابی حاتم)

سوال3: مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں سے دوستی کیوں چاہتے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ملک کے اقتصادی وسائل پر یہودیوں اور عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ ﴿2﴾ یہودیوں اور عیسائیوں کی تاریخی عظمت کی وجہ سے لوگوں کو یقین تھا کہ ایسی طاقت کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ﴿3﴾ مسلمانوں کی جماعت کے کمزور لوگ اسلام میں اس طرح داخل نہیں ہونا چاہتے تھے کہ انہیں یہودیوں کی انتقامی کاروائیوں کا سامنا کرنا پڑے۔ ﴿4﴾ مستقبل کے خطرے سے بچنے کے لیے یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھنا چاہتے تھے۔

سوال4: یہود و نصاریٰ کی دوستی سے روکنے کی وجوہات کیا تھیں؟

جواب: ﴿1﴾ قرآن کریم نے مسلمان جماعت کو اس کردار کے ادا کرنے کے لئے تیار کیا جو اس نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دنیا میں ادا کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے قرآن حکیم ہر مسلمان کے کردار کی تعمیر اس بنیاد پر کرتا ہے کہ اس کی ہمدردیاں پورے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ، اسلامی نظریہ حیات اور اس پر قائم ہونے والی جماعت کے ساتھ ہوں۔ ایک مسلمان جماعت کے افراد کا غیر مسلم جماعت جو اسلام کے مقابلے میں کھڑی ہے اس سے مکمل بائیکاٹ ہونا چاہیے۔ ﴿2﴾ اسلامی جماعت کے سوا دوسروں سے دوستی لگانا دین اسلام کو چھوڑ دینے کے مترادف ہے اور اسلام جو مقام مسلمان کو دیتا ہے اس مقام کو چھوڑ دینے کے مترادف ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اسلام سے والہانہ لگاؤ اور اس بنیاد پر قائم ہونے والی جماعت کے ساتھ دلی محبت اور اسلام کے دشمنوں سے ہونے والی کشمکش کو سمجھنا دین کی اصل ہے۔ اس لئے کہ اس کے بغیر دین کے لئے کام کرنے والی جماعت کی تشکیل ممکن نہیں ہوتی۔ جو لوگ دین کا علم اٹھائے ہوئے ہیں وہ اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے، نہ مضبوط شخصیت کے مالک ہو سکتے ہیں نہ زمین پر کوئی تبدیلی لا سکتے ہیں جب تک ان کے دلوں میں ان تمام لوگوں سے دوری نہیں پیدا ہو جاتی جو اسلامی محاذ کے خلاف علم بلند کئے ہوئے ہیں۔ اور جب تک اہل ایمان کی دوستی اللہ تعالیٰ، رسول ﷺ اور اہل ایمان کے لئے مختص نہیں ہو جاتی وہ دنیا میں اپنا مشن پورا کرنے کی پوزیشن میں نہیں آسکتے۔

سوال5: یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست بنانے کے نقصانات کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست بنانے کے بڑے نقصانات ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی دوستی سے مومنوں کا دین خراب ہوتا ہے۔ ان کی دوستی اپنے اوپر ظلم ہے اس اعتبار سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی' ان کی دوستی سے آخرت خراب ہو جاتی ہے۔ ﴿2﴾ ان کی دوستی سے اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی سے محرومی مقدر ہو جاتی ہے۔ ﴿3﴾ ان کی دوستی سے مسلمانوں کی جماعت سے تعلق ختم ہوتا ہے۔ ﴿4﴾ ان کی دوستی سے اللہ تعالیٰ کی مدد

سے محروم ہو جاتے ہیں۔

سوال6: بَعۡضُهُمۡ أَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ''وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور وہ دوسروں کے مقابلے میں ایک ہیں۔(تفسیر سعدی:697/1)

سوال7: وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمۡ فَإِنَّهُۥ مِنۡهُمۡ ''اور تم میں سے جو انہیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان ہی میں سے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ''اور تم میں سے جو انہیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان ہی میں سے ہے'' یہود و نصاریٰ کو وہ دوست بنائے گا جو ان جیسا ہو۔﴿2﴾ کامل دوستی ان کے دین میں مستقل ہونے کا سبب بنتی ہے۔﴿3﴾ ابتدائی دوستی گہری دوستی میں بدل جاتی ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ بندہ ان ہی میں سے ہو جاتا ہے۔﴿4﴾ رب العزت کا فرمان ہے: وَلَن تَرۡضَىٰ عَنكَ ٱلۡيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡۗ قُلۡ إِنَّ هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلۡهُدَىٰۗ وَلَئِنِ ٱتَّبَعۡتَ أَهۡوَآءَهُم بَعۡدَ ٱلَّذِي جَآءَكَ مِنَ ٱلۡعِلۡمِ مَا لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ اور یہودی اور عیسائی آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کریں۔ آپ کہہ دیں کہ یقیناً (حقیقی) ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اور یقیناً اگر اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا، آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ سے (بچانے میں) نہ آپ کا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔(البقرہ:120)

سوال8: إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهۡدِي ٱلۡقَوۡمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا'' ظالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا پہلا قدم نہ اُٹھائے اس لئے کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا پہلا قدم بڑھا دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد اس کا سہارا بن جاتی ہے۔ انسان کے لیے دنیا میں سب سے مشکل کام یہی ہوتا ہے کہ وہ سارے خطرات کو نظرانداز کر کے اس ارادے کا ثبوت دے دے۔ دنیا کا ہر امتحان اسی ارادے کا امتحان ہے۔ انسان اگر اللہ تعالیٰ کی طرف قدم بڑھانے کا ارادہ نہ کرے تو یہی ظلم ہے ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی مدد کا سہارا نہیں بھیجتا۔

فَتَرَى ٱلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَٰرِعُونَ فِيهِمۡ يَقُولُونَ نَخۡشَىٰٓ أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌۚ فَعَسَى ٱللَّهُ أَن يَأۡتِيَ بِٱلۡفَتۡحِ أَوۡ أَمۡرٍ مِّنۡ عِندِهِۦ فَيُصۡبِحُواْ عَلَىٰ مَآ أَسَرُّواْ فِيٓ أَنفُسِهِمۡ نَٰدِمِينَ (52)

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ ان میں دوڑ کر جاتے ہیں، وہ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ مصیبت کا چکر ہمیں نہ پہنچ جائے، پھر ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح کو لے آئے یا اپنی جناب سے کوئی معاملہ لے

آئے تو وہ ان باتوں پر نادم ہوں جوانہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی تھیں۔(52)

سوال1: فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ '' چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ یہ نفاق کی بیماری ہے۔(ایسر التفاسیر:350) ﴿2﴾ مرض سے مراد نفاق اور دین کو غالب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں شک ہے۔(تفسیر قاسمی:241/6) ﴿3﴾ یہ ضعف ایمان کی بیماری ہے۔

سوال2: يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ '' وہ ان میں دوڑ کر جاتے ہیں'' نفاق میں دوڑ دھوپ سے کیا مراد ہے؟

جواب: جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ یہودیوں اور عیسائیوں سے دوستی کرنے کے لیے بے قرار ہیں۔اس دوستی کے لیے ان کی مستقل کوششیں جاری رہتی ہیں۔

سوال3: يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ '' وہ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ مصیبت کا چکر ہمیں نہ پہنچ جائے'' مصیبت کے چکر میں پھنس جانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ '' وہ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ مصیبت کا چکر ہمیں نہ پہنچ جائے'' یعنی وہ کہتے تھے ہمیں ڈر ہے کہ اگر زمانے کی گردش سے اسلام کا خاتمہ ہو جائے اور یہود و نصاریٰ کو فتح ہو جائے تو ہمارے ان سے دوستانہ تعلقات کام آئیں گے۔ ﴿2﴾ منافقین کے دل میں یہ خوف سمایا ہوا تھا کہ اگر ہم صرف مسلمانوں ہی کے ہو کر رہ گئے تو سخت مصیبت میں پھنس جائیں گے۔اس لیے کہ جو کشمکش مسلمانوں اور کفار میں برپا تھی اس کے بارے میں انہیں یقینی بات نظر نہیں آتی تھی کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔اس لئے منافقین دونوں گروہوں سے راہ و رسم رکھنا چاہتے تھے تاکہ مخالف اسلام گروہ کے غالب آنے کی صورت میں ان سے مفادات حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رکھ سکیں۔

سوال4: فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ '' پھر ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح کو لے آئے یا اپنی جناب سے کوئی معاملہ لے آئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: '' پھر ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح کو لے آئے یا اپنی جناب سے کوئی معاملہ لے آئے'' یعنی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائے اور یہود و نصاریٰ پر غالب کر دے جیسے مکہ فتح ہوا۔

سوال5: فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ '' تو وہ ان باتوں پر نادم ہوں جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی تھیں'' منافق اپنے اندر کیا چھپاتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ منافق کے دل میں نفاق کی بیماری ہوتی ہے۔اس کی دلی دوستی کافروں سے ہوتی ہے جس کو وہ مسلمانوں سے

چھپاتا ہے۔شرمندگی اس وقت ہوتی ہے جب یہ راز کھل جاتا ہے۔﴿2﴾ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے نوازا تو انہیں غم کا سامنا کرنا پڑا اور ندامت اٹھانی پڑی۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ(53)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے کہیں گے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی پکی قسمیں کھائیں کہ بلاشبہ یقیناً وہ تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے سارے اعمال ضائع ہوگئے چنانچہ وہ خسارہ اُٹھانے والے ہوگئے۔(53)

سوال1: وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا ’’اور وہ لوگ جو ایمان لائے کہیں گے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: جن کے دلوں میں نفاق ہے ان کے حال پر تعجب کرتے ہوئے مومن کہتے ہیں۔

سوال2: أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ’’کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی پکی قسمیں کھائیں بلاشبہ یقیناً وہ تمہارے ساتھ ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ’’کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی پکی قسمیں کھائیں بلاشبہ یقیناً وہ تمہارے ساتھ ہیں‘‘، یعنی جنہوں نے مسلمانوں سے محبت، نصرت اور موالات کے لیے حلف اٹھائے کہ بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ ہیں مگر جو کچھ انہوں نے چھپایا ان کے راز کھل گئے۔ان کے تمام گمان جو وہ اسلام کے بارے میں رکھتے تھے باطل ہوگئے۔

سوال3: حق اور باطل کے درمیان فیصلے کے وقت اور اللہ کی طرف سے فتح نصیب ہونے پر کھوٹے لوگ قسمیں کیوں کھاتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ سخت شرمندگی محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے کیوں جلدبازی کا مظاہرہ کیا۔﴿2﴾ لوگوں کے خفیہ راز کھل جاتے ہیں۔﴿3﴾ اعمال ضائع ہوجاتے ہیں تو اس ضیاع سے بچنے کے لیے قسمیں کھاتے ہیں کہ لوگ یہ مان جائیں کہ ہم انہی میں سے ہیں۔

سوال4: حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ’’ان کے سارے اعمال ضائع ہوگئے چنانچہ وہ خسارہ اُٹھانے والے ہوگئے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’ان کے سارے اعمال ضائع ہوگئے چنانچہ وہ خسارہ اُٹھانے والے ہوگئے‘‘ اعمال کے بارآور ہونے کا انحصار ایمان اور اخلاص پر ہے۔نفاق کے ساتھ جو دین داری کی نمائش ہوتی ہے اس کا اللہ تعالیٰ کی میزان میں کوئی وزن نہیں

ہوتا۔ نفاق کے ساتھ پڑھی گئی نمازیں، رکھے گئے روزے، دیئے گئے صدقے، کیا گیا ذکر سب ضائع ہوئے۔ ﴿2﴾ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے اور انہیں بدبختی اور عذاب نے گھیر لیا۔ (تفسیر سعدی:698/1)

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (54)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ جلد ہی ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے وہ مومنوں پر بہت نرم اور کافروں پر بہت سخت ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ (54)

سوال1: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اے لوگو جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کی ہے اور اس کا اقرار کیا ہے جس کو ان کے نبی محمد ﷺ لے کر آئے ہیں۔ (جامع البیان:302/6)

سوال2: مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ ''تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پھر جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جو اپنے ایمان کے بعد کفر کی طرف پھر جاتا ہے۔ (ایسر التفاسیر) ﴿2﴾ جو دین سے پھر جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا نقصان نہیں کرتا اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

سوال3: دین سے کون پھرتا ہے؟

جواب: ایمان لانے کے بعد جو شخص ایمان کے تقاضے پورے نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں دین کو قبول کرنے کے بعد دین سے پھر گیا۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کی نظر میں سچے دین دار کون ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ جن کے اندر ایمان اس طرح داخل ہو کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو جائے۔ ﴿2﴾ انہیں اسلامی مقاصد کی تکمیل اتنی عزیز ہو جائے کہ جو لوگ اسلام کی راہ میں بھائی بنیں ان کے لئے دل میں نرمی اور ہمدردی کے ماسوا کوئی چیز باقی نہ رہے۔ ﴿3﴾ وہ مسلمانوں کے لئے اتنے مہربان ہو جائیں کہ ان کا وقت اور صلاحیت کبھی مسلمانوں کے مقابلے میں استعمال

نہ ہو۔《4》وہ دین کے معاملے میں اتنے سنجیدہ ہوں کہ غیر اسلامی لوگوں کی فکر اور اعمال سے کوئی اثر قبول نہ کریں۔ 《5》ان کے جذبات اتنے اسلام کے تابع ہو جائیں کہ وہ مسلمانوں کے لیے نرم اور کافروں کے لئے سخت بن جائیں۔

سوال5: فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ''تو اللہ تعالیٰ جلد ہی ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے مرتدوں کے مقابلے میں ایسے لوگوں کو لانے کا وعدہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔《2》بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت جلیل ترین نعمت ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے بندے کو نوازا ہے اور سب سے بڑی فضیلت ہے جس سے اللہ نے اپنے بندے کو مشرف فرمایا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے محبت کرتا ہے تو وہ اس کے لیے تمام اسباب مہیا کر دیتا ہے، ہر قسم کی مشکل اس پر آسان کر دیتا ہے، نیک کام کرنے اور برائیوں کو ترک کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے اور بندوں کے دلوں کو محبت اور مودت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ اپنے رب کے ساتھ بندے کی محبت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے اقوال و افعال اور تمام احوال میں ظاہری اور باطنی طور پر رسول اللہ ﷺ کی متابعت کی صفت سے متصف ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ آپ کہہ دیں اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا۔ (آل عمران:31) جیسے بندے کے ساتھ رب کی محبت کے لوازم میں سے یہ ہے بندہ کثرت سے فرائض اور نوافل کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک صحیح حدیث میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے نقل فرمایا ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں، اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں اور میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو بوجہ تکلیف جسمانی کے پسند نہیں کرتا اور مجھ کو بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔ (صحیح

بخاری:6502)(تفسیر سعدی:699/1)《3》سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں: میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اسے محبوب رکھو۔ فرمایا: پس جبرائیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر آسمان میں منادی کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کے لیے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔(صحیح مسلم:6705)《4》رب العزت کا ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ شدید ہیں۔(البقرۃ:165) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین خصلتیں ایسی ہیں جس کسی شخص میں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس محسوس کرے گا ایک خصلت تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اس کو سب سے زیادہ محبوب ہوں (اللہ رسول سے جو محبت ہو اس جیسی اور کسی سے محبت نہ ہو) دوسرے یہ کہ جس کسی بندہ سے محبت کرے تو یہ محبت صرف اللہ ہی کے لیے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اللہ نے اسے کفر سے بچا دیا تو اب کفر میں واپس جانے کو ایسا ہی برا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔(بخاری:7/1)《5》اللہ تعالیٰ کی محبت کے لوازم میں سے، اس کی معرفت اور کثرت کے ساتھ اس کا ذکر کرنا بھی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بغیر اس کے ساتھ محبت ناقص ہے، بلکہ اس محبت کا وجود ہی نہیں اگرچہ اس کا دعویٰ کیا جائے۔ جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کے تھوڑے سے عمل کو قبول فرما لیتا ہے اور اس کی بہت سی لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:699/1)

سوال6: اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ''مومنوں پر بہت نرم ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اَذِلَّةٍ کی صفت اطاعت، نرمی اور یسر سے لی گئی ہے یعنی مومنوں کے معاملے میں اپنے آپ کو ذلیل کر کے رکھیں گے لیکن مومنوں کے مقابلے میں اپنے نفس کو ذلیل کر کے رکھنے میں توہین نہیں اس لئے کہ مومن مومن کے مقابلے میں نہایت ہی نرم ہوتا ہے۔ آسان اور جلدی بات مان لینے والا۔ اس لفظ سے اخوت، محبت، نفسیاتی اتحاد، نظریاتی لگاؤ اور عدم تکلف کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک مومن اور دوسرے مومن میں کوئی پردہ اور راز نہیں رہتا۔(فی ظلال القرآن)《2》اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ مومنوں کے لیے نرمی اختیار کریں۔ رب العزت کا ارشاد ہے وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اور مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکا دیں۔(الحجر:88)《3》وہ اہل ایمان سے محبت کرتے ہیں، ان سے خیر خواہی رکھتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ وہ کفار پر سخت، آپس میں نہایت رحم دل ہیں۔(الفتح:29)《4》یہ ان صفات میں سے ہیں جن کے ذریعے سے بندہ اپنے رب کا قرب حاصل کرتا ہے۔

سوال7: اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ''کافروں پر بہت سخت ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جو کفار پر سخت ہوں گے۔ یعنی کافروں کے مقابلے میں ان کے اندر برتری اور ناپسندیدگی کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ ان جذبات کا اظہار وہ ذاتی عزت کے لیے نہیں کرتے۔ یہ تو اسلامی نظریہ حیات کی عزت کا اظہار ہوتا ہے۔ یعنی جو کچھ ان کے پاس ہے وہ خیر ہے۔ ﴿2﴾ رب العزت نے نبی ﷺ کو کافروں کے ساتھ سختی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اگر تم یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بہت بڑا فساد ہوگا۔ (انفال:73)

سوال8: يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ''وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وہ اپنی جان، مال، اقوال اور افعال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور بامقصد زندگی بسر کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے دین کو اللہ تعالیٰ کے بندوں تک پہنچاتے ہیں۔ ﴿3﴾ وہ جہنم کی طرف جاتی ہوئی دنیا کو جنت کے راستے پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اسلامی نظام قائم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا اعلان کرتے ہیں۔ ﴿5﴾ ان کی کوششوں کی وجہ سے ملک کے اندر اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ ﴿6﴾ ملک کے اندر بھلائی، ترقی اور اصلاح کا دور دورہ ہوتا ہے۔

سوال9: وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ''اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈریں گے'' اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والوں کو لوگ ملامت کیوں کرتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ دنیا پرستی اور آخرت کا مسافر بننا انسانوں کو باہم کشمکش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کشمکش کے نتیجے میں ملامت شروع ہو جاتی ہے۔ ﴿2﴾ وہ اپنے رب کی رضا کو مقدم رکھتے ہیں اور مخلوق کی ملامت کی بجائے اپنے رب کی ملامت سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ رویہ ان کے ارادوں اور عزائم کی پختگی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ کمزور دل والا، ارادے کا بھی کمزور ہوتا ہے۔ ملامت گروں کی ملامت پر اس کی عزیمت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے اور نکتہ چینوں کی نکتہ چینی پر اس کی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ مخلوق کی رعایت، ان کی رضا اور ناراضی کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ترجیح کے مطابق بندوں کے دلوں میں غیر اللہ کا تعبد جنم لیتا ہے۔ قلب، غیر اللہ کی عبادت سے اس وقت تک محفوظ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے ڈرنا چھوڑ نہ دے۔ (تفسیر سعدی/1:/700)

سوال10: ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ کیسے ہوتی ہے؟

جواب: لوگ کیا کہتے ہیں؟ لوگ کیا کرتے ہیں؟ لوگ کیا سوچتے ہیں؟ لوگوں کی اقدار اور پیمانے کیا ہیں؟ لوگوں کی عملی زندگی

کیا ہے؟ یہ سوچنا ہی پرواہ کرنا ہے۔اصل اصول کو بھلا دینا ہے۔

سوال11: ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ کب نہیں رہتی؟

جواب: جب انسان اپنے لئے نظریہء حیات کو پیمانہ بنا تا ہے۔جب وہ اسلامی شریعت، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر خود کو تولتا ہے۔ہر موقعے پر یہ سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں میرے عمل کی کوئی قدر و قیمت ہے یا نہیں۔

سوال12: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ''اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم وسیع ہے وہ جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے اس کی رحمت نے ہر چیز کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کا اس لیے شعور دلایا ہے تا کہ مومن خود پسندی کا شکار نہ ہوں۔

سوال13: وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ''اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے''

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ واسع ہے۔اپنے اولیاء کو وسیع فضل و کرم سے نوازتا ہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ علیم ہے وہ جانتا ہے کون اس کے فضل کا مستحق ہے۔(ایسر التفاسیر:351)

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ(55)

یقیناً تمہارے دوست اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہی ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔(55)

سوال1: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا ''یقیناً تمہارے دوست اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہی ہیں'' مومنوں کے دوست کون ہو سکتے ہیں؟

جواب: مومنوں کے دوست تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور ایمان والے ہی ہو سکتے ہیں۔

سوال2: اللہ تعالیٰ کی ولایت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی ولایت (دوستی) ایمان اور تقویٰ کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔جو کوئی صاحب ایمان اور متقی ہے وہ اللہ کا ولی، یعنی دوست ہے اور جو اللہ کا دوست ہے وہ اس کے رسول ﷺ کا دوست ہے۔جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست بناتا ہے تو اس دوستی کی تکمیل یہ ہے کہ اللہ جن کو دوست بناتا ہے یہ بھی انہی کو دوست بنائے اور وہ ہیں اہل ایمان جو ایمان کے ظاہری اور باطنی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اور معبود کے لیے دین کو خالص کرتے ہیں، یعنی نماز کو اس کی تمام شرائط و فرائض اور اس کو مکمل کرنے والے امور کے ساتھ قائم کرتے ہیں، مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے ہیں اور اپنے اموال میں سے اپنے میں سے مستحق لوگوں کو زکوٰۃ دیتے ہیں۔(تفسیر سعدی/1:/701)

سوال3: دین کے علمبرداروں کی پسندیدہ صفات کون سے ہیں؟

جواب:《1》ان سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔《2》مومنوں کے لئے نرم ہوتے ہیں۔《3》کافروں کے لئے سخت ہوتے ہیں۔《4》اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔《5》کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔《6》نماز قائم کرتے ہیں۔《7》زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔《8》عاجزی کی روش اختیار کرتے ہیں۔

سوال4: الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ''جونماز قائم کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''جونماز قائم کرتے ہیں''یعنی نماز کواس کی تمام شرائط وفرائض اوراس کو مکمل کرنے والے امور کے ساتھ قائم کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی:701/1)

سوال5: وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ''زکوٰۃ ادا کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: زکوٰۃ مخلوق کا حق ہے۔اپنے اموال میں سے مستحق لوگوں، محتاجوں، عزیزوں اور غریبوں کی مدد کے لیے زکوۃ دیتے ہیں۔

سوال6: وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ''اور وہ رکوع کرنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اختیار کرتے ہیں۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ(56)

اور جو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو دوست بنائے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے۔(56)

سوال1: وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ''اور جو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو دوست بنائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ جو اللہ تعالیٰ کو ولی بناتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے۔《2》وَرَسُوْلَهٗ جو رسول اللہ ﷺ کا دوست ہے۔ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا دوست ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا بھی دوست ہے۔《3》وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور جو ایمان والوں کا دوست ہے یعنی جو ایمان کے ظاہری اور باطنی تقاضوں کو پورا کرے۔

سوال2: فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ''تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے'' ''اللہ تعالیٰ کی جماعت'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی جماعت کے لوگ جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کی جماعت کے لوگ کون سے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا حزب، اس کی جماعت اور اس کے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ سے عبودیت اور ولایت کا اور رسول اللہ ﷺ اور مومنوں سے ولایت کا تعلق رکھتے ہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے دوستی کرنے والوں کو (اللہ کی جماعت) کے نام سے موسوم کیا گیا اور ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ بتایا گیا کہ وہی بالآخر کامیاب اور فائز المرام ہوں گے۔ چنانچہ صحابہ کرام کے ساتھ ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے انہیں غالب بنایا، اور یہود کو قید و بند، قتل و جلاوطنی اور جزیہ کے ذریعہ ذلیل و رسوا کیا، اور قیامت تک ان کا یہی حال رہے گا۔ ان کا عارضی اور ظاہری غلبہ ان کی حقیقی ذلت و رسوائی کو دور نہیں کرسکتا۔ (تیسیر الرحمن:353/1)

سوال4: اللہ تعالیٰ کی جماعت کے لوگوں کی خصوصیات کیسے ظاہر ہوتی ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ نماز قائم کرنے سے یعنی ان کی توجہ کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات بن جاتی ہے۔ ﴿2﴾ زکوٰۃ ادا کرنے سے یعنی ان کے باہمی تعلقات ایک دوسرے کی خیر خواہی پر قائم ہوتے ہیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے سے یعنی دنیا کے معاملات میں انا پرستی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ہر موقع پر وہی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ تواضع اختیار کرتے ہیں سرکشی نہیں کرتے۔

سوال5: اللہ تعالیٰ کی جماعت سے کون نکل جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرنے والے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول سے منہ پھیرنے والے۔ ﴿3﴾ اہل ایمان کے گروہ سے نکل جانے والے۔

سوال6: اللہ تعالیٰ کی جماعت سے نکل جانے والوں کے لیے کیا وعید ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب ہونے والی ہے۔

رکوع نمبر13

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُواْ دِينَكُمۡ هُزُوٗا وَلَعِبٗا مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ مِن قَبۡلِكُمۡ وَٱلۡكُفَّارَ أَوۡلِيَآءَۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ (57)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کافروں کو اور ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، اپنا دوست نہ بناؤ، انہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے۔ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم مومن ہو! (57)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابوالشیخ اور ابن حبان نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رفاعہ بن زید تابوت اور سوید بن حارث نے اسلام کا

اظہار کیا پھر یہ لوگ منافق ہو گئے اور مسلمانوں میں سے ایک شخص ان دونوں سے دوستی رکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے (یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ) سے (بِمَا کَانُوْا یَکْتُمُوْنَ) تک یہ آیت نازل فرمائی۔

سوال2: یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کافروں کو اور ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، اپنا دوست نہ بناؤ، انہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے رب ہونے پر، محمد ﷺ کے رسول ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر۔ ﴿2﴾ دین سے مراد دین اسلام ہے۔ ھُزُوًا: ہنسی مزاق بنالیا ہے۔ وَّلَعِبًا: اور کھیل تماشا۔ جب وہ اذان سنتے تو کہتے یہ کیسی آواز ہے؟ دوسرا کہتا گدھے کی آواز ہے۔ ان کے قبیح قول پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ انہیں اپنا دوست نہ بناؤ۔ (ایسر التفاسیر:352) ﴿3﴾ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ ''ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی''، یعنی یہود۔ ﴿4﴾ وَالْکُفَّارَ: اس سے مراد منافق اور مشرک ہیں۔ ﴿5﴾ اَوْلِیَآءَ: مددگار، محبوب اور حلیف۔ (ایسر التفاسیر:352)

سوال3: اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا ''انہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے'' اہل کتاب دین کو مذاق اور تفریح کیسے بناتے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ اذان کی آواز سن کر اس کی نقلیں اتارتے تھے۔ ﴿2﴾ اسلامی شعائر کا مذاق اڑاتے تھے۔ ﴿3﴾ آوازیں کستے تھے۔

سوال4: انسان دینی شعائر کا مذاق کب اڑاتا ہے؟

جواب: جب انسان کے اندر سے لطیف احساسات ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً حیاء، شرافت، وسعت ظرف، پاکیزہ طریقوں کو پسند کرنا وغیرہ۔ یہ احساسات انسان کے اندر چوکیدار کا کام کرتے ہیں، اسے برائیوں سے روکتے ہیں لیکن جب یہ احساسات ختم ہو جاتے ہیں تو انسان حیوانی سطح پر اتر آتا ہے، اس کی انسانیت مسخ ہوتی ہے تو وہ دینی شعائر کا مذاق اُڑاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق بن جاتا ہے۔

سوال5: بگڑے ہوئے معاشرے کی کیا خصوصیات ہوتی ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ قانون کے نگران قانون شکنی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ اخلاقی راہ پر، بداخلاقیوں اور ظلم پر خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ ﴿3﴾ ایک دوسرے کو برائی سے منع نہیں کرتے۔

سوال6: صحت مند معاشرے کی کیا خصوصیات ہیں؟

جواب:﴿1﴾ صحت مند، زندہ اور قوی معاشرے کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں ہر طرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دور دورہ ہوتا ہے۔﴿2﴾ اس معاشرے میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جن کا مشن امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہوتا ہے۔﴿3﴾ اس معاشرے کے عوام بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کان دھرتے ہیں۔﴿4﴾ اس معاشرے پر ایسی روایات کی گرفت ہوتی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔

سوال7: وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ''اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم مومن ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ تقویٰ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کا نام ہے جو کافروں سے دشمنی کی دعوت دیتا ہے۔(ایسر التفاسیر:352)﴿2﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ان کو دوست بنانے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم سچے مومن ہو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنوں کے دشمنوں کی محبت کے منافی ہے۔(ایسر التفاسیر:352)

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ(58)

اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو یہ اُسے مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔(58)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: اور جب اذان اور اقامت ہوتی تو یہ اس کی ہنسی اور مذاق اڑاتے ہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ احکام خداوندی اور توحید خداوندی اور دین الٰہی سے قطعی بے خبر ہیں۔ یہ آیت ایک یہودی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، وہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کا مذاق اڑایا کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے آگ میں جلا دیا۔(لباب النقول)

سوال2: وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ''اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو یہ اُسے مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ یہ لوگ دین اسلام میں نکتہ چینیاں کرتے ہیں، اسلام کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور تمسخر اڑاتے ہیں اور دین کی تحقیر کرتے ہیں، خصوصاً نماز کے بارے میں جو کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا شعار اور سب سے بڑی عبادت ہے۔ جب مسلمان نماز کے لیے اذان دیتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس کا سبب ان کی کم عقلی اور جہالت ہے۔ ورنہ اگر ان میں عقل ہوتی تو وہ نماز کی افادیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے اور انہیں معلوم ہو جاتا کہ نماز ہی ان فضائل میں سب سے بڑی

فضیلت ہے جس سے نفوس انسانی متصف ہوتے ہیں۔ پس اے مومنو! جب تمہیں کفار کا حال معلوم ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ تمہارے اور تمہارے دین کے ساتھ کتنی شدید عداوت رکھتے ہیں جو کوئی اس صورتحال کے بعد بھی انہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتا تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسلام اس کے نزدیک بہت سستی چیز ہے اور اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ کوئی اس میں طعن و تشنیع کرتا ہے یا اسے کفر اور ضلالت قرار دیتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس شخص کے اندر مروت اور انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں۔ آپ اپنے لیے دین قیم کا کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں اور کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام دین حق ہے اور اس کے سوا تمام ادیان باطل ہیں جب کہ حال یہ ہے کہ آپ ان جاہل اور احمق لوگوں کی موالات پر راضی ہیں جو آپ کے دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے ہیں؟ اس آیت کریمہ میں کفار کے ساتھ عداوت رکھنے کی ترغیب ہے اور یہ بات ہر اس شخص کو معلوم ہے جو ادنیٰ سا بھی فہم رکھتا ہے۔ (تفسیر سعدی:702,703/1) ﴿2﴾ سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ جب شام کے سفر کو جانے لگے تو ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے جن کی گود میں انہوں نے ایام یتیمی بسر کیے تھے، کہا آپ کی اذان کے بارے میں مجھ سے وہاں کے لوگ ضرور سوال کریں گے تو آپ اپنے واقعات تو مجھے بتا دیجئے۔ فرمایا: ہاں سنو جب رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آ رہے تھے، راستے میں ہم لوگ ایک جگہ رکے تو نماز کے وقت نبی ﷺ کے موذن نے اذان کہی، ہم نے اس کا مذاق اڑانا شروع کیا، کہیں آپ کے کان میں بھی آوازیں پڑ گئیں۔ سپاہی آیا اور ہمیں آپ کے پاس لے گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم سب میں زیادہ اونچی آواز کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا تو آپ نے اور سب کو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا ''اٹھو اذان کہو'' واللہ! اس وقت نبی ﷺ کی ذات سے اور آپ کی فرماں برداری سے زیادہ بری چیز میرے نزدیک کوئی نہ تھی لیکن بے بس تھا، کھڑا ہو گیا، اب خود آپ نے مجھے اذان سکھائی اور جو سکھاتے رہے، میں کہتا رہا، پھر اذان پوری بیان کی، جب میں اذان سے فارغ ہوا تو آپ نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چاندی تھی پھر اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور پیٹھ تک لائے، پھر فرمایا اللہ تجھ میں اور تجھ پر اپنی برکت نازل کرے۔ اب تو اللہ کی قسم! میرے دل سے رسول ﷺ کی عداوت بالکل جاتی رہی، نبی ﷺ کی ایسی محبت دل میں پیدا ہو گئی، میں نے آرزو کی کہ مکے کا موذن نبی ﷺ مجھ کو بنا دیں۔ آپ نے میری درخواست منظور فرما لی اور میں مکے میں چلا گیا اور وہاں کے گورنر سیدنا عتاب بن اسید سے مل کر اذان پر مامور ہو گیا۔ سیدنا ابو محذورہ کا نام سمرہ بن مغیرہ بن لوذان تھا، نبی ﷺ کے چار موذنوں میں سے ایک آپ تھے اور لمبی مدت تک آپ اہل مکہ کے موذن رہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر ابن کثیر:1781/782)

سوال 2: آج دین کو مذاق اور تفریح کیسے بنایا جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اسلامی شعائر کا مذاق اڑا کر دین کو تفریح کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ ﴿2﴾ اسلام پسندوں کو قدامت پرست اور

رجعت پسند کہا جاتا ہے۔﴿3﴾ آج آوازیں کسنے کا دائرہ پھیل گیا جتنا ذرائع ابلاغ نے ترقی کی اتنا ہی مذاق اڑانے میں وسعت آ گئی۔

سوال3: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ''یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جو لوگ سچے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے کھیل تماشا بناتے ہیں بلاشبہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ (59)

کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب! نہیں تم ہم سے انتقام لیتے ہو سوائے اس کے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو اس سے پہلے نازل کیا گیا اور بلاشبہ تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔(59)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودیوں کی ایک جماعت آئی، جن میں ابو یاسر بن اخطب، نافع بن ابی نافع اور غازی بن عمر تھا، انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ رسولوں میں سے کن رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ تعالیٰ پر اور جو کتاب ابراہیم علیہ السلام پر نازل کی گئی ہے اور سیدنا اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہ السلام پر اور ان کی اولاد میں جو کتابیں نازل کی گئی ہیں ان پر اور جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی ہے اور ان کے علاوہ اور دوسرے انبیاء کرام کو جو کتابیں دی گئی ہیں سب پر ایمان رکھتا ہوں ہم کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں، جب آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا، تو ان لوگوں نے آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور بولے کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اس شخص پر ایمان لاتے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(لباب النقول)

سوال2: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ''کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب! نہیں تم ہم سے انتقام لیتے ہو سوائے اس کے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو اس سے پہلے نازل کیا گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ قُلْ: اے رسول آپ کہہ دیجیے۔﴿2﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ ''اے اہلِ کتاب'' یعنی اے وہ لوگو جن کو تورات،

زبور اور انجیل دی گئی۔ ﴿3﴾ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ”نہیں تم ہم سے انتقام لیتے ہو سوائے اس کے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے“یعنی اس کے سوا ہم میں کیا برائی دیکھتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے جو کہ تمام کمالات کی بنیاد ہے اور ساری کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اعتقادات اور اعمال و اخلاق کی بنیاد ہیں۔اہل کتاب کی مسلمانوں سے ناراضگی اور بگاڑ کا سبب یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ پر اور اللہ کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔اہلِ کتاب ہر دور میں اس حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔صلیبی جنگوں کے بعد جب اہل کتاب عیسائیت کی تبلیغ میں بھی ناکام رہے تو انہوں نے مسلمانوں کے اندر یہ بات پھیلا دی کہ اب تو انسانیت نے ترقی کرلی۔روشن خیالی کا دور ہے اب مذہبی جنگیں ہونے کا امکان نہیں۔مسلمانوں نے بھی دینی کشمکش اور دین کی نئی زندگی کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تو اہلِ کتاب نے ہم پر جنگ مسلط کر دی ہے۔جس کے بارے میں اُن کے مدبر حلقے اظہار کر رہے ہیں کہ یہ اسلام اور عیسائیت کی جنگ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اہل کتاب کو مسلمانوں کے برخلاف ایمان پر غصہ ہے۔

سوال3: وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ”اور بلاشبہ تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں“ اکثر لوگ فاسق کیوں ہوتے ہیں؟

جواب: ہر نافرمان شخص کو سیدھے راستے پر چلنے والا گمراہ دکھائی دیتا ہے۔اور چونکہ فاسق سیدھے راستے کا دشمن ہوتا ہے اس لیے وہ سخت انتقامی کاروائیاں کرتا ہے تاکہ سب لوگ ڈر کر فاسق بن جائیں۔اس طرح فاسقوں کی تعداد ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (60)

کہہ دو کہ کیا میں تمہیں اُن کے بارے میں بتاؤں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں جزا کے اعتبار سے زیادہ بُرے لوگ ہیں؟ وہ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور جن پر غصے ہوا اور ان میں سے جن کو اُس نے بندر اور سؤر بنا دیا اور جنہوں نے طاغوت کی عبادت کی، یہی لوگ مقام کے اعتبار سے بدتر ہیں اور سیدھے راستے سے بہت زیادہ گمراہ ہیں۔(60)

سوال1: قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ”کہہ دو کہ کیا میں تمہیں اُن کے بارے میں بتاؤں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں جزا کے اعتبار سے زیادہ بُرے لوگ ہیں؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ کیا میں تمہیں اس سے زیادہ بری چیز کے بارے میں بتاؤں؟ ﴿2﴾ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ”اللہ تعالیٰ کے ہاں جزا کے اعتبار سے“ اور وہ یہود اور کفار ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کو کھیل اور تماشا بناتے ہیں۔

سوال2: مَنۡ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَ غَضِبَ عَلَیۡہِ وَ جَعَلَ مِنۡہُمُ الۡقِرَدَۃَ وَ الۡخَنَازِیۡرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوۡتَ '' وہ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور جن پر غصے ہوا اور ان میں سے جن کو اُس نے بندر اور سؤر بنا دیا اور جنہوں نے طاغوت کی عبادت کی'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مَنۡ لَّعَنَہُ اللّٰہُ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ ﴿2﴾ وَ غَضِبَ عَلَیۡہِ ان پر اللہ تعالیٰ غصے ہوا انہیں دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ ﴿3﴾ ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سور بنا دیا۔ ﴿4﴾ وَ عَبَدَ الطَّاغُوۡتَ جنہوں نے طاغوت کی یعنی شیطان کی بندگی کی۔

سوال3: اللہ کی طرف سے انہیں کیا سزا ملی؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ہوئے۔ ﴿2﴾ بندر اور سؤر بنائے گئے۔ ﴿3﴾ راہِ راست سے بھٹک گئے۔

سوال4: کیا یہودی طاغوت کی بندگی کرتے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ یہود طاغوت کی بندگی اور اطاعت کرتے تھے۔ ﴿2﴾ یہود نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعت کو چھوڑ دیا تھا۔ ﴿3﴾ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کی بنائی ہوئی شریعت کو اپنا لیا تھا۔

سوال5: اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا '' یہی لوگ مقام کے اعتبار سے بدتر ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ان کا ٹھکانہ بدترین ہے کیونکہ انہوں نے شیطان کی بندگی کی جب کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا۔

سوال6: وَّ اَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ '' اور سیدھے راستے سے بہت زیادہ گمراہ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی وہ معتدل اور سیدھے راستے سے بہت زیادہ دور ہیں۔

وَ اِذَا جَآءُوۡکُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَ قَدۡ دَّخَلُوۡا بِالۡکُفۡرِ وَ ہُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا کَانُوۡا یَکۡتُمُوۡنَ (61)

اور وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ یقیناً وہ کفر کے ساتھ ہی داخل ہوئے تھے اور یقیناً اسی کے ساتھ ہی نکل گئے اور اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے تھے۔ (61)

سوال1: وَ اِذَا جَآءُوۡکُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا '' اور وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: وہ مکر و فریب اور منافقت کی بنا پر کہتے ہیں۔

سوال2: یہودی ایمان لا کر دراصل کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے؟

جواب:《1》یہودی صبح کو ایمان لا کر شام کو انکار کر کے دراصل مسلمانوں میں بے چینی پیدا کرنا چاہتے تھے تا کہ مسلمان قرآن کو چھوڑ دیں۔《2》یہودی چاہتے تھے کہ مسلمان افراتفری کا شکار ہوں۔《3》یہودی چاہتے تھے کہ اس شک وشبہے کی فضا کی وجہ سے مسلمان اپنا دین چھوڑ دیں۔

سوال3: وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ''حالانکہ یقیناً وہ کفر کے ساتھ ہی داخل ہوئے تھے اور یقیناً اسی کے ساتھ ہی نکل گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی ان کا نکلنا اور داخل ہونا کفر کے ساتھ ہے۔

سوال4: وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ''اور اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ بہت خوب جانتا ہے جو وہ کفر میں سے چھپاتے ہیں۔اس میں ان کے لیے وعید ہے۔(تفسیر قاسمی:270/6)

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (62)

اور آپ ان میں سے اکثر کو دیکھیں کہ وہ گناہ میں اور زیادتی میں اور حرام کھانے میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں یقیناً بُرے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں!(62)

سوال1: وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ ''اور آپ ان میں سے اکثر کو دیکھیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور آپ ان میں سے اکثر کو دیکھیں''یعنی آپ یہودیوں میں سے اکثر کو دیکھیں گے۔

سوال2: يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ''وہ گناہ میں اور زیادتی میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》وہ گناہ اور زیادتی میں حصہ ڈالتے ہیں یعنی وہ ان گناہوں کی طرف سبقت کرتے ہیں جو خالق کے حقوق سے متعلق ہیں اور مخلوق پر ظلم اور تعدی کے زمرے میں آتے ہیں۔(تفسیر سعدی:705/1)《2》ہر نقصان دہ اور فاسد چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے اعتقاد،قول اور عمل کے اعتبار سے حرام ٹھہرایا ہو۔《3》العدوان ظلم کو کہتے ہیں یعنی وہ گناہوں اور ظلم کی طرف سبقت لے جاتے ہیں۔سارعة باب مفاعلة ہے۔بہت سے لوگ ہیں جو باہم مقابلہ کر رہے ہیں،ہر گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر مال کھاتے ہیں۔بگڑے ہوئے معاشروں میں بااثر افراد کے ساتھ ضعیف لوگ بھی اس گناہ اور عدوان کے سیلاب میں بہتے چلے جاتے ہیں۔(فی ظلال القرآن)

سوال3: وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ''اور حرام کھانے میں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: السُّحْتَ مال حرام کو کہتے ہیں جیسے رشوت،سود وغیرہ۔(ایسر التفاسیر)

سوال4: لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ’’یقیناً بُرے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی ہے کہ جو اپنا برا عمل ہے اس کو وہ جانتے ہیں۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (63)

رب والے اور علماء انہیں گناہ کی بات کرنے سے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ یقیناً بُرا ہے جو وہ کیا کرتے تھے!(63)

سوال1: لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ’’رب والے اور علماء انہیں گناہ کی بات کرنے سے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ربانی: رب والے جو دنیا سے بے رغبت تھے۔﴿2﴾ الاحبار: علماء۔(تفسیر قاسمی:271/6)﴿3﴾ علماء جو عوام الناس کے نفع کے درپے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم ودانش سے نوازا ہے، انہوں نے لوگوں کو ان گناہوں سے کیوں نہ روکا جو ان سے صادر ہوتے ہیں تاکہ ان سے جہالت دور ہو جاتی اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جاتی۔ کیونکہ یہ علماء ہی کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے منع کریں اور ان کے سامنے دین کا راستہ واضح کریں، انہیں بھلائیوں کی ترغیب دیں اور برائیوں کے انجام سے ڈرائیں۔(تفسیر سعدی:705/1)﴿4﴾ الاثم: ہر نقصان دہ اور فاسد کام۔ ﴿5﴾ السحت: مال حرام۔﴿6﴾ ان کے علماء اور درویش انہیں حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے۔ یہود کے علماء اور فقہا دین کو صبح وشام اپنا مشغلہ بنائے ہوئے تھے دین کے نام پر ان کی قیادت قائم تھی۔ انہیں بڑی بڑی رقمیں ملتی تھیں۔ ان کی مقبولیت کا راز عوامی پسند کے دین کی نمائندگی تھی۔ وہ خدا کے پسندیدہ دین کی نمائندگی نہیں کرتے تھے۔ ان کا بولنا چالنا بظاہر دین کے لیے تھا مگر درحقیقت وہ ایک قسم کی دنیا داری تھی جو دین کے نام پر جاری تھی۔ دین کے نام پر لوگوں کو وہ چیز دے رہے تھے جس کو لوگ دین کے بغیر اپنے لیے پسند کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے عوام سے خاموش مفاہمت کر لی تھی۔ وہ عوام میں ایسا دین تقسیم کر رہے تھے جس میں زندگی بدلے بغیر سستی جنت مل جائے۔ اس پر رب العزت نے احساس دلایا کہ دیکھو تمہارا منصب تھا انسانوں کو رب سے جوڑنا ربانی طریقوں پر چلانا اور تم کس طرح انہیں دین سے جدا کرتے جا رہے ہو۔﴿7﴾ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا ’’لوگو تم سے اگلے لوگ اسی بنا پر ہلاک کر دیئے گئے کہ وہ برائیاں کرتے تھے تو ان کے عالم اور اللہ والے خاموش رہتے تھے، جب یہ عادت ان میں پختہ ہوگئی تو اللہ نے انہیں قسم قسم کی سزائیں دیں۔ پس تمہیں چاہیے کہ بھلائی کا حکم کرو، برائی سے روکو، اس سے پہلے کہ تم پر بھی وہی عذاب آ جائیں جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے، یقین رکھو کہ اچھائی کا حکم برائی سے ممانعت نہ تو تمہاری روزی گھٹائے گا اور نہ تمہاری موت قریب کر دے گا۔ رسول

اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: جس قوم میں کوئی اللہ کی نافرمانی کرے اور وہ لوگ باوجود روکنے کی قدرت اور غلبے کے اسے نہ مٹائیں تو اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا۔ (مسند احمد) ابوداؤد میں ہے کہ ''یہ عذاب ان کی موت سے پہلے ہی آئے گا۔ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: 784/1) ﴿8﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم رہنے والے اور اس میں گھس جانے والے (یعنی خلاف کرنے والے) کی مثال ایسے لوگوں کی سی ہے جنھوں نے ایک کشتی کے سلسلے میں قرعہ ڈالا۔ جس کے نتیجے میں بعض لوگوں کو کشتی کے اوپر والا حصہ ملا اور بعض کو نیچے کا۔ پس جو لوگ نیچے والے تھے انھیں دریا سے پانی لینے کے لئے اوپر والوں کے اوپر سے گزرنا پڑتا۔ انھوں نے سوچا کیوں نہ ہم اپنے ہی حصے میں ایک سوراخ کرلیں تاکہ اوپر والوں کو ہم کوئی تکلیف نہ دیں۔ اب اگر اوپر والے بھی نیچے والوں کو من مانی کرنے دیں گے تو تمام کشتی والے ہلاک ہو جائیں گے اور اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیں تو یہ خود بھی بچیں گے اور ساری کشتی بھی بچ جائے گی۔'' (صحیح بخاری: 2493) ﴿9﴾ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جن لوگوں میں گناہ کے کام کئے جاتے ہوں اور گناہ کرنے والوں سے گناہ نہ کرنے والے زیادہ زوردار ہوں اور زیادہ عزت والے ہوں لیکن وہ ان کاموں کو نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب کرے گا۔ (ابن ماجہ: 4009)

سوال2: لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ''یقیناً بُرا ہے جو وہ کیا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: برا ہے جو وہ کیا کرتے تھے یعنی دین کا مذاق اڑانا اور حرام کام کرنا وغیرہ۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (64)

اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، ہاتھ تو اُنہی کے باندھے گئے ہیں اور اِس کی وجہ سے جو انہوں نے کہا اُن پر لعنت کی گئی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے، اور جو آپ کے رب کی جناب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ اُن میں سے اکثریت کی سرکشی اور کفر میں یقیناً اضافہ کردے گا اور ہم نے اُن کے درمیان قیامت کے دن تک بغض وعداوت ڈال دی ہے جب بھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُسے بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد کی کوششیں کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ (64)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، یہودیوں میں سے بناش بن قیس نامی ایک شخص نے کہا کہ آپ کا پروردگار بخیل ہے، کچھ خرچ نہیں کرتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ابوالشیخ نے دوسرے طریقے پر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ کہ یہ آیت کریمہ یہود بنی قینقاع کے سردار فنحاص کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (لباب النقول
)

سوال 2: وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ''اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہود کے کفر میں سے اور ان کی اللہ تعالیٰ پر باطل جرات میں سے ان کا برا عمل اور یہ قول ہے۔ (ایسر التفاسیر:355)

﴿2﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مَغْلُولَةٌ یعنی بخیل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ اپنے پاس مال روکے ہوئے ہے اور بخل کی وجہ سے خرچ نہیں کرتا۔ (ابن ابی حاتم) ﴿3﴾ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے یعنی نیکی، خیر، بھلائی اور احسان سے بند ہو گیا ہے۔

سوال 3: غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا '' ہاتھ تو انہی کے باندھے گئے ہیں اور اس کی وجہ سے جو انہوں نے کہا ان پر لعنت کی گئی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہودیوں کی بدگوئی کا جواب ان کی گفتگو کے مطابق دیا گیا ہے۔ ﴿2﴾ یہود بخیل ترین، نیکی کے اعتبار سے قلیل ترین، اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوء ظنی میں بدترین اور اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے بعید ترین لوگ ہیں جو ہر چیز پر سایہ کناں ہے۔ ﴿3﴾ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا '' اور اِس کی وجہ سے جو انہوں نے کہا اُن پر لعنت کی گئی'' یہود کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیا گیا کیوں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بخیل کی صفت سے متصف کیا۔ (ایسر التفاسیر:354)

سوال 4: بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ '' بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس پر کوئی پابندی عائد نہیں اور کوئی روکنے والا نہیں جو اسے اپنے ارادے سے روک سکے۔ اس کا فضل وکرم اور دینی و دنیاوی احسان بہت وسیع ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جود وکرم کے جھونکوں سے مستفید ہوں۔ وہ اپنی نافرمانیوں کے ذریعے سے اپنے آپ پر اس کے فضل و احسان کے دروازے بند نہ کریں۔ اس کی داد و دہش دن رات جاری ہے، اس کی عطاء و بخشش ہر وقت موسلا دھار بارش کی مانند ہے۔ وہ دکھوں کو دور کرتا ہے، غموں کا ازالہ کرتا ہے، محتاج کو بے نیاز کرتا ہے، قیدی کو آزاد کرتا ہے، ٹوٹے ہوئے کو جوڑتا ہے، مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہے، محتاج کو عطا کرتا ہے، مجبوروں کو ان کی پکار کا جواب دیتا ہے، سوال کرنے والوں کے سوال کو پورا کرتا ہے۔ جو اس سے سوال

نہیں کرتا اسے بھی نعمتیں عطا کرتا ہے، جو اس سے عافیت طلب کرتا ہے اسے عافیت عطا کرتا ہے، وہ کسی نافرمان کو اپنی بھلائی سے محروم نہیں کرتا بلکہ نیک اور بد سب اس کی بھلائی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اولیا کو نیک اعمال کی توفیق سے نوازتا ہے جو اس کا جود و کرم ہے، پھر وہ ان اعمال پر ان کی تعریف کرتا ہے اور ان کی اضافت ان کی طرف کرتا ہے اور یہ بھی اس کے جود و کرم کا نتیجہ ہے اور ان کو دنیا اور آخرت میں ایسا ثواب عطا کرتا ہے کہ زبان اس کے بیان سے قاصر ہے اور بندے کے طائر خیال کی اس تک رسائی ممکن نہیں۔ وہ تمام امور میں ان کو لطف و کرم سے نوازتا ہے۔ وہ اپنا احسان ان تک پہنچاتا رہتا ہے۔ وہ اپنے طور پر ہی ان سے بہت سی مصیبتیں دور کر دیتا ہے کہ ان کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔ پاک ہے وہ ذات کہ بندوں کے پاس جو نعمت ہے وہ اسی کی طرف سے ہے اور تکالیف کو دور کرنے کے لیے اسی کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اور برکت والی ہے وہ ذات جس کی مدح و ثنا کو کوئی شمار نہیں کر سکتا، بس وہ ایسے ہے جیسے اس نے خود اپنی مدح و ثنا بیان کی۔ بالا و بلند ہے وہ ہستی کہ بندے ایک لمحے کے لیے بھی اس کے فضل و کرم سے علیحدہ نہیں ہوتے بلکہ ان کا وجود اور ان کی بقا اسی کے جود و کرم کی مرہون ہے۔ اللہ تعالیٰ برا کرے ان لوگوں کو جو اپنی جہالت کی بنا پر اپنے آپ کو اپنے رب سے بے نیاز سمجھتے ہیں اور اس کی طرف ایسے امور منسوب کرتے ہیں جو اس کی جلالت کے لائق نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان یہود کے ساتھ، جنہوں نے یہ بدگوئی کی ہے اور ان جیسے دیگر لوگوں کے ساتھ ان کے کسی قول پر معاملہ کرتا، تو وہ ہلاک ہو جاتے اور دنیا میں بدبختی کا شکار ہو جاتے۔ مگر وہ اس قسم کی گستاخانہ باتیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے بردباری سے پیش آتا ہے اور ان سے درگزر فرماتا ہے، اور ان کو ڈھیل دیتا ہے مگر ان کو مہمل نہیں چھوڑتا۔ (تفسیر سعدی:706,707/1) ﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا: وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ "اور اُس نے تمہیں ہر چیز میں سے دیا جس کا بھی تم نے اُس سے سوال کیا اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرو تو انہیں شمار نہیں کر پاؤ گے بلاشبہ انسان یقیناً بڑا ظالم، بہت ناشکرا ہے۔ (ابراہیم:34) ﴿3﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندو! (میری راہ میں) خرچ کرو تو میں بھی تم پر خرچ کروں گا اور فرمایا' اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ رات اور دن کے مسلسل خرچ سے بھی اس میں کم نہیں ہوتا اور فرمایا تم نے دیکھا نہیں جب سے اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے' مسلسل خرچ کیے جا رہا ہے' لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی' اس کا عرش پانی تھا اور اس کے ہاتھ میں میزان عدل ہے جسے وہ جھکاتا اور اٹھاتا رہتا ہے۔ (صحیح بخاری:4684)

سوال 5: وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ''اور جو آپ کے رب کی جناب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے اکثریت کی سرکشی اور کفر میں یقیناً اضافہ کر دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہ نعمت اکثر یہودیوں کی سرکشی اور کفر کو بڑھا دیتی ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں آپ ﷺ کو دی ہیں وہ

آپ ﷺ کے دشمنوں کے حق میں عذاب ہیں جس طرح ان سے ایمان والوں کے ایمان، عمل صالح اور علم نافع میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح کافروں، حاسدوں اور بے ایمانوں کے دل میں سرکشی اور کفر بڑھتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ آپ کہہ دیں کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں یہ (قرآن) ان کے لیے ہدایت اور شفا ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے یہ اُن کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ ان کے حق میں اندھا پن ہے، یہی لوگ ہیں جنہیں دور کی جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔ (حم السجدہ:44) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا اور ہم اس قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور جو ظالموں کو خسارے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرتا۔ (بنی اسرائیل:82) ﴿3﴾ یہ بندے کے لیے سب سے بڑی سزا ہے کہ جس میں دنیا و آخرت کی فلاح ہے اور جس کو قبول کرنا واجب ہے وہی ان کی گمراہی اور سرکشی میں اضافہ کردے۔ (مختصر ابن کثیر:455/1)

سوال 6: اللہ تعالیٰ کا کلام کچھ لوگوں کی سرکشی اور باطل پرستی میں اضافہ کیوں کرتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا کلام اس کا سب سے بڑا احسان ہے وہ ذکر جس پر شکر ادا کرنا چاہیے کچھ لوگوں کی سرکشی اور باطل پرستی میں اضافہ کردیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسے ٹھکراتے ہیں اور باطل شکوک وشبہات کی وجہ سے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

سوال 7: وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ '' اور ہم نے اُن کے درمیان قیامت کے دن تک بغض وعداوت ڈال دی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ ہم نے یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان قیامت تک کے لئے دشمنی ڈال دی ہے۔ ان کے فرقوں میں قیامت تک اتحاد نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کریں گے، ایک دوسرے سے محبت نہیں کریں گے، کسی ایسی بات پر متفق نہیں ہوں گے جس میں ان کی کوئی مصلحت ہو۔ ہمیشہ دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض رکھیں گے۔ قیامت تک ایک دوسرے پر ظلم کریں گے۔ گزشتہ چودہ سو سال میں اور اسلام کی آمد سے پہلے یہودی اور عیسائی دست وگریبان رہے ہیں۔ آج اگر وہ اسلام دشمنی میں متحد ہوگئے ہیں تو کل ضرور اللہ کا وعدہ پورا ہوگا۔

سوال 8: كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ '' جب بھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُسے بجھا دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جب کبھی یہ لڑائی کی آگ سلگائیں گے تاکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں اور ان پر جنگ مسلط کردیں اللہ تعالیٰ اسے بجھا دے گا۔ ﴿2﴾ جب کبھی وہ یہودی نبی ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے منصوبے باندھتے

اللہ تعالیٰ ان کی چال ان پر الٹ دیتا، پھر ان کی سازشوں کا وبال انہی پر الٹ پڑتا تھا۔《3》اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کبھی مسلمانوں کی مدد کر کے، کبھی ان کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اور کبھی ان کے لشکروں کو منتشر کر کے لڑائی کی آگ کو بجھا دیتا تھا۔

سوال9: وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا ''اور وہ زمین میں فساد کی کوششیں کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: فساد پھیلانا یہود کی گھٹی میں ہے۔ وہ زمین میں فساد پھیلانے کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔

سوال10: زمین کا فساد کیا ہے؟

جواب: تین کام ایسے ہیں جو زمین کا فساد ہیں۔《1》معاصی اور نافرمانیوں کا ارتکاب۔《2》باطل دین کی طرف دعوت۔ 《3》لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکنا۔

سوال11: وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ''اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ فساد کو سخت ناپسند کرتا ہے اور فساد کرنے والوں سے ناراض ہے۔ اور انہیں سخت سزا دے گا۔

وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَكَفَّرۡنَا عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ (65)

اور اگر واقعتاً اہلِ کتاب ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تو ہم ضرور اُن کی برائیاں اُن سے دور کر دیتے اور انہیں ضرور نعمت کی جنتوں میں داخل کرتے۔(65)

سوال1: وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا ''اور اگر واقعتاً اہلِ کتاب ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡكِتٰبِ ''اور اگر واقعتاً اہلِ کتاب ایمان لاتے'' یعنی یہود و نصاریٰ میں سے۔《2》اٰمَنُوۡا یعنی اللہ اور اس کے رسول پر اور جو وہ دین حق میں سے لے کر آئے اس پر ایمان لاتے اور عمل کرتے۔《3》وَاتَّقَوۡا کفر، شرک، کبیرہ گناہوں اور فواحش سے بچتے۔ (ایسر التفاسیر:355)

سوال2: لَكَفَّرۡنَا عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ ''تو ہم ضرور اُن کی برائیاں اُن سے دور کر دیتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی برائیوں کے تذکرے کے بعد اپنے جود و کرم سے انہیں توبہ کی طرف بلایا ہے کہ اگر وہ ایمان لائیں، گناہوں سے پرہیز کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی برائیاں معاف کر دے گا۔ ان کے گناہوں کو مٹا دے گا اور ان کی خطاؤں کو دھو ڈالے گا۔《2》عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہاتھ پھیلایئے میں آپ سے بیعت کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ پھیلا دیا مگر میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا فرمایا عمرو کیوں کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا میں ایک شرط رکھنا چاہتا ہوں، فرمایا کیا ہے بیان کرو۔ میں نے عرض کیا میں یہ

شرط لگانا چاہتا ہوں کہ میرے گزشتہ قصور معاف کر دیئے جائیں۔فرمایا عمرو! کیا تم کو معلوم نہیں کہ اسلام سابقہ گناہوں کو ڈھا دیتا ہے۔اور ہجرت بھی پہلے کیئے ہوئے گناہوں کو گرا دیتی ہے اور حج بھی گزشتہ گناہوں کو منہدم کر دیتا ہے۔(تفسیر مظہری:352/3)

سوال3: وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ''اور اُنہیں ضرور نعمت کی جنتوں میں داخل کرتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر وہ ایمان لا کر تقویٰ اختیار کریں تو انہیں نعمت بھری جنتوں میں داخل کرے گا اور اس کی بہاریں نصیب کرے گا۔جہاں وہ جو چاہیں گے پائیں گے،جس میں وہ سب کچھ ہے جسے دل پسند کرتے ہیں،جن سے انسان لذت اٹھاتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ(66)

اور اگر واقعتاً وہ تورات اور انجیل کو قائم کرتے اور جو اُن کے رب کی جناب سے اُن پر نازل کیا گیا ہے تو وہ اپنے اوپر سے بھی اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی رزق کھاتے۔اِن میں سے ایک گروہ درمیانی روش پر ہے اور ان میں سے زیادہ تر لوگ بہت ہی برا کر رہے ہیں۔(66)

سوال1: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ''اور اگر واقعتاً وہ تورات اور انجیل کو قائم کرتے''تورات اور انجیل کو قائم کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کرنا اور انہیں اپنا دستورِ زندگی بنانا ہے۔اگر وہ تورات اور انجیل کے احکام کو قائم کرتے۔قائم کرنے سے مراد ان امور پر ایمان لانا ہے جن کی یہ دونوں کتابیں دعوت دیتی ہیں یعنی محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان لانا۔اگر وہ اس عظیم نعمت کو قائم کرتے جن کو ان کے رب نے نازل فرمایا ہے یعنی ان کی خاطر اور ان کے ساتھ اعتنا کی بنا پر نازل فرمایا ہے۔(تفسیر سعدی:709/1)

سوال2: وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ ''اور جو اُن کے رب کی جناب سے اُن پر نازل کیا گیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ سے مراد قرآن مجید ہے۔(ابن کثیر)

سوال3: لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ''تو وہ اپنے اوپر سے بھی اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی رزق کھاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ کنایہ ہے ان پر رزق کی کشادگی سے۔(ایسر التفاسیر:355)《2》اللہ تعالیٰ کتاب پر ایمان

لانے کی صورت میں آسمان سے ان پر بارش برساتا،اور زمین ان کے لیے پیداوار اگاتی ۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ ان کا رزق فراخ کرتے،ان کی زندگیوں میں طہارت آتی اور ان کے لیے آسمان اور زمین کی برکتیں ایک ہو جاتیں۔(مختصر ابن کثیر:456/1)

﴿4﴾ رب العزت نے فرمایا: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ اور اگر یقیناً بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہتے تو ہم ضرور اُن پر آسمان اور زمین سے بہت سی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے اُس کی وجہ سے اُنہیں پکڑ لیا جو وہ کمایا کرتے تھے۔ (الاعراف:96)

سوال4: مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ''ان میں سے ایک گروہ درمیانی روش پر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مِنْهُمْ سے مراد اہل کتاب ہیں۔﴿2﴾ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ''ایک گروہ درمیانی روش پر ہے''ایک گروہ سیدھی راہ پر ہے یعنی ایک گروہ ایسا بھی ہے جو تورات اور انجیل پر عامل ہے مگر اس کا عمل قوی اور نشاط انگیز نہیں ہے۔(تفسیر سعدی:709/1)

﴿3﴾ رب العزت نے فرمایا: وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں اور اُس کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔(الاعراف:159)

سوال5: وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ''اور ان میں سے زیادہ تر لوگ بہت ہی بُرا کر رہے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہود و نصاریٰ میں برائیوں کا ارتکاب کرنے والے بہت زیادہ ہیں اور نیکیوں میں بھاگ دوڑ کرنے والے کم ہیں۔﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا: وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ چنانچہ اُن میں سے کوئی اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے،اور ان میں سے کوئی میانہ رو ہے اور کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والا ہے،یہی بہت بڑا فضل ہے۔(فاطر:32) یہود و نصاریٰ کے اکثر لوگ کفر پر اصرار کرتے ہیں،دشمنی کی آگ بھڑکائے رکھتے ہیں،حق میں تحریف کرتے ہیں اور اس سے منہ موڑتے ہیں۔(تفسیر قاسمی:283/6)

رکوع نمبر14

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (67)

اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اُسے پہنچا دو اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچالے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں

دیتا۔(67)

سوال1:اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب:ابوالشیخ نے حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت سے مشرف فرمایا تو میرے دل میں پریشانی ہوئی اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ لوگ ضرور میری تکذیب کریں گے تو مجھے اس چیز کا ڈر ہوا کہ میں تمام احکام کی تبلیغ کردوں ورنہ مجھے عذاب دیا جائے گا۔تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار،کس طرح تبلیغ کروں میں اکیلا ہوں اور سب مل کر مجھ پر ہجوم کر جائیں گے تو اس وقت آپ ﷺ پر جملہ نازل ہوا وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ (لباب النقول)

سوال2: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ''اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اُسے پہنچادو '' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ:اے رسول! علماء نے نبی اور رسول میں جو فرق بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں:(الف) آنے والے رسول کی بشارت پہلے ہی کتاب اللہ میں دے دی جاتی ہے جب کہ نبی کے لیے یہ بات ضروری نہیں ہوتی۔(ب) رسول پر اللہ کی کتاب یا صحیفے نازل ہوتے ہیں اور وہ الگ سے اپنی امت تشکیل دیتا ہے جب کہ نبی اپنے سے پہلی کتاب ہی کی اتباع کرتا اور کرواتا ہے۔(ج) رسول کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ خود لے لیتا ہے جب کہ انبیاء ناحق بھی سرکش کافروں کے ہاتھ قتل ہوتے رہے۔(تیسیر القرآن:558/1)《2》بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کو حکم ہے اور یہ سب سے بڑا اور جلیل ترین حکم ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ نازل فرمایا ہے اسے اس کے بندوں تک پہنچایا جائے۔اس میں وہ تمام امور شامل ہیں جو امت نے آپ ﷺ سے حاصل کیے مثلاً عقائد، اعمال، اقوال، احکام شرعیہ اور مطالب الٰہیہ وغیرہ۔(تفسیر سعدی:709/1)《3》اس سے مراد توحید، شرائع اور احکام پہنچادیں۔(ایسر التفاسیر:356)

سوال3:حق کی طرف بلانے والا کیسے یکسو ہو جاتا ہے؟

جواب:دعوت دینے والا جب اپنے آپ کو مخالف ماحول میں پاتا ہے تو اسکے سامنے دو راستے ہوتے ہیں سچے دین کی دعوت دیتے ہوئے دنیا کی مصلحتیں چھوٹتی ہیں۔اگر دنیوی مصلحتیں دیکھیں تو دعوتی عمل چھوٹتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا وعدہ داعی کی مدد کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں سے بچالے گا یوں داعی یکسو ہو جاتا ہے۔

سوال4: وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ ”اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا“ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو کیسے پہنچایا؟

جواب: ﴿1﴾ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو لوگوں تک نہیں پہنچایا۔ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرماں برداری نہیں کی۔ ﴿2﴾ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ اور اگر آپ ﷺ نے کسی خیر میں کمی کی اسے نہ پہنچایا۔ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ تو گویا آپ ﷺ نے کچھ بھی نہیں پہنچایا۔ (ایسر التفاسیر: 356) ﴿3﴾ رسول اللہ ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پوری طرح پہنچا دیا، آپ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی، ان کو برے انجام سے ڈرایا، ان کو ایمان لانے پر اچھے انجام کی خوشخبری سنائی، ان کے لیے آسانیاں پیدا کیں، ان پڑھ جاہلوں کو علم سکھایا حتیٰ کہ وہ علمائے ربانی بن گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے قول و فعل، اپنے مراسلات اور ایلچیوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے دین کو پہنچا دیا۔ کوئی ایسی بھلائی نہیں جس کی طرف آپ نے امت کی رہنمائی نہ کی ہو اور کوئی ایسی برائی نہیں جس سے آپ نے امت کو ڈرایا نہ ہو۔ آپ کی اس تبلیغ کی گواہی افاضل امت یعنی صحابہ کرام نے دی اور ان کے بعد ائمہ دین اور مسلمانوں نے دی۔ (تفسیر سعدی: 709,710/1) ﴿4﴾ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا جو شخص تم میں سے یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ نازل کیا تھا' اس میں سے آپ نے کچھ چھپا لیا تھا' تو جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ اے پیغمبر! جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف نازل ہوا ہے' یہ (سب) آپ (لوگوں تک) پہنچا دیں۔ (صحیح بخاری: 4612) ﴿5﴾ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دسویں تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے منٰی میں خطبہ دیا، خطبہ میں آپ ﷺ نے پوچھا ”لوگو! آج کونسا دن ہے؟ لوگ بولے یہ حرمت کا دن ہے آپ ﷺ نے پھر پوچھا اور یہ شہر کون سا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حرمت کا شہر ہے، آپ ﷺ نے پوچھا یہ مہینہ کون سا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حرمت کا مہینہ ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا بس تمہارا خون، تمہارے مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت، اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت ہے اس کلمہ کو آپ ﷺ نے کئی بار دہرایا اور پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا اے اللہ! کیا میں نے (تیرا پیغام) پہنچا دیا؟ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بتلایا کہ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے نبی ﷺ کی یہ وصیت اپنی تمام امت کے لیے ہے حاضر (اور جاننے والے) غائب (اور ناواقف لوگوں کو اللہ کا پیغام) پہنچا دیں آپ ﷺ نے پھر فرمایا دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مار کر کافر نہ بن جانا۔“ (صحیح بخاری: 1739)

سوال5: وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ”اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچالے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کی حمایت اور لوگوں سے آپ ﷺ کی حفاظت کا وعدہ ہے۔

آپ ﷺ کے لیے مناسب یہی ہے کہ آپ ﷺ تعلیم وتبلیغ پر توجہ مرکوز رکھیں۔مخلوق کا خوف اس مقصد سے نہ ہٹائے کیونکہ مخلوق کی پیشانیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔اس نے آپ ﷺ کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے۔اور آپ کی ذمہ داری پہنچا دینا ہے۔جوکوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو اپنے لیے ہی کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:710/1)《2》عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے لیے پہرے کا انتظام کیا جاتا تھا حتی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اور اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچائے گا تو آپ نے قبے سے سر نکال کر فرمایا: لوگو! تم چلے جاؤ اللہ تعالیٰ مجھے دشمن سے بچائے گا۔(ترمذی:3046)《3》ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب نبی ﷺ نے بنونجار سے غزوہ کیا، ذات الرقاع کھجور کے باغ میں آپ ایک کنوئیں میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے، تو بنونجار کے ایک وارث نامی شخص نے کہا دیکھو میں محمد (ﷺ) کو قتل کرتا ہوں۔لوگوں نے کہا کیسے؟ کہا میں کسی حیلے سے آپ کی تلوار لے لوں گا اور پھر ایک ہی وار کر کے پار کر دوں گا۔یہ آپ کے پاس آیا اور ادھر ادھر کی باتیں بنا کر آپ سے تلوار دیکھنے کو مانگی، آپ ﷺ نے اسے دے دی لیکن تلوار کے ہاتھ آتے ہی اس پر اس بلا کا لرزہ چڑھا کہ آخر تلوار سنبھل نہ سکی اور ہاتھ سے گر پڑی تو آپ نے فرمایا: تیرے اور تیرے بد ارادے کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہوگیا اور یہ آیت اتری۔(ابن کثیر:788/1)《4》آپ ﷺ کی شروع ہی سے ان کے چچا ابوطالب کے ذریعہ حفاظت کروائی جو قریش کے مانے ہوئے سردار تھے، ابوطالب کے مرنے کے بعد مشرکین نے کچھ اذیت پہنچائی، لیکن اللہ نے انصار مدینہ کو آپ کی حفاظت کے لیے تیار کر دیا، جنہوں نے آپ کی ہر طرح مدد کی، اور اپنی جانوں پر کھیل کر آپ کی حفاظت کی، اہل کتاب یا مشرکین میں سے جب بھی کسی نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا تو اللہ نے ان کی چالوں کو ناکام بنا دیا، یہودیوں نے جادو کیا تو اللہ تعالیٰ نے ''معوذتین'' بطور دوا وعلاج نازل فرما دیں، اور خیبر کے یہودیوں نے جب گوشت میں زہر ڈال کر کھلانا چاہا تو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر کر دی اور ان کے شر سے بچا لیا۔(تیسیر الرحمن:358/1)《5》یہودیوں نے آپ ﷺ پر جادو کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو محفوظ کیا اور معوذتین اتاریں جو جادو کا علاج ہیں۔

سوال6: جب ایک دعوت دینے والا سچے دین کی دعوت دیتا ہے تو اسے کیا خدشات لاحق ہوتے ہیں؟

جواب:《1》اگر مصلحت کے بغیر سچے دین کی دعوت دوں گا تو سخت ترین ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔《2》میرا مذاق اڑایا جائے گا۔《3》مجھے بے عزت کیا جائے گا۔《4》میری معیشت تباہ کر دی جائے گی۔《5》میرے خلاف کاروائیاں کی جائیں گی۔《6》میں مددگاروں سے محروم ہو جاؤں گا۔

سوال7: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ''بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: کافر خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں۔ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں بھلائی کی توفیق دیتا ہے نہ ہدایت۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (68)

آپ کہہ دیں اے اہلِ کتاب! تم کسی چیز پر نہیں یہاں تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم کرو اور اس کو جو تمہاری جانب تمہارے رب کی جناب سے نازل کیا گیا ہے اور وہ ضرور اُن میں سے بہت سے لوگوں کی سرکشی اور کفر کو بڑھا دے گا جو آپ کے رب کی جناب سے آپ پر نازل کیا گیا، چنانچہ آپ کافر لوگوں پر غم نہ کریں۔(68)

سوال1: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رافع، سلام بن مشکم اور مالک بن صیف آکر کہنے لگے کہ محمد ﷺ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور اس کے دین پر ہیں اور جو کتاب ہمارے پاس ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں مگر تم نے نئی باتیں پیدا کر لی ہیں اور جو تمہاری کتاب میں ہے، اس کا انکار کرتے ہو اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کر دو، اسے چھپاتے ہو تو انھوں نے کہا جو ہمارے پاس ہے، ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور ہم ہدایت اور حق پر ہیں تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر بھی نہیں الخ۔(تفسیر ابن کثیر: 357,358/1)

سوال2: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ''آپ کہہ دیں اے اہلِ کتاب! تم کسی چیز پر نہیں یہاں تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم کرو اور اس کو جو تمہاری جانب تمہارے رب کی جناب سے نازل کیا گیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ قُلْ آپ کہہ دو۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ اے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ۔ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ ''تم کسی چیز پر نہیں''، تم کسی بھی اصول پر نہیں ہو۔ تم نے نہ اپنی کتابوں کو یعنی تورات و انجیل کو مانا ہے، نہ اپنے نبی کی تصدیق کی ہے، نہ محمد ﷺ کی اور نہ قرآن کی تصدیق کی۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ یہود کی گمراہی کا اعلان کر دیں۔

سوال3: حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ''یہاں تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم کرو'' اقامت تورات و انجیل کا تقاضا کیا تھا؟

جواب: اقامت تورات و انجیل کا تقاضا تھا کہ ان پر ایمان لا کر ان کو قائم کریں، ان کی پیروی کریں، جس کا حکم دیتی ہیں اس پر عمل کریں۔

سوال4: وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ''اور اس کو جو تمہاری جانب تمہارے رب کی جناب سے نازل کیا گیا ہے'' کی وضاحت

کریں؟

جواب:《1》وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ’’اوراس کو جوتمہاری جانب نازل کیا گیا ہے‘‘یعنی تورات وانجیل کے ساتھ ساتھ جو بھی تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لاؤ ان میں قرآن مجید بھی شامل ہے۔اب قرآن مجید پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں ہے۔《2》مِّنْ رَّبِّكُمْ ’’تمہارے رب کی جناب سے‘‘تمہارا رب جس نے تمہاری تربیت کی اور تمہیں نعمتوں سے نوازا۔تم پر اس کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ تمہاری طرف کتابیں نازل فرمائیں پس تم پر فرض ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے رہو۔اس کے احکامات کا التزام کرواور اللہ تعالیٰ کی امانت اوراس کے عہد کی جو ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے اسے پورا کرو۔(تفسیر سعدی:710)

سوال5:وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ’’اوروہ ضروراُن میں سے بہت سےلوگوں کی سرکشی اور کفرکو بڑھادے گا جو آپ کے رب کی جناب سے آپ پر نازل کیا گیا‘‘اللہ کی کتاب سے کس کے کفراورسرکشی میں اضافہ ہوتا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ان کی سرکشی اور کفر میں اضافہ ہوتا ہے جن کے دل کی گہرائیوں سے سچائی کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔《2》ایسے لوگوں کے لیے حق کا اعلان کیا جائے تو ان کے دل کی گندگی ظاہر ہو جاتی ہے۔《3》رب العزت کا فرمان ہے:وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا اورہم اس قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفااوررحمت ہے اور جو ظالموں کو خسارے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرتا۔(بنی اسرائیل:82)

سوال6:اللہ نے فرمایافَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ’’چنانچہ آپ کافرلوگوں پر غم نہ کریں‘‘غم کیوں نہ کریں؟

جواب:آپ کافروں پر غم نہ کریں کیونکہ انہوں نے خوداس راستے کا انتخاب کیااورآپ کا کام ہے پہنچادینا۔ان کے عمل کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔ان کے ایمان نہ لانے سے آپ ﷺ ملول نہ ہوں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِــُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ(69)

یقیناً جولوگ ایمان لائے اور جو یہودی بن گئے اورصابی اورعیسائی،جوشخص بھی ان میں سے اللہ تعالیٰ پراورآخرت کے دن پر ایمان لائے گااورنیک عمل کرے گا تو اُن پر نہ خوف ہے اورنہ وہ غمگین ہوں گے۔(69)

سوال1:اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِــُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا ’’یقیناً جولوگ ایمان

لائے اور جو یہودی بن گئے اور صابی اور عیسائی، جوشخص بھی ان میں سے اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا: یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کی۔ اور وہ اہل اسلام ہیں۔ ﴿2﴾ وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا یعنی یہودی۔ ﴿3﴾ وَالصّٰبِـُٔوۡنَ یعنی بے دین جو اہل کتاب کا ایک فرقہ ہیں۔ (ایسر التفاسیر) قتادۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ زبور پڑھتے تھے غیر قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے اور فرشتوں کو پوجتے تھے۔ وہب فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے۔ اپنی شریعت کے حامل تھے، ان میں کفر کی ایجاد نہیں ہوئی تھی، یہ عراق کے متصل آباد تھے، بلوثا کہے جاتے تھے، نبیوں کو مانتے تھے، ہر سال میں تیس روزے رکھتے تھے اور یمن کی طرف منہ کر کے دن بھر میں پانچ نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر:789/1) ﴿4﴾ وَالنَّصٰرٰی یعنی عیسائی۔ ﴿5﴾ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لا کر نیک عمل کرے گا اس کے لیے نجات ہے یعنی مسلمان، یہودی، عیسائی اور صابی کسی کا بھی دین قابل قبول نہیں جب تک اللہ تعالیٰ اور موت کے بعد کی زندگی پر ایمان نہ لے آئیں اور نیک عمل نہ کریں۔

سوال 2: اس آیت میں اس غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے کہ اسلام آنے کے بعد بھی اپنے دین پر قائم رہنے کی گنجائش ہے، وضاحت کریں؟

جواب: اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ کوئی جس عقیدے پر بھی ہو وہ اللہ اور آخرت پر ایمان لائے گا تو اس کے لیے کوئی خوف و غم نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا ہے کہ محمد ﷺ پر ایمان لائیں اور جیسا کہ آیت نمبر 68 میں فرمایا کہ تمہارا کوئی ایمان نہیں جب تک کہ تم اپنی کتابوں کے احکام اور قرآن پر عمل نہ کرو۔ ان کتابوں میں یہ حکم دیا گیا کہ جب آخری نبی محمد ﷺ کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو۔

سوال 3: فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ''تو اُن پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' خوف اور غم نہ ہونے کی خوشخبری کن لوگوں کے لیے ہے؟

جواب: ﴿1﴾ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ ''تو اُن پر نہ خوف ہے'' قیامت کے دن جو دہشت ناک حالات پیش آئیں گے ان کا انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا۔ ﴿2﴾ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ''اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' جو کچھ دنیا اور اس میں ہے جو کچھ وہ چھوڑ جائیں گے اس کا غم نہیں ہوگا۔ اس عزت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ انہیں کثیر ثواب عطا کرے گا۔ (جامع البیان:331/6)

اصل چیز ایمان ہے۔ جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے گا اس کے لیے نہ خوف ہوگا نہ غم۔

لَقَدۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ وَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰٓى اَنۡفُسُهُمۡ ۙ فَرِيۡقًا

كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ(70)

بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ان کی جانب بہت سے رسول بھیجے تھے، جب بھی کوئی رسول ان کے پاس وہ چیز لے کر آیا جو اُن کے دل نہیں چاہتے تھے تو ایک گروہ کو انہوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو وہ قتل کرتے رہے۔(70)

سوال1: لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ''بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی باتیں سن کر ان پر عمل کریں گے۔لیکن انہوں نے عہد شکنی کی اور اپنے رویوں اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے اور ان کو شریعت پر مقدم کیا۔(مختصر ابن کثیر: 459/1)﴿2﴾ ہم نے بنی اسرائیل سے اخلاص، اپنی توحید اور جس کا ہم حکم دیں اس پر عمل کرنے اور جس سے روکیں اس سے رکنے کا پختہ عہد لیا۔(جامع البیان:332/6)﴿3﴾ ہم نے بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے واجبات کو قائم کرنے کے بارے میں بھاری عہد لیا۔

سوال2: وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ''اور ان کی جانب بہت سے رسول بھیجے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ہم نے بنی اسرائیل کی طرف رسول بھیجے اور ہم نے اپنے رسولوں کی زبان سے اپنی اطاعت کے اعمال پر کثیر ثواب دینے کا وعدہ کیا اور اپنی نافرمانی کے اعمال پر شدید عذاب کی وعیدیں دیں۔(جامع البیان:332/6)﴿2﴾ ہم نے ان کی طرف پے در پے رسول بھیجے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے تھے اور ان کو رشد و ہدایت کی طرف بلاتے تھے مگر یہ چیز ان کے کسی کام نہ آئی نہ اس نے کوئی فائدہ دیا۔(تفسیر سعدی:214/1)

سوال3: بنی اسرائیل کی طرف آنے والے چند انبیاء کے نام تحریر کریں؟

جواب: یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام، عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام، یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام، موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اور داؤد عَلَیْہِ السَّلَام۔

سوال4: كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ''جب بھی کوئی رسول ان کے پاس وہ چیز لے کر آیا جو اُن کے دل نہیں چاہتے تھے''بنی اسرائیل کے دل کیا نہیں چاہتے تھے؟

جواب: بنی اسرائیل کے دل حق کو نہیں چاہتے تھے اس لیے انہوں نے حق کو جھٹلایا۔ان کے دل مریض تھے اسی لیے وہ حق کی طرف نہیں جھکتے تھے۔

سوال5: فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ''ایک گروہ کو انہوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو وہ قتل کرتے رہے''بنی اسرائیل کس وجہ

سے انبیاء کو جھٹلاتے اور قتل کرتے رہے؟

جواب: بنی اسرائیل خواہش پرست تھے۔انہوں نے اپنی خواہشات کو شریعت پر مقدم کیا کیونکہ انبیاء کی تعلیمات ان کو اپنی خواہشات سے ٹکراتی محسوس ہوتی تھیں۔اس لیے جتنی شریعت خواہشات کے مطابق ہوتی اسے مان لیتے اور باقی کو ٹھکرا دیتے۔پھر جو رسول خواہشات کی مخالفت میں شریعت لے کر آیا انہوں نے یا تو اسے جھٹلایا یا قتل کر دیا۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (71)

اور انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ کوئی فتنہ نہ ہوگا تو وہ لوگ اندھے ہو گئے اور بہرے بن گئے، پھر اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوا، پھر ان میں سے بہت سے اندھے ہو گئے اور بہرے بن گئے اور اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ دیکھنے والا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔(71)

سوال1: وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ''اور انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ کوئی فتنہ نہ ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ لفظ ''فِتْنَةٌ'' کے اصل معنی آزمائش کے ہیں مطلب یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور چہیتے ہیں اس لئے ہم پر دنیا میں کسی قسم کی ادبار ونحوست یا غلبہ دشمن کی قسم کی کوئی بلا نازل نہیں ہوگی (کبیر) ﴿2﴾ بنی اسرائیل یہ گمان کرتے تھے کہ ان کی نافرمانیوں کی بنا پر کوئی عذاب نہیں آئے گا نہ انہیں سزا دی جائے گی یعنی انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے شدائد اور سختیوں میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔اس طرح وہ اپنے باطل پر قائم رہیں گے۔﴿3﴾ مگر ان پر بلا نازل ہوئی چنانچہ جب وہ پہلی مرتبہ شعیب علیہ السلام کے زمانے میں حق سے بہرے اور اندھے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بابل کے کافر اور ظالم بادشاہ بخت نصر کو مسلط کر دیا جس نے ان کی مسجد اقصی کو جلا دیا ان کے اموال لوٹے اور ان کی اکثریت کو لونڈی غلام بنا کر بابل لے گیا۔(اشرف الحواشی:144/1)

سوال2: فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ''تو وہ لوگ اندھے ہو گئے اور بہرے بن گئے'' یہود کے جرائم تحریر کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہودیوں نے یہ گمان کیا کہ اگر ان کے جرم پر اللہ تعالیٰ نے فوراً انہیں پکڑا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ ان سے ناراض نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ ان کی سب حرکات دیکھ رہے تھے۔﴿2﴾ یہودی توبہ کی بجائے اندھے ہوئے اور بہرے بن کر، سرکشی میں بڑھتے چلے گئے۔﴿3﴾ یہودیوں نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں پر انہیں نہیں پکڑے گا اس لیے وہ حق سے اندھے بن گئے اور نصیحت سننے کے لیے ان کے کان بہرے بن گئے۔تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں مبتلا کیا اور ان پر بہت بڑا عذاب مسلط کر دیا۔(ایسر التفاسیر:358)﴿4﴾ وہ حق اور ایفائے میثاق سے اندھے بنے جو اللہ تعالیٰ نے

ان سے اپنی عبادت میں اخلاص کے بارے میں لیا تھا۔(جامع البیان:332/6)

سوال3: ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ''پھر اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر دیا اور ان کی توبہ بھی قبول کر لی۔

سوال4: ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ 'پھر ان میں سے بہت سے اندھے ہوگئے اور بہرے بن گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ دوسری بار ان میں تھوڑے سے لوگوں کے سوا سب اندھے اور بہرے بن گئے۔(ایسر التفاسیر:358)﴿2﴾ یعنی انہیں جیسے اوصاف کے ساتھ وہ اندھے اور گونگے بن گئے۔ان میں سے کم لوگ اپنی توبہ اور ایمان پر قائم ہیں۔ (تفسیر سعدی:712/1)

سوال5: وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ''اور اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ دیکھنے والا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' اور اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ دیکھنے والا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں''یعنی وہ ہر ایک کے عمل سے باخبر ہے ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔اچھا عمل ہوگا تو اچھی جزا برا عمل ہوگا تو بری جزا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ(72)

بلاشبہ ان لوگوں نے یقیناً کفر کیا جنہوں نے کہا کہ یقیناً مسیح ابنِ مریم ہی اللہ ہے حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی اور یقیناً جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً اُس پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں(72)

سوال1: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ''بلاشبہ ان لوگوں نے یقیناً کفر کیا جنہوں نے کہا کہ یقیناً مسیح ابنِ مریم ہی اللہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے کفر کے بارے میں آگاہ کیا ہے جس کی بنیاد یہ تھی کہ ان کی ماں نے ان کو بغیر باپ کے جنم دیا اور وہ عام طریقہ کار سے ہٹ کر پیدا ہوئے۔جب کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی''﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی شان اس شرکیہ کلمے سے پاک ہے۔مسیح اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں آپ نے گہوارے میں جو باتیں کیں ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔(مختصر ابن کثیر:1,460/146)

سوال2: وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ '' حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہ بات عیسیٰ علیہ السلام نے عہد نبوت میں ارشاد فرمائی تھی اور یہی تب ارشاد فرمائیں گے جب دوبارہ ان کا نزول ہوگا۔ ﴿2﴾ مسیح نے اپنے لیے عبودیت کا اظہار کیا ہے جو ساری مخلوقات کے کمال کو شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ربوبیت کے کمال کو ثابت کیا ہے۔

سوال3: عیسیٰ علیہ السلام کا کیا عقیدہ تھا؟

جواب: عیسیٰ علیہ السلام عقیدہ توحید کی طرف بلانے والے تھے۔ ان کی بعثت کا مقصد یہی تھا۔

سوال4: اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ '' اور یقیناً جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً اُس پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے یہ کہا تھا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔ اور جہنم واجب کر دے گا کیونکہ (الف) اس نے مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرایا ہے۔ (ب) اس نے اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کو اس سے پھیر کر اس کا رخ غیر اللہ کی طرف کر دیا ہے۔ اس لیے یہ عین عدل ہے کہ اس کی سزا کے طور پر وہ جہنم میں رہے۔ رب العزت نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرے گا تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ گھڑ لیا۔ (النساء:48)

سوال5: وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ '' اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا جو انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے اس کے عذاب سے بچالے۔ کوئی ایسا نہیں ہوگا جو اس عذاب اور مصیبت کو دور کردے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (73)

بلاشبہ یقیناً اُن لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ اس ایک ہی معبود کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اور اگر وہ اس بات سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا ہے انہیں

ضرور بہ ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔(73)

سوال1: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ’’ بلاشبہ یقیناً اُن لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے‘‘ کی ضاحت کریں؟

جواب: یہاں نصاریٰ کی تکذیب کی جارہی ہے جواقانیم ثلاثہ کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تین کے مجموعے میں سے ایک ہے یعنی باپ، بیٹااورروح القدس یاباپ، بیٹااور ماں مل کرایک معبود ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو کافرٹھہرایااور کہا کہ معبودتوصرف ایک ہی ہے۔(تیسیر الرحمٰن:361/1)

سوال2: عیسائیوں کا عقیدہ کیا تھا؟

جواب: اللہ تین میں سے ایک ہے۔باپ، ماں، بیٹا یا خدا، بیٹااورروح القدس۔

سوال3: وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ’’ حالانکہ اس ایک ہی معبود کے سوااورکوئی معبودنہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اورنہیں ہے کوئی معبودمگرایک ہی معبود جو ہرصفت کمال سے متصف اور ہرنقص سے پاک ہے۔وہ تخلیق وتدبیر کائنات میں منفرد ہے۔مخلوق کے پاس جوبھی نعمت ہے وہ اس کی طرف سے ہے۔اس کے ساتھ غیراللہ کو معبود کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں۔(تفسیر سعدی:713/1)

سوال4: وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ’’ اوراگروہ اس بات سے باز نہ آئے جووہ کہتے ہیں توان لوگوں میں سے جنہوں نے کفرکیا ہے انہیں ضرور بہ ضرور دردناک عذاب پہنچے گا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگروہ اپنے عقیدے سے باز نہ آئے توان میں سے جوکافر ہیں انہیں ضرور عذاب پہنچے گا۔(تفسیر سعدی:714/1)﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے ڈانٹ کرفرمایا کہ اگروہ اپنے اقوال سے باز نہ آئے اوراس افتراپردازی اور جھوٹ سے رکے نہیں تو آخرت میں قیدوبند کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔(مختصر ابن کثیر:466/1)

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ(74)

توکیاوہ اللہ تعالیٰ سے توبہ نہیں کریں گےاوروہ اس سے بخشش نہیں مانگیں گے؟اوراللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔(74)

سوال1: أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ’’ توکیاوہ اللہ تعالیٰ سے توبہ نہیں کریں گےاوروہ اس سے بخشش نہیں مانگیں گے؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ عظیم گناہ، افترا پردازی اور جھوٹ کے باوجود انہیں توبہ کی دعوت دے رہا ہے۔ ﴿2﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ: کیا آپ اپنی بات چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹتے جیسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کا اقرار کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش کیوں نہیں مانگتے؟

سوال 2: مشرکوں کو توبہ کی دعوت دی جارہی ہے، کیا توبہ کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے؟

جواب: توبہ کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے ہر کسی کو وقت ختم ہونے سے پہلے واپسی کا موقع دیا جاتا ہے۔

سوال 3: وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ''اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے جو توبہ کرنے والوں کے گناہ بخش کہ ان پر رحم فرماتا ہے خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں یا زمین کے ذروں کے برابر ہوں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی جانب سے توبہ کی دعوت اس کی رحمت ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کے لیے غفور ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ مومنوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ ﴿5﴾ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور اپنے بندوں کے ساتھ فضل و رحمت کا معاملہ ہے کہ اس گناہ عظیم اور افک مبین کے باوجود انہیں توبہ و استغفار کی طرف بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ اب بھی میری طرف جھک جاؤ ابھی سب معاف کردوں گا اور دامن رحمت میں لے لوں گا۔
(ابن کثیر: 791/1)

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (75)

مسیح ابنِ مریم تو صرف ایک رسول ہے یقیناً اس سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور اُس کی ماں صدیقہ تھی، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، آپ دیکھیں ہم کیسے اُن کے لیے نشانیاں کھول کر بیان کررہے ہیں، پھر آپ دیکھیں کہ وہ کدھر سے پھرائے جارہے ہیں۔ (75)

سوال 1: مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ''مسیح ابنِ مریم تو صرف ایک رسول ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''مسیح ابن مریم تو صرف ایک رسول ہے'' لہٰذا انہیں رب اور الٰہ نہ بناؤ۔ بے شک وہ فضیلت والے رسول تھے۔ ﴿2﴾ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں جو رسولوں کی جنس میں سے ہیں۔ ان کو ایسی فضیلت حاصل نہیں ہے جو انہیں ربوبیت کے مقام پر فائز کردے۔

سوال2: قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ’’یقیناً اس سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں جن کی بڑی فضیلت تھی۔(ایسر التفاسیر:359)

سوال3: وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ’’اور اُس کی ماں صدیقہ تھی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》وَأُمُّهُ ان کی ماں یعنی سیدہ مریم۔صِدِّيقَةٌ ان کا شمار صدیقین میں ہوتا ہے جن کا انبیاء کے بعد سب سے بلند درجہ ہے۔《2》سیدہ مریم اپنے قول اور اپنے عمل میں کثیر الصدق تھیں۔(ایسر التفاسیر:359)《3》صدیقیت وہ علم نافع ہے جس کا ثمرہ یقین اور عمل صالح ہے۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدہ مریم نبی نہ تھیں۔ان کا بلند ترین حال صدیقیت ہے اور فضیلت اور شرف کے لیے یہی کافی ہے۔اسی طرح سے عورتوں میں سے کوئی عورت نبی مبعوث نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کامل تر صنف یعنی مردوں میں رکھی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا أَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِيٓ إِلَيۡهِمۡ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر وہ سب مرد ہی تھے ہم ان کو وحی کرتے تھے۔(یوسف:109) جب عیسیٰ علیہ السلام انبیاء ومرسلین کی جنس میں سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ ماجدہ صدیقہ تھیں تو نصاریٰ نے کس بنا پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان دونوں کو بھی الٰہ قرار دے دیا۔(تفسیر سعدی:714,715/1)

سوال4: كَانَا يَأۡكُلَانِ الطَّعَامَ ’’وہ دونوں کھانا کھاتے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سیدہ مریم اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں محتاج تھے۔اگر الٰہ ہوتے تو کسی چیز کے لیے محتاج نہ ہوتے۔اور کھانے پینے سے بے نیاز ہوتے۔

سوال5: انۡظُرۡ كَيۡفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الۡاٰيٰتِ ’آپ دیکھیں ہم کیسے اُن کے لیے نشانیاں کھول کر بیان کر رہے ہیں‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اے ہمارے رسول! دیکھو ہم کیسے کفر کو باطل قرار دینے کے لیے واضح دلائل دیتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:359)

سوال6: ثُمَّ انۡظُرۡ أَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ’’پھر آپ دیکھیں کہ وہ کدھر سے پھرائے جا رہے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: دیکھو! ہم اپنی آیات کو کتنی وضاحت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں جو حق کو واضح کرتی ہیں۔اس کے باوجود وہ بھٹکتے چلے جا رہے ہیں۔

سوال7: عسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی تردید کیسے کی گئی؟

جواب: عقیدہ تثلیث کی تردید میں رب العزت نے انتہائی سادہ دلائل دیئے۔عیسیٰ انسان تھے،ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے،کھاتے پیتے تھے اور یہ سب انسان ہونے کے دلائل ہیں۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (76)

آپ کہہ دیں کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی نفع کا؟ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔(76)

سوال1: قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ’’آپ کہہ دو کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی نفع کا؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ قُلْ اے رسول آپ کہہ دیجیے۔ ﴿2﴾ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ’’کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو‘‘ کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس مخلوق کی عبادت کرتے ہو جو محتاج ہے؟ ﴿3﴾ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ’’جو تمہارے نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی نفع کا‘‘، جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ وہ تو اللہ ہے جس کے فیصلہ قدرت میں نفع بھی ہو اور نقصان بھی۔ ﴿4﴾ یہ دونوں نہ کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، نفع و نقصان کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اگر مخلوق کو کوئی قدرت حاصل ہے تو اللہ کی دی ہوئی ہے، اس لیے عیسیٰ اور ام عیسیٰ بھی کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ صاحب ’’فتح البیان‘‘ نے لکھا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی یہ حیثیت تھی (جو نبی تھے) تو اولیاء کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے، ظاہر ہے۔ (تیسیر الرحمٰن: 362/1) ﴿5﴾ صرف ایک اللہ ہی ہے جسے چاہے نفع پہنچائے، جسے چاہے نقصان پہنچائے، وہ نفع و نقصان کا مالک ہے۔ اسی کے فیصلے ہیں وہی اپنے فیصلوں کو نافذ کرتا ہے۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ نے بت پرستی، انبیاء و اولیاء پرستی، اور دیگر ہر قسم کی عبادت سے جو غیر اللہ کے لیے ہوتی ہے، اس سے منع فرمایا ہے کیوں کہ کوئی بھی معبود بننے کے لائق نہیں۔ (جامع البیان: 332/6)

سوال2: الوہیت کے مقام پر کون فائز ہوسکتا ہے؟

جواب: الوہیت کے مقام پر وہ فائز ہوسکتا ہے جو نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو۔ اور سب کچھ سننے اور جاننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

سوال3: وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ’’اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ السمیع ہے سب کی سننے والا اور سب کچھ سننے والا ہے، اگرچہ ان کی حاجات مختلف ہیں، اگرچہ ان میں زبانوں کا اختلاف ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ العلیم ہے وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ ظاہر و باطن، غیب اور حاضر، ماضی اور مستقبل کے تمام معاملات کو جانتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہے اس لیے وہ اطاعت اور ہر طرح کی عبادت کا مستحق ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ

ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (77)

آپ کہہ دیں اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق حد سے نہ بڑھو اور اس قوم کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جو اس سے پہلے یقیناً گمراہ ہو چکے اور بہت سوں کو انہوں نے گمراہ کر دیا اور وہ بھی سیدھے راستے سے گمراہ ہو گئے ہیں۔(77)

سوال1: قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ ''آپ کہہ دیں اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق حد سے نہ بڑھو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ کہہ دو اے محمد! اہل کتاب میں سے ان غلو کرنے والے عیسائیوں سے کہہ دو۔ کتاب سے مراد انجیل ہے۔ ﴿2﴾ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ ''اپنے دین میں ناحق حد سے نہ بڑھو'' حق سے تجاوز کر کہ باطل میں نہ پڑو۔ ﴿3﴾ غلو کے بارے میں ابن زید نے کہا: حق سے جدائی ہے اور ان کے غلو میں سے ہے کہ انہوں نے اللہ کی بیوی اور بیٹے کا دعویٰ کیا۔ ﴿4﴾ اپنے قول میں زیادتی نہ کرو، کیونکہ تم حق سے تجاوز کر کہ باطل کی طرف آ گئے تم نے کہا مسیح اللہ اور وہ ابن اللہ ہیں۔ آپ کہو وہ عبداللہ یعنی اللہ کے بندے ہیں اور اس کا کلمہ ہے جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا اور اس کی روح ہیں۔(تفسیر الدر المنثور: 533/2) ﴿5﴾ یہ آیت دلیل ہے کہ دین میں غلو جائز نہیں ہے، جیسا کہ بہت سے لوگ طہارت میں غلو کرتے ہیں، بہت سے لوگ صالحین اور ان کی قبروں کے سلسلے میں غلو کرتے ہیں اور بتوں کی طرح ان کی پرستش کرتے ہیں۔(تیسیر الرحمٰن: 363/1) ﴿6﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے میرے مرتبے سے زیادہ نہ بڑھاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو نصاریٰ نے ان کے مرتبے سے زیادہ بڑھا دیا ہے۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، اس لیے یہی کہا کرو (میرے متعلق) کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔(صحیح بخاری: 3445)

سوال2: وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ ''اور اس قوم کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جو اس سے پہلے یقیناً گمراہ ہو چکے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ایسے لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ پڑو جن کی گمراہی سامنے آ چکی۔ ﴿2﴾ وہ لوگ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی یہود جب انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں اپنی خواہشات سے کہا: عیسیٰ تم جادوگر ہو۔ اور انہوں نے کہا: کہ ان کی ماں بدکار ہے۔ نعوذ باللہ۔(ایسر التفاسیر: 360,361)

سوال3: وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا ''اور بہت سوں کو انہوں نے گمراہ کر دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: انہوں نے اپنی خواہشات سے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا۔

سوال4: وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ ’’اوروہ بھی سیدھے راستے سے گمراہ ہوگئے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہوگئے یعنی اعتدال کے راستے سے بھٹک گئے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی کرتے ہیں۔

سوال5: کسی قوم کے سواء السبیل سے بھٹکنے کی وجہ کیا ہوتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ گمراہ قوموں کے خیالات سے مرغوب ہوکر اپنے خیالات کو ان کے خیالات کے سانچے میں ڈھالنا۔ ﴿2﴾ اللہ کے دین کو ماننا لیکن اس کی تعبیر گمراہ قوموں کے خیالات کے مطابق ہوجائے۔ ﴿3﴾ اللہ کے دین کے نام پر دوسروں کے دین کو اپنانا۔

آخری آیات

لُعِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ (78)

بنی اسرائیل میں سے ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزر جاتے تھے۔ (78)

سوال1: لُعِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ’’بنی اسرائیل میں سے ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ بنی اسرائیل کے کافروں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے لعنت کی گئی یعنی انھیں دھتکارا گیا اور انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ ﴿2﴾ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ بنی اسرائیل پر ہر زبان سے لعنت کی گئی عہد موسیٰ میں تورات میں لعنت کی گئی، عہد عیسیٰ میں انجیل میں لعنت کی گئی، داؤد علیہ السلام کے عہد میں زبور میں لعنت کی گئی اور محمد ﷺ کے عہد میں قرآن مجید میں لعنت کی گئی۔ (ابن ابی حاتم 1182/4) ﴿3﴾ جب داؤد علیہ السلام کی طرف سے لعنت کی گئی تو ان میں سے ایک گروہ کو بندر بنایا گیا، جب عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی تو ان میں سے ایک گروہ کو سور بنا دیا گیا اور جیسا کہ محمد ﷺ کی زبانی ان پر لعنت کی گئی جس نے انھیں ہر اس خیر اور رحمت سے دور کر دیا جو دنیا اور آخرت میں اس کا موجب بنتی ہے۔ (ایسر التفاسیر:361)

سوال2: لعنت کا سبب کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جرم اور جرم پر اصرار۔ ﴿2﴾ جرائم سے روکنے والوں کا قتل۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے بنی اسرائیل پر لعنت کی اس کی وجہ کیا تھی؟

جواب: اس کی تین وجوہات ہیں ﴿1﴾ عصیان: یہ ان کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی وجہ سے۔ وہ واجبات چھوڑ دیتے تھے اور حرام کاموں کو اختیار کرتے تھے۔ ﴿2﴾ اعتدا: وہ دین سے زیادتی کرتے تھے‘ غلو کرتے اور بدعات اختیار کرتے تھے ﴿3﴾ انبیاء اور صالحین کا قتل کرتے تھے۔ (ایسر التفاسیر: 361)

سوال4: ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ’’یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزر جاتے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: بنی اسرائیل پر اس لیے لعنت کی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ظلم و زیادتی کرتے تھے۔ یہ لعنت ان کے کفر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا سبب بن گئی۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (79)

وہ ایک دوسرے کو اس برائی سے منع نہیں کرتے تھے جس کو وہ کر لیتے تھے یقیناً بہت ہی بُرا ہے جو وہ کر رہے تھے۔ (79)

سوال1: كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ’’وہ ایک دوسرے کو اس برائی سے منع نہیں کرتے تھے جس کو وہ کر لیتے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ بنی اسرائیل خود برائیاں کرتے تھے اور دوسروں کو برائیاں کرنے سے نہیں روکتے تھے۔ ﴿2﴾ برائی کو دیکھ کر اس پر خاموشی اختیار کرنا برائی ہے۔ ﴿3﴾ جس طرح برائی اور معصیت کے کاموں سے رکنا فرض ہے اسی طرح برائی کرنے والوں کو روکنا بھی فرض ہے۔ ﴿4﴾ جو شخص برائی سے نہیں روکتا وہ گناہوں کو معمولی سمجھتا ہے۔ ﴿5﴾ جب برائی سے نہیں روکا جاتا تو شر میں اضافہ ہوتا ہے اور لوگوں میں برائیاں کرنے کی جرأت بڑھ جاتی ہے نیک لوگ کمزور پڑ جاتے ہیں پھر وہ برے لوگوں سے مقابلہ کرنے کی قدرت نہیں پاتے۔ ﴿6﴾ جب برائی سے نہیں روکا جاتا تو علم ختم ہو جاتا ہے اور جہالت عام ہو جاتی ہے۔ لوگ برائی کو قبول کر لیتے ہیں یوں حقیقت بدل جاتی ہے لوگ باطل کو ہی حق سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ﴿7﴾ برائی پر جب روکا نہیں جاتا تو لوگوں کے دلوں میں برائی جم جاتی ہے اور لوگ برے لوگوں کی پیروی کرنے لگ جاتے ہیں۔ ﴿8﴾ اللہ تعالیٰ نے برائی پر نہ روکنے کی وجہ سے بنی اسرائیل پر لعنت فرمائی۔ ﴿9﴾ روایت ہے کہ جب اسرائیلی گناہ کرنے لگے تو انہیں ان کے علماء نے گناہوں سے روکا لیکن وہ باز نہیں آئے پھر علماء نے ان سے قطع تعلق نہیں کیا، ان کی مجلسوں میں اٹھتے بیٹھتے رہے، ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے آخر کار اللہ تعالیٰ نے بعض کی وجہ سے بعض کے دلوں پر مہر لگا دی اور داؤد عَلَیْہِ السَّلَام اور عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی زبانی لعنت کی کیونکہ وہ نافرمانیاں اور ظلم و زیادتی کرتے تھے۔ آپ ﷺ ٹیک لگائے بیٹھے تھے پھر

آپ ﷺ نے ٹھیک بیٹھ کرفرمایا۔اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تمہارا فرض ہے کہ لوگوں کو خلاف شرع باتوں سے روکتے رہو اوران سے شریعت کی پابندی کراتے رہو۔(مسند احمد)﴿10﴾ اسرائیلیوں میں سب سے پہلے برائی اس طرح گھسی کہ ایک شخص دوسرے کو برا کام کرتا ہوا دیکھ کر کہتا کہ اے شخص! اللہ سے ڈر جا اور یہ کام چھوڑ دے کیونکہ یہ کام تیرے لیے حلال نہیں ہے پھر دوسرے دن اس سے ملتا اور اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا اور کھاتا پیتا پھر جب انہوں نے ایسا کیا تو حق تعالیٰ نے بعض کی وجہ سے بعض کے دلوں پر مہر لگادی پھر یہ آیت پڑھ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! تم لوگ بھلی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے روکتے رہو ظالموں کا ہاتھ پکڑلو اور انہیں تنگ کرو جب تک کہ وہ حق پر نہ آجائیں۔(ترمذی)

سوال2: بنی اسرائیل کے زوال کے اسباب کیا تھے؟

جواب:﴿1﴾ ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔﴿2﴾ اہل ایمان کے مقابلے میں کفار کی حمایت ورفاقت کرتے تھے۔﴿3﴾ اہل ایمان سے دشمنی رکھتے تھے۔

سوال3: نیکی کا حکم اور برائی سے نہ روکنے کے نقصانات پر احادیث تحریر کریں؟

جواب:﴿1﴾ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم کرو اور ضرور برائی سے روکو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے، پھر تم اس سے دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔'' (جامع ترمذی:2169)﴿2﴾ طارق بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عید کے دن سب سے پہلے نماز سے قبل جس شخص نے خطبہ شروع کیا وہ مروان تھا۔ایک آدمی کھڑا ہو کر مروان سے کہنے لگا کہ نماز خطبہ سے پہلے ہونی چاہیے۔مروان نے جواب دیا وہ دستور اب چھوڑ دیا گیا۔(حاضرین میں سے) ابوسعید رضی اللہ عنہ بولے اس شخص پر شریعت کا جو حق تھا وہ اس نے ادا کر دیا (اب چاہے مروان مانے یا نہ مانے) میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو شخص تم میں سے کوئی بات شریعت کے خلاف دیکھے تو وہ ہاتھ سے اس کو بدل دے اگر ایسا ممکن نہ ہو تو زبان سے ایسا کرے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے ہی اس کو برا جانے مگر یہ ضعیف ترین ایمان کا درجہ ہے۔(صحیح مسلم:177)﴿3﴾ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(دین میں) سب سے پہلی کوتاہی جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ آدمی دوسرے آدمی سے ملتا اور اس سے کہتا: اے شخص! اللہ سے ڈر اور جو کام تو کرتا ہے اسے چھوڑ دے اس لیے کہ وہ تیرے لیے حلال نہیں ہے۔پھر جب کل کو (دوبارہ) اس سے ملتا (جبکہ وہ اسی حال پر ہوتا) تو اس کا یہ (گناہ پر اصرار) اسے اس کا ہم نوالہ، ہم پیالہ اور ہم مجلس بننے سے نہ روکتا۔(جبکہ تقاضا تھا کہ وہ اسکے ساتھ کھانے پینے اور ہم نشینی سے گریز کرتا)۔ پس جب انہوں نے ایسا کیا (یعنی یہ کوتاہی عام ہوگئی) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو یکساں کر دیا۔پھر نبی ﷺ نے یہ

آیات تلاوت فرمائیں: بنی اسرائیل کے کافروں پر داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی لعنت کی گئی، یہ اس سبب سے جو انہوں نے نافرمانی کی اور جو زیادتی کرنے والے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے جس کا ارتکاب وہ کرتے، یقیناً برا ہے جو یہ کرتے تھے۔ تو ان میں سے اکثر لوگوں کو دیکھے گا کہ یہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ البتہ برا ہے جو ان کے نفسوں نے آگے بھیجا۔ پھر فرمایا: ہرگز نہیں! تم ضرور نیکی کا حکم کرو اور ضرور برائی سے روکو اور ضرور ظالم کے ہاتھ کو پکڑو اور ان کو زبردستی (خوب کوشش کر کے) حق کی طرف موڑو اور ان کو حق پہ مجبور کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تم سب کے دلوں کو یکساں کر دے گا، پھر تم پر لعنت کرے گا جیسے ان پر لعنت کی۔ (ابوداوٗد: 4336)

سوال 4: لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ'' یقیناً بہت ہی بُرا ہے جو وہ کر رہے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کی برائی واضح کی ہے کہ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام چھوڑ دیا تھا۔ (ایسر التفاسیر: 360)

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ (80)

آپ ان میں سے اکثر کو دیکھتے ہیں جو ان لوگوں کو دوست بناتے ہیں، جنہوں نے کفر کیا۔ یقیناً بہت ہی بُرا ہے جو انہوں نے اپنی جانوں کے لیے آگے بھیجا کہ ان پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوا ہے اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (80)

سوال 1: تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' آپ ان میں سے اکثر کو دیکھتے ہیں جو ان لوگوں کو دوست بناتے ہیں، جنہوں نے کفر کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ان میں سے اکثر لوگ کافروں سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ یہود مشرکین مکہ اور منافقین مدینہ سے دوستی رکھتے تھے اور ان کی مدد کرتے تھے۔

سوال 2: لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ'' یقیناً بہت ہی بُرا ہے جو انہوں نے اپنی جانوں کے لیے آگے بھیجا کہ ان پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ان کے شر، کفر اور فساد کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کی صورت میں نکلا ہے۔ (ایسر التفاسیر: 361) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کھلا فساد ہے کیونکہ اس کے ناراض ہونے سے ہر چیز جو اس کائنات کے اندر ہے وہ ناراض ہو جاتی ہے۔

سوال3: یہود کی کفار دوستی پر اللہ تعالیٰ نے ناراضگی کا اظہار کیوں کیا ہے؟

جواب: کفار دوستی اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل چکے ہیں۔

سوال4: وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ''اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: وہ ایسے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے جس سے کبھی نکل نہیں پائیں گے۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (81)

اور اگر وہ اللہ تعالیٰ پر اور نبی پر اور اس پر ایمان رکھتے ہوتے جو ان کی جانب نازل کیا گیا، تو وہ انہیں دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ (81)

سوال1: اہل کتاب کی مشرکین و کفار میں دلچسپی کیا ثابت کرتی ہے؟

جواب: اہل کتاب کی مشرکین و کفار میں دلچسپی یہ ثابت کرتی ہے کہ ان کو کتاب سے کوئی دلچسپی نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل چکے ہیں۔

سوال2: وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ ''اور اگر وہ اللہ تعالیٰ پر اور نبی پر اور اس پر ایمان رکھتے ہوتے جو ان کی جانب نازل کیا گیا وہ انہیں دوست نہ بناتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ، نبی ﷺ اور کتاب اللہ پر ایمان بندے پر واجب ٹھہراتا ہے کہ وہ اپنے رب اور اس کے اولیا کے ساتھ موالات رکھے اور ان لوگوں سے عداوت رکھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا، اس سے عداوت رکھی اور اس کی نافرمانیوں میں پڑ گئے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت، موالات اور اس پر ایمان کی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو دوست نہ بنایا جائے۔ چونکہ ان میں مطلوبہ شرط موجود نہیں اس لیے یہ چیز مشروط کی نفی پر دلالت کرتی ہے۔ (تفسیر سعدی:718/1)

سوال3: وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ''لیکن ان میں سے اکثر نافرمان ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے، اس کے نبی ﷺ کی پیروی سے اور ایمان کے دائرے سے نکل گئے ہیں۔ ﴿2﴾ یہ ان کے فسق میں سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دوستی رکھتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (82)

آپ بلاشبہ ان لوگوں کی دشمنی میں جو ایمان لائیںسب سے سخت یہود کو پاؤ گے اور ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا اور یقیناً آپ ان سب سے دوستی میں زیادہ قریب ان لوگوں سے جو ایمان لائے ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا کہ یقیناً ہم نصاریٰ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یقیناً ان میں علماء اور راہب ہیں اور بلاشبہ وہ تکبر نہیں کرتے۔(82)

سوال1: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ''آپ بلاشبہ ان لوگوں کی دشمنی میں جو ایمان لائیں سب سے سخت یہود کو پاؤ گے اور ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہودی اور مشرک مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے سب سے زیادہ بھاگ دوڑ کرنے والے ہیں۔ ﴿2﴾ وہ مسلمانوں کے خلاف حسد، شدید بغض اور سخت عناد رکھتے ہیں۔ ﴿3﴾ یہود اور مشرکین مسلمانوں کے بڑے دشمن ہیں۔ یہود نے انبیاء کو قتل کیا۔ کئی بار نبی ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا، آپ ﷺ کو زہر دیا، آپ ﷺ پر جادو کیا۔ مشرک بھی ان کے ہم قدم ہیں۔

سوال2: وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ''یقیناً آپ ان سب سے دوستی میں زیادہ قریب ان لوگوں سے جو ایمان لائے ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا کہ یقیناً ہم نصاریٰ ہیں ان میں علماء اور راہب ہیں اور بلاشبہ وہ تکبر نہیں کرتے'' عیسائیوں کے دوستی میں قریب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کی اس محبت ومودت کے بہت سے اسباب بتائے ہیں: ﴿1﴾ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا یہ اس وجہ سے ہے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں۔ ان کا ناطہ اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوا ہے اور ان میں غرور نفس نہیں ہے۔ سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ان میں اصحاب نجاشی شامل ہیں۔ (ابن ابی حاتم:1184/4) ''یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی۔'' یعنی ان کے اندر علماء، زہاد اور گرجاؤں میں عبادت کرنے والے عباد ہیں، کیونکہ زہد کے ساتھ علم اور اسی طرح عبادت کے ساتھ علم یہ ایسی چیز ہے جو قلب کو لطیف اور رقیق بنا دیتی ہے اور اس کے اندر موجود سختی اور جفا کو زائل کر دیتی ہے۔ بنابریں ان کے اندر یہود کی سی سختی اور مشرکین کی سی شدت نہیں پائی جاتی۔ (تفسیر سعدی:719/1) ﴿2﴾ وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ جیسا کہ یہود اور اہل مکہ میں تکبر تھا۔ (تفسیر منیر) ''اور وہ تکبر نہیں کرتے'' یعنی ان کے اندر اتباع حق کے بارے میں تکبر اور سرکشی نہیں پائی جاتی۔ اور یہ چیز مسلمانوں سے ان کی قربت اور محبت کا باعث ہے کیونکہ متواضع اور منکسر المزاج شخص، متکبر کی نسبت بھلائی کے زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر سعدی:719/1) ﴿3﴾ نصاریٰ مسلمانوں سے زیادہ قریب اس لئے بھی ہیں کہ ان کے اندر حصول علم اور زہد فی الدنیا کی رغبت پائی جاتی ہے۔ اور جس آدمی کے اندر یہ دونوں چیزیں پائی جائیں گی اس میں بغض وحسد کا مادہ کم ہوتا ہے۔ (تیسیر الرحمٰن:365/1)